چارنک کی کشتی

(ناول)

صدیق عالم

چارنک کی کشتی

''چارنک کی کشتی'' صدیق عالم کا ایک ایسا منظوم ناول ہے جو ایک بہت ہی وسیع کینوس پر پھیلا ہوا ہے۔ یہاں شہر ایک بے کنار سمندر کی علامت بن جاتا ہے۔ جس میں کرۂ ارض سے لوگ ندیوں کی طرح آتے اور ضم ہوتے رہتے ہیں۔ کرداروں اور واقعات کا ایک بوکھلا دینے والا ہجوم ہے جو اس سمندر میں تیر رہا ہے، غوطے کھا رہا ہے۔ گرچہ یہاں واقعات اہم کرداروں کی زبان سے بیان ہوتے ہیں ناول کے آخر میں تمام کردار اور تمام ذیلی پلاٹ مل کر ایک انتہائی حیرت انگیز کلائمکس کی تشکیل کرتے ہیں۔

اس ناول کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں مرکزی کردار وہ عناصر ہیں جو یا تو سماج میں ناموزوں (Social misfit) سمجھے جاتے ہیں (بھٹا چارج، فادر ہرے رام)، سماج کے رَدکردہ (Social discards) ہیں۔ (چورنگی، بابا پیٹر)، Socially corroded (ایلین، مقیم) یا سماج کی نادیدہ قوتوں کے استحصال کا شکار (کلیسا، علی بابا، گھڑی پال) وغیرہ وغیرہ۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو ان تمام کرداروں میں کلکتہ کے بانی جاب چارنک کے کردار کی تمام متضاد خصوصیات موجود ہیں جو خود بھی ایک سیمابی اور سیلانی طبیعت کا آدمی تھا۔ شاید چارنک ان ناواجب اور نادرست کرداروں کے اندر آج بھی زندہ ہے اور کلکتہ چارنک کی وہ کشتی ہے جو اپنے جاوداں سفر پر رواں ہے۔ ناول کے یہ کردار سماج کے حاشئے پر زندہ ضرور ہیں مگر سماج پر جن افراد کا قبضہ ہے کیا وہ صحیح معنوں میں ان عناصر پر فیصلہ دینے کی سندر کھتے ہیں؟

ایک منفرد افسانہ نگار کی اس تصنیف کو پیش کرتے ہوئے ہمیں کافی مسرت ہو رہی ہے۔

ناشر

Price : Rs. 150/-

چارنک کی کشتی
صدیق عالم

ISBN : 81-86346-14-7

چارنک کی کشتی (ناول)

از

صدیق عالم

Charnock Ki Kashti
Urdu Novel
by
Siddique Alam

15A, Tarak Dutta Road

Calcutta - 700019

Phone : 2240-9973

سنِ اشاعت : ۲۰۰۳ء

سرورق اور قلمی خاکے : بسواجیت چکرورتی

پروسسنگ : ثاقب فیروز

انشاء گرافکس

6A, Kanai Seal St., Cal - 73

ناشر : انشاء پبلی کیشنز

Insha Publications

25B, Zakaria Street, Calcutta - 700073

Phone : 2235-4616

چار رنگ کی کشتی
صدیق عالم

رازدہ کے نام

جس نے میرے سائے میں جینے کی ناکام کوشش کی

صدیق عالم کی پچھلی اشاعت

آخری چھاؤں

فہرست

پیش لفظ

۱۹۸۳ء کے ستمبر کا مہینہ، جب ایک گیلی شام میں بس سے شہید مینار کے سامنے اترا۔ میرے سامنے روشنی اور تاریکی (روشنی کم، تاریکی زیادہ) کا ایک سیلاب تھا۔ میں بھی ہزاروں افراد کی طرح جو ہر روز کلکتہ آتے ہیں، اس سیلاب میں سما گیا۔ وہ دن اور آج کا دن، میں آج بھی اپنی تلاش میں گھوم رہا ہوں۔ اسی جستجو کا ایک حصہ ہے یہ ناول! اسے میں نے ۱۹۹۵ کے جون میں لکھنا شروع کیا اور مارچ ۱۹۹۸ تک یہ اپنے اختتامیہ تک پہنچ گیا۔ ابھی میں اس پر نظر ثانی شروع بھی نہ کر پایا تھا کہ ۲۲ اپریل کی منحوس صبح میری شریک حیات میرا ساتھ چھوڑ گئی اور میں اپنے دو بچوں کے ساتھ اکیلا رہ گیا۔ ایک سال تک یہ ناول جو نثری نظم کی شکل میں لکھا گیا تھا کتابوں اور ڈائریوں کی بھیڑ میں گم رہا۔ مجھے اپنی خاموشی سے نکلنے کے لئے اتنا ہی وقت لگا۔ لیکن ابھی میں اس تاریک سرنگ سے نکل ہی پایا تھا کہ ایک لمبی علالت کا شکار ہو گیا۔ میں اپنے نیک دل دوستوں کا اور خاص طور پر رسالوں کے مدیران کا تہہِ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے اس افسردگی اور قنوطیت کے دور سے نکلنے میں میری مدد کی اور مجھے پھر سے لکھنے کی طرف مائل کیا۔ ایسے وقت میں جب کلکتہ کی بھیڑ بھاڑ سے الگ میں اپنے گوشے میں خاموش زندگی گزار رہا تھا اور زیادہ تر اپنی تنگ سی بالکنی پر بیٹھا بادام اور کدم کے پیڑوں کے پیچھے کلکتہ کے اسکائی لائن کے اوپر بادلوں پرندوں یا طیاروں کو گزرتے دیکھتا رہتا، میں نے محسوس کیا جیسے کلکتہ دھیرے دھیرے میرے زخموں پر پھاہا رکھتا جا رہا تھا۔ میں نے ناول کی نظر ثانی شروع کی اور اس کے صفحات سے گذرتے ہوئے اچانک مجھے محسوس ہوا، میں اپنے زخموں کے ساتھ اس آسمان کے نیچے اکیلا انسان نہیں ہوں۔ اس کرۂ ارض پر بڑے بڑے واقعات رونما ہوتے رہیں گے، بڑے بڑے حادثات پیش آتے رہیں گے، آسمان کے برجوں میں تارے اپنے مقامات بدلتے رہیں گے، مگر گھنٹیاں اپنے شہتیروں سے معلق بجتی رہیں گی۔ کلکتہ دائمی ہے، اس کی موت کی پیشن گوئی کرنے والوں نے شاید زندگی کا مفہوم سمجھا ہی نہ ہو۔

صدیق عالم

مارچ ۲۰۰۳ء

کولکتا

پس، نصف النہار،

چارنک کا پڑاؤ ہوا ... صد افسوس!

اور اگ آیا ایک شہر

جس طرح ایک کگرمتا اپنی کیاری پر

بدنظمی کی کیفیت لئے اگ آتا ہے،

اور پھیلتا گیا

اتفاقات نے اسکی سمتیں درست کیں،

اسے استادہ کیا، اسکی بنا ڈالی، اسے قائم کیا

بہتے پانی کی گاد پر

محل، گوشالے، خستہ حال جھونپڑیاں

پہلو بہ پہلو مفلسی اور خودستائی؛

اور

گنجان اور وبا خیز شہر کے اوپر بیٹھی

موت

نگراں نظروں سے اسے تکا کی

Rudyard Kipling

چارنک کی کشتی

افتتاحیہ

سرخ آسمان کسی زخم کی طرح پھٹ پڑا تھا
نیچے دریا کے بے چین پانی پر
ایک مستولی جہاز کھڑا تھا
جس سے دیسی مزدور ننگے بدن،
اتار رہے تھے چھوٹی ناؤ پر
پیتل کی وہ عفریت نما گھنٹی
جو تھی اتنی ثقیل
کہ غلط زاویے پر رکھی جانے پر
خود ناؤ کو دریا میں ڈبو سکتی تھی

اپنی مٹی اور پیال کی جھونپڑی سے دور
ڈھیلے ڈھالے کرتے اور پاجامہ میں ملبوس
مچھروں سے پریشان، پسینے میں شرابور
بیٹھا تھا وہ برگد کے پیڑ کے نیچے،
بھاگرتی ندی کے کنارے
اپنی چارپائی پر ایک بھاری مسند کے سہارے
تاڑی کے نشے میں چور،
اس نے اپنے دیسی نوکر سے حقہ کی نے کی قبول

مسکرا کر لیا ایک کش

اپنی زوجہ ماریا سے ہوا مخاطب

(جسے اس نے ستی ہونے سے بچایا تھا)

- ماریا، ہمارا مٹی اور لکڑی کے چرچ کا ٹاور

- کب اتنا مضبوط ہوگا

- کہ ولکنسن کا تیار کردہ یہ بوجھ سنبھال سکے

- پھر بھی یرمیا سے کہہ دو

- اسے سختی سے باندھ کر لٹکا دے

- زور زور سے بجائے، کر دے اعلان

- جسے سنے ساری دنیا، نہ کہ صرف ہندوستان

- آئے تمام قوموں، تمام سرزمینوں کے لوگ

- زیر افلاک

- ہوں وہ ہندوستانی، کشمیری، مدراسی، یا پارسی

- یہودی، فرانسیسی، ولندیزی کہ پرتگالی،

- حبشی، عرب، ترک یا مور،

- چینی، ارمنی، جارجی، مغل،

- پٹھان، شیخ، سنیاسی، یوگئے

- ہوں وہ غریب، امیر، راجہ یا فقیر،

- چور، اچکے، راہزن ٹھگ یا اٹھائی گیر

- سفید بادلوں سے ڈھکے اس آسمان کے نیچے

- جہاں تک اس گھنٹی کی آواز گونجے

- سب آئیں،

۔ اپنی اپنی جنس کے مطابق پھلیں پھولیں
۔ اپنے خواب کا شہر بسائیں

اور صبح کی پہلی کرن کے ساتھ
جب دریا کی کشتیوں اور بجروں تک
چرچ کا گجر سنائی دے رہا تھا
جس سے پرندے خوفزدہ
پیراک خولوں پر بیٹھے ڈول رہے تھے
چارنک
کہ مرغے کی قربانی دے کر
پانچ پیر کا نیاز چڑھا کر آ چکا تھا
کھڑا تھا سوتانوٹی کے گھاٹ پر
ہمیشہ کی طرح تاڑی کے نشے میں چور
کشتیوں سے اترتے دیکھ رہا تھا
نیل، شکر، ساٹن اور بنات
لاکھ، چینی کے برتن، ڈھاکا کی ململ
اور آسام سے درآمد کئے گئے ہاتھی کے دانت
قریب ہی ایک دوسرے گھاٹ پر تھے
جوڑا بگان کے سیٹھ اور بساک جو اپنی زیر نگرانی
سوت کے گٹھوں کو کشتیوں سے اتروا رہے تھے
جن کے لئے چت پور کے گاؤں کے بنکر
قطار باندھے کھڑے تھے

مگر انکا کیا جو افیون کے نشے میں یہاں وہاں پڑے تھے

عین اس وقت، اس جگہ سے دور،
دریا پار ستگاؤں کا ایک پادری جو چھوڑ کر آیا تھا پرتگال
اپنی گردن پر لپیٹے برانگر کا رومال
ایک نیم منہدم شدہ منڈیر پر بیٹھا تھا دل برداشتہ
اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنا رہا تھا
۔ موت، بیماری اور غلاظت کے اس ڈھیر میں
۔ شاید گاڈ نے کیا نہ ہوگا روشنی سے تاریکی کو جدا
۔ اور جس طرح کوہِ سینا کی جھاڑی میں
۔ روشن ہوئی تو تھی مقدّس آگ
۔ مگر وہ جھاڑی بھسم نہیں ہوئی تھی
۔ شاید اس بھومی کی تقدیر میں لکھا ہے
۔ تا ابد یوں ہی جلتے رہنا
۔ انسانوں اور جانوروں کی زندہ لاشوں کے ساتھ
۔ وقت کی دیوارِ چین پر چلتے رہنا

علی بابا

تو گوپھر کی لکڑی کی ایک کشتی اپنے لئے بنا۔ اس کشتی میں کوٹھریاں تیار کرنا اور اسکے اندر اور باہر رال لگانا۔

پرانا عہد نامہ
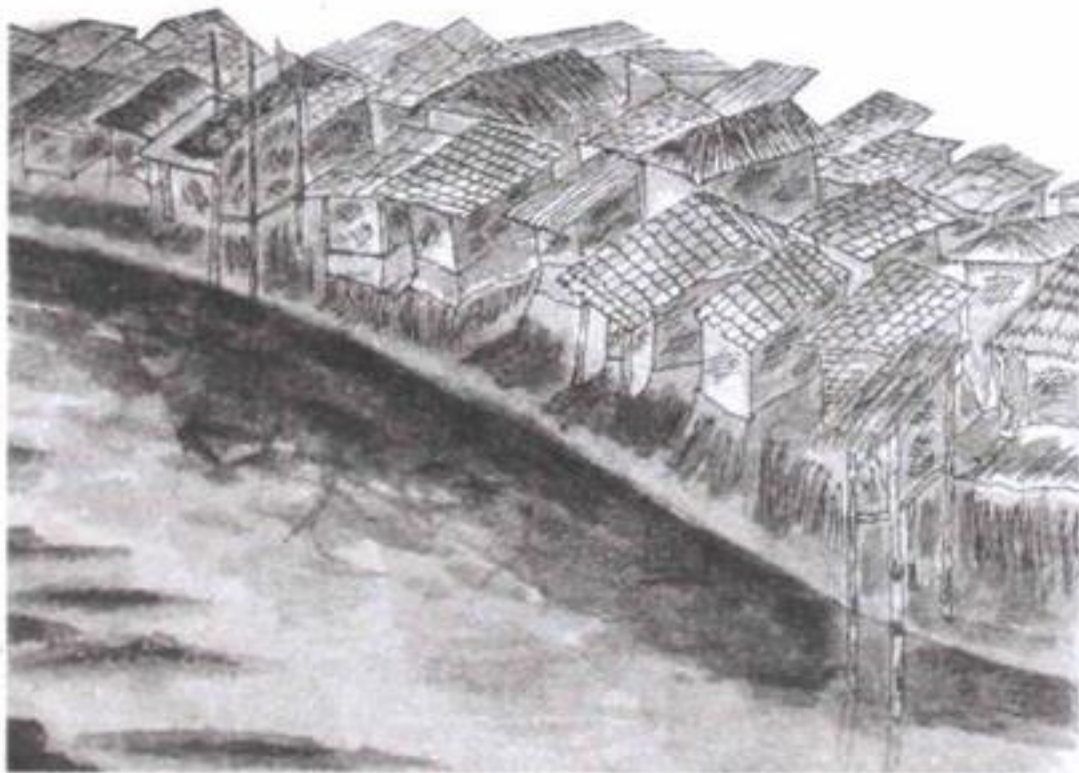
علی بابا

پچھلی برسات
جب ہمارے کھیت کھلیان ڈوب گئے
اور سانپ پانی سے لپک کر برگد کی شاخوں پر
ہونے لگے براجمان
میں نے کوچ کیا کلکتہ کی طرف
جہاں کی غلیظ نہروں میں
(یہاں کے لوگوں نے جنہیں کھال کا خطاب دے رکھا تھا)
پانی کی موجیں تھپیڑے مار رہی تھیں
میں نے لکڑی کے ایک کیوبکل کا انتخاب کیا
اسکے مکین نے (وہ ستر برس کا بوڑھا!)
میرا استقبال کیا اس امید پر
کہ میری گٹھری میں
اس کی بھوک مٹانے کے لئے کچھ تو ہوگا!
اسکے جسم پر بوڑھی ہڈیاں صاف پڑھی جا سکتی تھیں
میں نے اسے اپنی واحد روٹی میں
بنایا حصہ دار
۔ تم مانگو گے بھیک یا کرو گے محنت
۔ پھر بھی سر چھپانے کے لئے تمہیں ایک چھت کی ضرورت ہوگی
۔ تم یہاں رہ سکتے ہو، میرا پیٹ بھرتے رہنا

۔ جہاں تک میں جیوں' کہ مرنے کے بعد

۔ یہ گھر تمہارا ہے' میرا کیا ہے!

۔ مجھے کارپوریشن والے اٹھا کر لے جائیں گے

میں ہنسا' بوڑھے کا ذہن واقعی جواب دے گیا ہے

اگر اس نے اچھے کرم کیے ہوتے

تو اسے مرے برسوں ہو گئے ہوتے

یہ اپنا پاپ میرے سر تھوپنا چاہتا ہے

یہ سرکنڈوں' پھوس اور ٹاٹ کا بنا غیر قانونی گھر

یہ خود چھت مسکن

کہ ہوا کبھی بھی اسے نہر میں انڈیل سکتی ہے

میں کہ کھلی ہوا اور پھیلے ہوئے آنگن کا باسی

یہ لکڑی کا دیمک زدہ چوگوشہ کیا دے گا مجھے؟

لیکن نہر کا پانی گرج رہا تھا' کچھ کہہ رہا تھا

اور میں کشتیِ نوح میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا

سیلاب تو واپس لوٹ گیا

لیکن مجھے اس کی تہہ نشیں گاد پر چھوڑ گیا تنہا

جس سے ابھری تھیں

کلکتہ کی ڈھلی ڈھلائی عمارتیں اتنی سربلند

کہ میں مسحور' اسکے جال میں

ایک مچھلی کی طرح اٹک گیا

بوڑھا میرا سب سے بڑا ہمدرد

دن بدن تندرست ہوتا گیا
اس نے مجھے سکھایا کس طرح دانے باہر کروں
اس بوڑھے دیو کی انتڑیوں سے
جو کبھی کبھار اتنا بھوکا ثابت ہوتا ہے
کہ انسانوں تک کو مسلّم نگل جاتا ہے
جو اندر ہی اندر بہتے ہوئے
جا نکلتے ہیں پوتر گنگا میں
میرا چینی مالک سیمسن
جس نے اپنے رستوران میں مجھے نوکری دی
اور میرا اقلاش فلسفی گاہک بھٹا چارج
جس کی نیم پاگل بیوی نیم شب اٹھ کر
کتے کی طرح غرّانے لگتی ہے
ان دونوں کے بیچ میں
اٹکا تھا ایک کمزور توڑے دار پُل کی طرح
بھٹا چارج جس نے مجھے دکھایا راستہ
سونا گاچھی کا' اور سیمسن
جس نے مجھے ایک صلیب دے کر کہا
کیتھولک مذہب دنیا کا سب سے عظیم مذہب ہے

رستوران کے بچے کچھے کھانے لے کر
جب لوٹتا میں نہر کے کنارے'
بوڑھا ایران (اسے علم نہیں کس نے دیا یہ نام!)

اپنی خمیدہ انگلیوں کے لے لے کر چٹخارے
اس وقت کو دعائیں دیتا جب میں وارد ہوا
۔ اور اے میرے پیارے بیٹے
۔ میں ممنون ہوں ان لذیذ کھانوں کے لئے
۔ خدا تمہاری عمر دراز کرے
۔ مجھے خنزیر کا گوشت نہ کھلا دینا
۔ ورنہ تا قیامت قبر میں سڑتے رہو گے
۔ اور تمہیں گھیرے رہے گا کلکتہ کے بد بودار نالوں کا پانی
میں اسے کس طرح بتاتا
میں نے اپنے چینی مالک کو زبان دی ہے
کہ اگر کبھی میں نے اپنا مذہب بدلا
تو اس شرط کے ساتھ کہ مجھ پر
خنزیر کا گوشت نہ تھوپا جائے
۔ جو تمہارا ہارٹ بولے وہ کرو، سیمسن مسکراتا
اپنے نفیس دانت جو آدھے سونے کے تھے چمکاتا
اور اگرچہ میرا پیدائشی نام تھا فیاض علی
مجھے سیمسن سے ملا تھا علی بابا کا خطاب
وہ اپنے کاؤنٹر پر بیٹھا،
کھولتا مقدس کتاب
۔ ہمارے یسوع مسیح کا دل بہت بڑا ہے
۔ اور ویٹیکن کے ٹیلے پر ہمارا پوپ
۔ سب کے لئے نیک وچار رکھتا ہے

ایک بھاری ٹپ کے ممنون بوجھ سے تلملایا ہوا
جب میں بھٹا جارج کو پلانے لے جاتا
آلی پب کی آزمودہ شراب
رائل چیلنج، سوڈا اور کستوری کباب
تو اس کی کھٹمل سے داغدار گدّ وں والی کرسیوں پر
اشتہارات کی کمپنیوں کے پینٹر' کاپی رائٹر
ہمیشہ کی طرح دکھائی دیتے'
چند احمق سیاہ فام' سفید فام
مالائیں پہنے' وافر بال اگائے
لانبے لانبے گلاسوں پر سرخ و دبیز ہونٹ لٹکائے
اس خواب کے ٹوٹنے کی تصویر نظر آتے
جسے بھارت کی مٹی پر قدم رکھنے سے قبل انہوں نے دیکھا تھا
اور میزوں پر متعین مسلمان ویٹر
ناپاک شراب سے متنفر
بائیں ہاتھ سے پیمانے انڈیلتے گلاسوں کے اندر
بھٹا جارج جب پی کر بہکتا
تو نوازتا مجھے اپنی ہندی نما بنگالی گالیوں سے
مزید شراب کا حکم لگاتا
اور مجھے دنیا کا بدترین انسان قرار دیتا
جسے مہمان نوازی کا قطعی شعور نہ تھا
۔ تم سالہ بھاری اجبک ہے' یہ جان لو

۔ اب تم لوگوں کا دن ختم ہونے کو آیا
۔ تم نے ہمارے باپ دادا کو ایسٹ پاکستان سے بھگایا
۔ علی سالے، میں کہتا ہوں اب بھی لوٹ جاؤ
۔ کلکتہ کسی کے باپ کا نہیں
۔ اور ہو سکے تو مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو
اور جب وہ ٹوٹ جاتا تو قاضی نذرل کے گیت گاتا
سر ہلاتا، مسکراتا اور پیشاب کرنے چلا جاتا
مجھے یمسن یاد آتا
میں سوچتا، تاؤ اور کنفیوسس کے دیس سے نکلا
بوڑھا چینی اور یہ ناستک بھٹا چارج
جو اس وقت آلمپیا کے ٹائلٹ میں کھڑا
پیشابی مرتبان میں مشت زنی کر رہا ہوگا،
کیا میرے پاس صرف یہ دو راستے ہیں؟

۔ بیس سال سے یہ ہڈیاں مجھے ستا رہی ہیں
۔ مجھے پتہ نہیں میں ان کا کیا کروں
۔ میں جس دن مروں گا
۔ مجھے خبر ہے میرے پورے بدن کی چربی سے
۔ انگشت بھر کی موم بتی نہیں نکلے گی
۔ کتوں کو کیا ملے گا میری ہڈیوں سے
۔ سوائے اسکے کہ دوسرے کتوں سے
۔ ان کی دشمنیاں بڑھ جائیں گی

بوڑھا ایران جو بینائی کھونے سے قبل
ہوٹل غریب نواز میں کچھوں سے روٹیاں نکالا کرتا
اس کے پاس کوئی بھی کہانی نہیں تھی
اور میں سوچتا ان لاکھوں لوگوں کے بارے میں
جن کے پاس کوئی بھی کہانی نہیں تھی
اور میں سوچتا ان کروڑوں لوگوں کے بارے میں
جن کے پاس کوئی بھی کہانی نہیں،
اور میں سوچتا کیا خدا کی دسترس میں اب کچھ نہیں رہا؟
کیا انسان اب بلا وجہ کا ایک جاندار ہے؟
کیا سیمسن اور بھٹا چارج
ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں؟
کیا میں اس واہیات بے معنی بکواس بنجر زندگی سے
منہ موڑ کر نہیں چل سکتا؟
میرا اپا پائی محل کہاں ہے؟
وہ بونے کہاں گئے
جو مجھے سندباد کے جہاز کی اطلاع دینے والے تھے؟
وہ جھوٹ جسے سہارا دینے کے لئے
بلند کئے جاتے ہیں بین الاقوامی سطح پر نعرے
وہ خواب جسے اربوں ڈالر کے مستول پر
رکھا جاتا ہے ٹانگ کر،
کیا میرے حصے میں ایک سالم دانہ نہیں
جسے زمین کے بطن میں گاڑ کر

اُگا سکوں ایک پیڑ
میرا مستقل گاہک بخشش سنگھ
جو میرے سوائے کسی کے ہاتھ کی شراب نہیں پیتا
آخر وہ کیوں مجھ پر اس قدر مہربان ہے
کہ اسکے بوجھ سے میں کبڑا ہوتا جا رہا ہوں؟

سونا گاچھی کے نا چھوڑ دلال
لالہ، رحیم، گرجا شنکر اور جمال
باری باری سے مجھ پر حق جماتے
پیش کرتے مجھے سستی رنڈیاں
(پیپسی، مونیکا، کوئرالہ، یعقوب)
سماج کے باشعور افراد کی طرح
ہمیں انسدادِ حمل کی تھیلی تھماتے
سیلوٹ مارتے، کان کھجاتے
تمبا کو خور دانتوں سے مسکراتے
۔ سالہ بھٹا چارج بیکار آتا ہے!
۔ جانے کیوں آتا ہے؟
۔ آنے دو اگر آتا ہے
۔ اپنے باپ کا کیا جاتا ہے
۔ اپنی رنڈیاں تو خرچ نہیں ہوتیں
پیپسی نے جب سے بدلا ہے اپنا نام
پوری طرح چل نکلی ہے وہ سیہ فام

اسے کپڑے پہننے کی بھی فرصت نہیں
اسے تو اکثر دن میں بھی جاگنا پڑتا ہے
مونیکا' گوری اینگلو انڈین'
بلا کی گوری اینگلو انڈین'
کوئرالہ جس کے جسم سے پہاڑوں کی خوشبو جا چکی ہے
اور یعقوب جس کی بدزبانی بار بار گاہکوں کو کھینچ لاتی ہے
اور جب سوناگاچھی سے نکل کر
شارعِ عام پر ہم کسی چائے کی دکان پر رکتے
(چائے جسے بلا وجہ پیتے پلاتے رہنا
ہم ہندوستانیوں کی تہذیبی میراث میں شامل ہے)
اکثر بھٹاچارج اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کرتا
ہوئی کب ہماری پہلی ملاقات اور کہاں
اور کہ کیا یہ ضروری تھا کہ ہم اس طرح ملتے
۔ علی تم ایک ناسور ہو جس سے فرار ناممکن ہے
۔ اگر میری انٹی خالی نہ ہوتی
۔ میں ایک بھاری رٹپ کے ذریعے تمہیں تمہارا مقام بتاتا
۔ اگلا پچھلا سارا حساب چکاتا
اور میں سوچتا تاسف سے ہاتھ ملتا ہوا
یہ قلاش فلاسفر
جسے صحیح ڈھنگ سے مات کھانا بھی نہیں آتا
جسے دل کے نام پر
ایک ہیرا ملا ہے جو دو کوڑی کا نہیں

جس نے دنیا کو پرکھنے کے جنون میں
اسے گڈمڈ کر دیا ہے
اور جو کسی بھی لمحے
پیچھے کی طرف قدم رکھتا ہوا
اپنے پاگل پن میں واپس لوٹ سکتا ہے
(اسے روکنا اور صحیح دِشا دینا
شاید یہی انسانیت ہے!)

اور جب ہوگلی ندی کے پانی پر
بجروں میں مسلمان ملاح
ادا کرتے عصر کی نماز
غروب آفتاب سے قبل غیر ملکی جہاز
گدلے پانی کے بہاؤ سے بے نیاز
ہوگلی پل کے آس پاس ہوتے لنگر انداز
ندی پر بنی حفاظتی دیوار پر بیٹھا بھٹا چارج قہقہے لگاتا
سگریٹ سلگاتا، ریح خارج کرتا اور چپ ہو جاتا،
میں بڑھاتا مونگ پھلی کا ٹھونگا جس پر
ڈالتا وہ حقارت کی نظر
۔ میں کہہ رہا تھا...
ہوا اس کی سرگوشی لے جاتی نوچ کر
اور اس کے منہ پر دے مارتی
۔ ... چھٹی گزارنے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟

۔ اور ہم یہاں بیٹھے جانے کیا تیر مارتے ہیں؟

۔ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ ہم سوسائٹی میں

۔ دیکھتے کوئی فحش ساؤتھ انڈین فلم؟

۔ اور اگر وقت ضائع کرنا تھا

۔ تو کیا برا تھا ایسٹ بنگال اسٹیڈیم؟

۔ جس کا چوکیدار رتناگری یوں تو ہے جنیودھاری

۔ اس پر، ہوٹل نظام کے بیف کباب کا نشہ ہے طاری

۔ فیاض، اگلی چھٹی کے دن ہم سندربن نکل جائینگے

۔ کریں گے کشتیوں میں سیر، گھڑیال کو دھوپ سینکتے دیکھیں گے

۔ پیئنگے خالص شہد اور وونگ ٹاور میں بیٹھے بیٹھے

۔ رائل بنگال ٹائگر کا خواب دیکھینگے

لیکن مجھے بھٹا چارج کی تجویز سے دلچسپی نہ تھی

بھٹا چارج کیسا دار شنک ہے

اسے غروبِ آفتاب کے آس پاس کی

ہوگلی ندی نہیں بھاتی

دورانِ جزر

میں تو جب بھی ڈالتا ہوں نظر

اس کے کیچڑوں بھرے فلس دار کناروں پر

تو مجھے رانی راس منی کی زنجیر دکھائی دیتی

جس سے وہ بندرگاہ میں آنے سے روکتی

فرنگیوں کے جہازوں کو

یہیں، دریا پار فرنگیوں نے شروع کیا

شیر شاہ کے بنائے ہوئے راستے پر
دلی کا تابناک سفر
مگر ہمیشہ کی طرح بھٹا چارج سے
رک جاتا میں یہ سوال کرتے کرتے
کیوں، جب بھی کسی مرد کی لاش بہتی ہے
گنگا کے گدلے پانی پر
دکھائی دیتی ہے دوزانو
جب کہ عورت کا مردہ
اپنے کولہوں پر دراز دکھائی دیتا ہے؟
کیا یہ مباشرت کے دائمی اصول کے مطابق ہے
جو موت کے بعد بھی صادق ہے
یا ایسا ہے کہ میں نے جب دیکھا ہے
مردوں کو اسی طرح محض اتفاقیہ دیکھا ہے؟
مگر بھٹا چارج جانے کیا وجہ تھی کہ مسکرا اٹھتا
ہمیشہ کی طرح روندر گیت گا اٹھتا
۔ کلکتہ وسیع ہے، مگر وسیع تر ہے یہ جگہ
۔ جہاں سے تم ڈال سکتے ہو نظر
۔ دو عظیم الشان پُل پر
۔ جو دلاتے ہیں ہمیں یاد ٹیگور اور ودیا ساگر کی،
۔ اگر یہ دو نام نہ ہوتے
۔ تو کیا بچتا ہم بنگالیوں کے پاس
۔ ہم پھرتے کنگال

۔ بالکل ہی غریب کہلاتا ہمارا بنگال

اور اکثر ہم وہ بھی کر گذرتے
اسٹیڈیم کی تنگ چوبی گیلری پر بیٹھے
فٹ بال کے کھلاڑیوں کو گالیوں سے نوازتے
ریفری کو رنڈی کا خطاب دیتے
اور اس بات سے بے نیاز
کون جیتا اور کون ہارا
نکل پڑتے اسٹیڈیم سے باہر
جہاں زندگی چوڑی چکلی سڑکوں پر
دوڑ لگا رہی ہوتی
ہم میدان میں چلتے چلتے
ناگہاں پلٹ کرتا کتے
اور جیسے ہمارا اشارا پا کر
عضوِ تناسل سے مشابہ
شہید مینار کی چوٹی جل اٹھتی
اور آبرائے گرانڈ'
وہ سفید پوش ڈیلکس فائیو اسٹار
جس کی محرابی گذرگاہ میں متناسب دوری پر
فربہ اندام طوائفیں، اچھالتیں
گاہکوں پر رنگین ہونٹوں کے اشارے
ہم جادو گھر کے عفریتی پھاٹک کے پاس رکتے

جہاں سے بھٹا چارج جانے کہاں غائب ہو جاتا
جانے اسے زمین نگل جاتی یا آسمان کھا جاتا
اگلی ملاقات میں جب میں کرتا
اس کی اس خود غرضی کا تذکرہ
تو بھٹا چارج مسکراتا جس کا کھنچتا چلا جاتا سرا
۔ فیاض، یقیناً میں ایک دن بتاؤں گا
۔ کیا راز ہے میں جادو گھر کے بڑے پھاٹک پر
۔ غائب ہو جاتا ہوں
۔ شاید ابھی تم اس کے لئے تیار نہیں ہو
۔ یا ہوسکتا ہے فلکیاتی نظام نے
۔ کیا نہیں ہے وہ دن طے
۔ مگر نہیں ہے یہ اتنی پراسرار شئے
۔ کہ تم پیشاب روک لو
۔ یا زنخوں کی طرح اٹھلاؤ
۔ جاؤ، گاہکوں سے نپٹو
۔ ان کے جوٹھے برتن اٹھاؤ
اور آج کل کی مہنگائی کے دور میں
برتنوں میں پس خوردہ کون چھوڑتا ہے
وہ تو برتنوں کی قسمت اچھی ہوتی ہے
صحیح سالم لوٹ آتے ہیں
کچن میں دھو دھلا کر گرم ہوا کھاتے ہیں

اور اکثر ہم وہ بھی کر گذرتے
جب نشے میں کرتے عالم بالا کی سیر
سوسائٹی میں ٹکٹ کٹاتے
ڈھونڈ نکالتے ایک سستی رنڈی
اور اپنے بیچ بٹھا کر
فلم کا لطف اٹھاتے
رنڈی کسمساتی، اپنے جسم کے ٹٹولے جانے پر
منہ بناتی،
لگے ہوئے بٹنوں کو کھولتی، کھلتے بٹنوں کو لگاتی
اور جب فلم کے خاتمے پر روشنی ہوتی
اور نشہ اترتا
تو وہ رنڈی ایک بوڑھی کھوسٹ نکلتی
جو بیس کا نوٹ دبا کر کھسک لیتی
چھوڑ جاتی ہمیں تلخ، حیران اور فریب خوردہ
ہم ایک دوسرے پر تہمت دھرتے
میں بھٹا چارج کے منہ پر مُکا جماتا
وہ خون تھوکتا، کولہے ہلاتا
ہم گلے مل کر گیت گاتے
میدان کی طرف سے واپس لوٹتے
گھڑ سوار پولس کو ماں کی گالی دیتے
گھوڑے کی لید کو ٹھوکر سے اڑاتے
۔ سالہ علی بابا اپنا یار ہے

- وہ نہیں تو دنیا بیکار ہے
- علی اگر تم کر لیتے سِول سروس کا امتحان پاس
- تو یوں نہ چرتے میرے ساتھ گھاس
- منسٹروں کے پیروں کی خاک چاٹتے
- اچھے عہدے پر ہوتے 'منّ وسلویٰ بانٹتے
- بڑے گھر کا داماد چنے جاتے
- ہر محفل میں سنجیدگی سے سنے جاتے
- علی بہتر ہے
- اپنی پتلون کی زپ جانچ لو
- ورنہ دنیا تمہارا راز جان جائے گی
- پھر تمہارے پاس چھپانے کے لئے کچھ بھی نہ باقی بچے گا

اور ایک دن جب میں واپس آیا نہر کے کنارے
بوڑھا بیٹھا تھا
لکڑی کی کیل خوردہ دیوار کے سہارے
اسکے پوپلے منہ پر مکھیوں نے بنا رکھا تھا سنڈاس
دو چار بوڑھے اور بچے کھڑے تھے دروازے کے پاس
دیکھا مجھے تو کھسک لئے تمام
اور میں دیکھتا رہ گیا گھر اور اس کا بے جان وجود
جانے ایسے انسان کا کیا کرے گا معبود !
یوں لگ رہا تھا مرنے کے بعد بھی
اس نے قائم رکھا تھا گھر پر اپنا پہرا

ابھی میں سوچ میں تھا گم
کہ کھڑکی پر نمودار ہوا ایک چیچک زدہ چہرہ
جو فوراً ہو گیا غائب
اور اس نے ایک بھاری بھرکم ہاتھ کی شکل لے کر
میرا کندھا تھپتھپایا
اور نکوٹین کی بدبو پھیلاتے ہوئے گنگنایا
۔ دنیا کا یہ ہے پرانا اصول
۔ کہ زندوں سے زیادہ مُردوں کو پیسے کی ضرورت پڑتی ہے
۔ کہ خالی جیب قبر تک مردے کرتی نہیں قبول
میں نے اسکا شکریہ ادا کیا
مناسب رقم تھمائی اور نہر کے متوازی
اپنی چوبی ٹانگ کے ٹھٹھ کے سہارے
وہ جاتا دکھائی دیا
اور جانے کیا بات تھی، وہ ہو رہا تھا جس قدر دور
اسکے چیچک کے داغ اتنے ہی دکھائی دے رہے تھے مدور
اور ابھی میں بوڑھے کی موت کے سانحے کو
پوری طرح محسوس بھی نہ کر پایا تھا
کہ کسی قریبی مسجد سے آئی اذان
جس کے خاتمے پر
بوڑھے ایران کی موت کا ہوا اعلان
وقت بعد نمازِ عصر، مقام باگماری قبرستان
اور نہر کے کنارے لکڑی کا وہ غیر قانونی مکان

اہم ہوا تھا' لاش کے گرد پھیلائی گئی چادر
اور نہلا دھلا کر
بوڑھے ایران پر عطر چھڑکا گیا
آنکھوں میں سرمہ ڈالا گیا
جنازہ تین چکوں والے آٹو وین پر نکالا گیا
مانوس کتے نہر کے آر پار کھڑے نظارہ کئے
محرابی پُل کے دائمی بھکاری
سنجیدہ چہرے لٹکائے
آخری دیدار کے لئے آئے
اور دو چار تو روٹی کے لالچ میں لپکے لپکے
باگماری قبرستان تک آٹپکے
شام کا وقت تھا'
پرندے ناریل کے درختوں میں مچا رہے تھے شور
سورج اپنے آخری نیزے پھینک رہا تھا
زمین کی اور
میں قبر سے تھوڑی دور کھڑا
جانے کیوں با آواز بلند رو پڑا
(خدا کا شکر ہے' لوگ جا چکے تھے!)
قبرستان کے پھاٹک کے اندر بھکاری
روٹی بتاشہ کھا چکے تھے
میں بڑھا اور میں نے قبر پر ایک موم بتی روشن کی
مجھے اپنا گاؤں یاد آیا

بڑے بوڑھے اب مرکھپ گئے ہونگے
کتنے سیلاب، سوکھا اور فساد کی لپیٹ سے
گزرا ہوگا میرا آبائی گاؤں
وہ چھوٹی سی مسجد کا مدرسہ
اور کنول کے پتوں سے ڈھکے تالاب کے کنارے
کھجور کے پیڑ اور پیپل کی چھاؤں
اگر میں منہ دکھانے کے قابل ہوتا
تو کیا لوٹ نہ جاتا؟
رات آسمان پر
چاند کی درانتی لے کر آ چکی تھی
ہوا چلی، موم بتی اپنا نور گنوا چکی تھی
ایک ہاتھ نے میرے کندھے کو چھوا
نکوٹین کی بو میرے نتھنوں سے ٹکرائی
میرے چیچک رو ساتھی کی آواز آئی
- دنیا تو ایک سرائے فانی ہے
- یہاں ہر آنی کو جانی ہے
- تھوڑے سے پیسے بچے ہیں رکھ لو
- آٹو وین والے نے کرایہ لینے سے انکار کر دیا ہے
- ثواب کمانے کا یہ اس کا اپنا طریقہ ہے
- کیا یہ سائنس کا کمال نہیں
- لوگ آٹو وین کے ذریعے کمارہے ہیں ثواب
- اور جب ہو چکے گا منکر نکیر سے سوال و جواب

۔ اگلی برسات تک

۔ تمہارے باپ کی لاش کو کیڑے ٹھکانے لگا چکے ہونگے

میں مڑا

اسے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا

۔ وہ میرا باپ نہ تھا

۔ مجھے تو جنا تھا گاؤں کی مسجد کے پیش امام نے

۔ جو ہوا تھا جانے کہاں سے وارد

۔ اور کر کے میری ماں سے نکاح

۔ چھوڑ گیا تھا مجھے میری ماں کے پیٹ میں

۔ پیدا ہونے سے قبل ہی

۔ میں آ چکا تھا بھوک اور مفلسی کی لپیٹ میں

۔ وہ میرا باپ نہ تھا

۔ میرا باپ تو کسی دوسری مسجد میں

۔ کسی دوسرے نام سے پیش امام ہے

۔ اور اگا رہا ہوگا کسی دوسری عورت کے پیٹ میں

۔ ایک اور بچہ!

۔ اور وہ میرے لئے سب کچھ تھا' کیونکہ میرا باپ نہ تھا

۔ اسکے پاس ایک بھوکا پیٹ تھا

۔ جیسا کہ میری ماں کے پاس ایک بھوکا پیٹ تھا

۔ جس نے بھوک سے مجبور ہو کر

۔ مجھے بیچ ڈالا تھا گماشتہ کے ہاتھوں

۔ اور میری جدائی کے دکھ میں ہو کر پاگل

۔ ایک کوبرے کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا تھا
۔ جس نے اسے موت کا تحفہ دیا تھا
۔ مجھے یاد آتی ہیں میری ماں کی قبر پر اگی ہوئی جھاڑیاں
۔ میں آج دوسری بار یتیم ہوا ہوں
اس نے مجھے اٹھایا بازوؤں سے پکڑ کر
میرے آنسو پونچھے' اور تکیہ دار کے ہمراہ
مجھے لے چلا قبرستان سے باہر
۔ مطمئن رہو'
۔ یہ کلکتہ کی مٹی ہے اس قدر زرخیز
۔ اس قبر پر ان سے بہتر جھاڑیاں اُگ آئینگی
۔ اس موت کے بعد کلکتہ نے تمہیں اپنا لیا ہے
۔ اب تم بھی شان سے کہہ سکتے ہو
۔ یہ زمین تمہارے باپ دادا کی ہے
۔ اس کی مٹی پر تمہارا بھی حصہ ہے
۔ مگر یہ کیا قصہ ہے؟
ہم تینوں قبرستان کے پھاٹک پر
سنسان سڑک کے کنارے تھم گئے
جو منظر دکھائی دیا اس سے برف کی طرح جم گئے
پانچ افراد ہٹے کٹے اور مشتبہ
ایک ٹیکسی کی ڈگی سے نکال رہے تھے مردہ
جو کسی نوجوان لڑکے کا تھا
اس کے سارے بدن پر خون کی پپڑیاں جمی تھیں

اس کی بے جان آنکھیں اپنے گڈھوں میں تھمی تھیں
ہمیں دیکھتے ہی انہوں نے ریوالور اور چھریاں نکال لیں
اور ہمیں اس لاش کو دفنانے میں دینا پڑا ساتھ
ہم دونوں سہمے سہمے سے تھے' کیا کرتے سوال
یہاں تک کہ رو پڑا ان کا سردار احمد جلال
۔ مجھے نہیں بھاتا اپنے ہی ہاتھوں اپنے آدمی کا خون
۔ اسے میں نے اس کی ماں کی کوکھ سے نکلتے دیکھا تھا
۔ گھٹنوں اور ہتھیلیوں کے بل چلتے دیکھا تھا
۔ مگر یہ ہمارے پیشے کا ہے پرانا قانون
۔ غدّاری کی سزا موت اور خون کا بدلا خون
۔ پھر بھی اللہ حافظ اسے غریقِ رحمت کرے
۔ اسکا مقام ٹھہرے دوزخ سے پرے
گرچہ جبریہ بھرتی کیئے گئے تھے ہم تین
ہم کیا کرتے' ہم نے بھی کہا، آمین؟
اور پھر ہمیں ان کے ساتھ جانا پڑا
ٹینگرا کے ایک ممنوع شراب خانے میں شراب پینی پڑی
چلّی چکن کھانا پڑا
تکیہ دار ایک موٹی سی رقم کے ساتھ
جانے کب کھسک لیا
ہم چھوڑ دیئے گئے رات کے دو بجے
سنسان نہر کے کنارے
نشے میں غرق'

مزید بوتلیں تھامے،
ایک دوسرے کے سہارے
ہمارے جسموں میں بجلیاں دوڑ رہی تھیں
آسمان کی گہرائیاں ستارے توڑ رہی تھیں
نکوٹین کی بو پھر سے مجھ تک آئی
اور چیچک رو نے شہادت کی انگلی دکھائی
اور جیسے کلکتہ کی عمارتیں
اسکے اشارے پر اور بھی لانبی ہو گئی تھیں
۔ شہر میں مباشرت کا دوسرا دور ختم ہو چکا ہے
۔ انسان کا جسمانی جنون کم ہو چکا ہے
۔ اب اگر فرشتے اتریں
۔ انہیں اپنا ہم شکل پائینگے
۔ قدرت کے انتظام میں انہیں اپنا بدل پائینگے
وہ مڑا اور اس نے اپنا بوجھ میرے بدن پر ڈالا
اپنی سوالیہ آنکھوں سے مجھے کھنگالا
وہ گھٹنوں کے بل نہر سے اوپر سرکنے لگا
میں نے اس کی گردن سہلائی
ننگا کیا اس کی ریڑھ کی ہڈی کو،
چوما،
ہماری سماعت کی دیوار میں کوئی کھڑکی
زور سے ہوئی بند،
جانے کس کی آنکھیں جلیں، کس نے ملامت کی

چیچک رو کی گردن نہر کی طرف جھکی
ہوگئیں اس کی سانسیں تیز، دینے لگیں دُرگندھ
نکوٹین کی لپٹیں پھیلنے لگیں
میری گردن تن گئی اور پلکیں ہوگئیں
آسمان تک بلند
جہاں ایک فرشتہ کھڑا تھا پر پھیلائے
اور اس سے پرے ایک شہزادی،
جس پر دونوں جانب سے دو ننھے پنکھے ہلائے
اور کیا یہ وہی خواب نہ تھا
جسے دیکھا کرتا ہے ہر کمتر انسان
تہہ میں کنویں کی؟

نہر پر چاند نکل آیا
گندا پانی کالی روشنائی میں ڈھل آیا
ایک بچہ کسی جھونپڑی کے اندر رویا اور ہوگیا خاموش
پُل پر اپنا بدن بیچ کر لوٹی تھی ایک خانہ بدوش
وہ ہمیں دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس پڑی
چیچک رو نے اسے ماں کی گالی دی
اپنی لکڑی کی ٹانگ اس کی طرف پھینکا
پتلون کو ننگے کولہوں پر کھینچتا ہوا
پھدکتے ہوئے پُل کی طرف بڑھا
مگر ہو چکی تھی غائب وہ خانہ بدوش

صرف پُل کی منڈیر پر
ایک سیامی بلی کی آنکھیں چمک رہی تھیں مخدوش

کلکتہ کبھی مکمل تھا
مگر پھر ٹوٹنے لگا یہ شہر
ادھوری دیواریں' ادھوری چھتیں
ادھورے راستے' ادھوری نہریں
ادھورے گھاٹ' ادھوری لہریں
قدامت پرستوں کے ہونٹ تلخ
میں اپنی فرصت کے لمحوں میں سیاح
تھکے ہوئے قدموں پر ایک خودسر انسان
ادھیڑ عمری کی طرف بڑھتا پریشان
ہوڑہ پل میرے لئے خودکشی کا لاجواب نسخہ
اور وکٹوریا کی فلزی ملکہ ایک بحث طلب مہمان
کبھی سنسان گلی میں ایک غیر آباد کلیسا
کبھی فٹ پاتھ سے مردار اٹھاتی
کوتاہ قد' مادام ٹریسا
انصاف کا رعب جماتا ہائی کورٹ
ہوڑہ پل کے نیچے' گھاٹ کی پختہ سیڑھیوں کے کنارے
جسم پر مٹی کی مالش کرتے لنگوٹ
تھیٹر روڈ کے کنارے گنجا تارا منڈل
میدان میں گا ہے بگا ہے سایہ دار جنگل

جس میں بیٹھا تھا بھٹا چارج خاموش

۔ علی، علم ہے مجھے اب تم اس جگہ نہیں رہ سکتے

۔ یہ لاوا ہوا احسان نہیں سہہ سکتے

۔ مگر اس گھر کو خالی کرنا کیا بہتر ہو گا؟

۔ کسے سونپو گے تم اپنی یہ یادگار

۔ کیا بوڑھے کی آتما نہیں پھرے گی بے قرار

۔اور پھر کمرے کے لئے موٹی سلامی کا کیا ہو گا؟

میں اسے کیسے بتاتا میں نے کچھ رقم

رکھ چھوڑی ہے سیمسن کے پاس اسی دن کے لئے

گرچہ وہ ہے بالکل قلیل

اور سیمسن ٹھہرا بخیل

مگر یہ گنجا چینی ہے ایک دیالو انسان

اس سے کچھ تو پیشگی کا ہے امکان

مگر بھٹا چارج کی دلیل آڑے آرہی تھی

جنگل کے سناٹے میں مجھے کھا رہی تھی

قریب سے گذرے چار گھڑ سوار

تندرست و توانا، سفید پوش اور بیزار

ہیٹنکس تھانے کے سپاہی تھے تمام

بدکردار، بھیڑ پر گھوڑے دوڑانا تھا ان کا کام

ان میں سے گل مچھیے نے ہمیں دی گالی

۔ جنسی اختلاط کے لئے اچھی جگہ سالوں نے ڈھونڈ نکالی

۔ اے اپنے مقعد پر رحم کھاؤ

۔ فوراً اُڑن چھو ہو جاؤ

ہم دیکھتے رہے گھوڑوں کے منکتے کو لبے

بھٹا چارج ہنسا' یہی ہے ہندوستان

۔ باپو کی انسانیت' جواہر کی شان

۔ جہاں اہم سے اہم تر ہوتی جا رہی ہے حیثیت ناگوار

۔ یہاں سرکاری طویلے سے بندھے جانور بے شمار

۔ ہم وطنوں کو روندتے ہیں سدومت کرتے ہیں ان کے ساتھ

اور جب بھٹا چارج کی تلخی جاگتی

وہ ہو جاتا انتہائی کم گو

وہ چل پڑا منہ پھیر کر

مجھ سے لاپرواہ' میری ذات سے بے خبر'

سامنے کھڑا تھا

کلکتہ کا عظیم الشان جادو گھر

میں جانے کیوں سہم گیا

اپنی جگہ تھم گیا

جادو گھر سے ملحق ذیلی راستے پر

میں نے کھڑے ہو کر گہرے سناٹے کو محسوس کیا

بھٹا چارج ولسیان چرچ کے سنسان احاطے پر

رک گیا تھا کچھ اس طرح

جیسے ختم ہو گئے ہوں اس کے راستے تمام

اس جگہ میرا کیا کام؟

میں مڑنے کو ہوا کہ اس نے دی آواز

۔ آ بھی جاؤ علی بابا، یہ نہیں کوئی راز
۔ گرجے کا یہ فٹ پاتھ ہے ہمارا اسٹیج
۔ یہاں ہمارا ناٹک چلتا ہے
۔ ہر کوئی یہاں آ کر سوانگ بدلتا ہے
۔ ابھی چاند نکلے گا تارے ٹمٹمائینگے
۔ کچھ بندے گرد بیچنے آئینگے
۔ پھر چاند آسمان پر کپڑے اتارے گا
۔ تارے دانت نکوسیں گے
۔ سیانے کبوتر ستونوں کی آڑ سے پر پھڑ پھڑائیں گے

میں حیران تھا
یہ علاقہ کتنی حیرت انگیز طور پر سنسان تھا
جب کہ نیو مارکیٹ اور چورنگی کی بھیڑ
ساری دنیا میں مشہور وہ جمِ غفیر
صرف سو قدم کی دوری پر ہوگا
میں نے تھام لیا چہار دیواری کا جنگلہ
واقعی بہت خوبصورت تھا اللہ تعالیٰ کا بنگلہ
خوبصورت اور سنسان
جیسے فرشتے بن چکے ہوں اور بننا باقی ہو انسان
جانے کون یہاں رہتا ہے؟
جانے کون سی چنگاری اس شرار میں ہے؟
۔ اگر تم جاننا چاہتے ہو تو
۔ یہ قدیم شہتیروں پر ٹکا چرچ

- فادر ہرے رام گونزالیز کے دائرۂ اختیار میں ہے
- فادر ہمارے اسٹیج کا ایک لازمی کردار ہے
- اوران دنوں ہمارا فادر بیمار ہے
- سفید چٹری والے فادر ہرے رام گونزالیز
- وہ پرتگال میں اُگا
- مگر گوا کے ساحلوں میں پروان چڑھا
- اس نے دونوں عہد نامہ انجیل کو
- ہزاروں برس پیچھے جا کر
- تاریخ کے تناظر میں پڑھا
- فادر گونزالیز اپنا یار ہے
- مگر وہ صاف باطن بوڑھا فی الحال بیمار ہے

اس نے جیب سے ایک تلا ہوا گلچا نکالا
ایک ٹکڑا کی میری نذر
جسے میں نے فوراً منہ میں ڈالا
کیونکہ مجھے لگا سامنے سے آرہا تھا ایک بھکاری
جو نکلا دھوتی کرتا پہنے کڑی موچھوں والا ایک بہاری
بھٹا چارج نے میری گھبراہٹ دیکھ کر لگایا قہقہہ

- بھوکا ہے علی، سالے کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا
- اگر گاؤں میں رہتا، جانے کیا کرتا
- کلکتہ نے تو کم از کم اس کا معدہ کیا ہے کمزور
- ڈھکیلنے لگا ہے ہر کسی کی طرح اسے بھی
- قبر کی اور

بہاری کے چہرے پر کوئی نادیدہ بلب چمک رہا تھا
جانے کیا بات تھی اس کا سارا وجود دمک رہا تھا
۔ یہ اپنا دوسرا یار ہے گھڑی پال
۔ رکھتا ہے ایک چھوٹی سی دقیانوسی مشین
۔ مگر دکھاتا ہے بے نقص وزن اور صحیح پیمائش کا کمال
۔ ہوٹل گرانڈ کی ڈیوڑھی کے باہر
۔ نوادرات کی ایک دکان کے بازو
۔ اور جب غیر ملکی سیاح، گرانڈ سے آتے ہیں باہر
۔ سیدھے جا چڑھتے ہیں اسکی مشین کے پائدان پر
۔ اور اس طرح سے کرتے ہیں اپنے کلکتہ کی شروعات
۔ پچھلے تین سال سے ہزاروں سیاحوں نے
۔ لی ہونگی اس کی تصویریں
۔ اور جس طرح مشہور ہے زمانے بھر میں کلکتہ کی گندگی
۔ کچھ عجب نہیں اگر اس کی تصویر بھی کر رہی ہو
۔ امریکہ اور یورپ کے دیوان خانوں میں
۔ بھارتیہ پرمپرا کی نمائندگی
۔ اور تو اور اسکی موچھیں اپنا کرتب دکھلا چکی ہیں
۔ اس کی تصویر ٹائم کے اندرونی صفحے پر آچکی ہے
۔ کلکتہ میں رہ کر بھی یہ کلکتہ میں نہیں رہتا
۔ اس کا گھر جہاں ہے اسکے چاروں اور ہے کوئلوں کے کان
۔ جہاں زمین کھوکھلی ہوتی جاتی ہے سالوں سال
۔ بڑا ہی اونچے ارادو والا ہے اپنا گھڑی پال

۔ یوں تو یہ بھی بننا چاہتا ہے برلا یا ٹاٹا
۔ مگر فی الحال اس کا نشانہ ہے ایک دھرم کانٹا
گھڑی پال کلپا کھاتے ہوئے مسکرایا
فٹ پاتھ سے پرے سڑک پر جا گرا اس کا سایہ
(یہ بار بار دور اور نزدیک کے بلب
ہو رہے تھے کیوں اسی پر روشن؟)
ہم تینوں بیٹھ کر انتظار کر رہے تھے
کہ گھڑی پال ہوا اٹھا خندہ زن
۔ سُنا ہے جادو گھر میں آئی ہے
۔ چار ہزار برس پرانی تازہ لاش
۔ دیکھنے والوں نے جس کے لئے لمبی قطار لگائی ہے
۔ دادا کیوں نہ ایک دن ہم بھی اسکا درشن کرلیں
۔ تھوڑا سا گیان اس اور بھی ارجن کرلیں
بھٹا چارج مسکرایا، بولا
۔ شاباش!
۔ دیس ترقی پر ہے، علی بابا کو لے جاؤ
۔ اسے فرعون کا درشن کراؤ
با آوازِ بلند کبوتر کر رہے تھے آس پاس بیٹ
اچانک چاندنی کی تیز روشنی میں
چمک اٹھا صدر اسٹریٹ
پولس کی گاڑی گشت لگا کر چلی گئی
جو دو چار رنڈیاں بچی تھیں

انہیں اٹھا کر چلی گئی
ایک کانسٹبل کھینی بناتا گذرا
اس نے ایک نو وارد پتلی دبلی طوائف کو آنکھ ماری
بھٹا چارج ہنس پڑا، ماری گھڑی پال کو کہنی
۔ آ گئی ہماری مقدس کنواری
۔ اب وہ تاریخ بدلنے والی ہے
۔ ایک مٹی خور کی خاطر صلیب پر چڑھنے والی ہے

کلیسا (مجھے یاد نہیں کب بھٹا چارج نے لیا تھا یہ نام)
کانسٹبل کی طرف مڑی، اس نے ماں کی گالی دی
جسے کانسٹبل سنی ان سنی کرتا
مسکراتا، کھینی کی جگالی کرتا

چلا گیا
چاند نے جگہ جگہ لکیریں کھینچ ڈالیں
دیواریں نیچی ہو گئیں، کھڑکیاں بلند
نکاسی کے پائپ چوروں کی طرح دیواروں پر
لگا رہے تھے کمند
کہ چاند کے دودھیا اجالے میں نظر آیا چورنگی
اس نے کلیسا کا ہاتھ تھام کر چوما
اسے آغوش میں تھام کر ہماری طرف گھوما
بھٹا چارج مسکرایا
۔ ہمیشہ چاند کے ساتھ چڑھتا ہے ان کا رومانس

۔ چورنگی کہ جو ہے پیشے سے فری لانس
۔ کبھی سرزمین میں گاڑ کر
۔ جادوگھر کے باہر
۔ نرم دل غیر ملکیوں سے ڈالر اینٹھتا ہے
۔ کبھی ڈیوٹی پر تعینات پولس کے سرجنٹ کے لئے
۔ طوائفوں سے پارک اسٹریٹ پر وصولتا ہے روزینہ
۔ مگر دل کسی نے اس کا چیر کر نہ دیکھا
۔ جو ہے ایک انمول نگینہ
فٹ پاتھ کے کنارے رک کر چورنگی مسکرایا
اس نے کلیسا کو سینے سے لگایا
۔ وہ ہاتھ جنہوں نے گناہ کیا تیرے ساتھ
۔ میری کلیسا نجس نہ کر پائیں گے تجھے
۔ میری پیاری، جب بھی ملتا ہے تجھ سے چورنگی
۔ اسے لگتا ہے دنیا اتنی بری جگہ نہیں
۔ اس گلشن میں کانٹے ہی نہیں پھول بھی کھلتے ہیں
۔ مٹی کے اندر جب بھی گاڑتا ہوں سر
۔ وہاں غلیظ اندھیرا نہیں ہوتا
۔ وہاں تم مسکراتی ہو
۔ اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے جادو جگاتی ہو
کلیسا نے ہنس کر اسے پیچھے ڈھکیلا
اپنا لاغر ہاتھ بڑھا کر اسکے سینے پر رکھا
۔ تم کب تک سر گاڑ کر جیو گے الٹا

۔ اور میں کب تک رہوں گی کنواری تمہارے لئے
۔ اس طرح سے دھندا نہیں چلتا
۔ جسم کے بھوکے جب میرا جسم ٹٹولتے ہیں
۔ گناہ تو سرزد ہوتا ہے
۔ پیسے کم ملتے ہیں
۔ میں نے ہمیشہ کیا ہے جتن
۔ بچا کر رکھا ہے تمہارے لئے وہ انمول رتن
۔ چورنگی چلو کلکتہ چھوڑ کر
۔ کسی گاؤں کا رخ کرتے ہیں
۔ کلکتہ میں لوگ نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں
چورنگی نے اپنی دسوں انگلیاں
گردن کی پشت پر باندھ کر
اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے
سیارگانِ فلک کو تاکا
اور چرچ کے سنسان احاطے پر
پھیل گیا اس کا ٹھہاکہ
۔ یہ بھی عجیب تماشہ ہے
۔ بھلا چورنگی کے بغیر کلکتہ کیا ہے؟

ہم پانچ تھے گفتگو میں مصروف
کہ بھٹا چارج نے سر اٹھایا
۔ بابا پیٹر کئی دن سے لاپتہ ہے

۔ کہیں اسے "الہام" تو نہیں ہو گیا

۔ منشیات کے عادی لوگوں کا رشتہ

۔ ہوتا ہے خدا سے بے لاگ لپیٹ

۔ عالمِ بالا تک پہنچنے کے لئے

۔ سب سے کار آمد ہیں یہ راکیٹ

خدا کا شکر تھا

ہم تھے نیم تاریکی میں نیم دراز

اور چرچ کے احاطے پر اگا ہوا پیٹر

اپنے پتوں کے بوجھ سے اس طرح ہو گیا تھا نیچا

جیسے وہ بھی ہو ہمارا شریکِ راز

ایک الو چیختا ہوا شاخ کے اندر سے بھاگا

آس پاس کے کسی سینما ہال میں

شو ٹوٹنے کا شور جاگا

ایک حبشی نژاد مرغ باد نما لٹکائے گذرا

جادو گھر کی چند لانبی کھڑکیاں ہو گئیں روشن

جیسے چکر لگا رہی ہو کوئی پریت آتما

کلیسا اچانک رو پڑی

۔ کتنی لمبی دی گئی ہے آدمی کو زندگی

۔ مجھ سے تو یہ کٹتی نہیں کاٹے

۔ چورنگی سے یہ نہیں ہوتا کہ میرا دکھ بانٹے

۔ کبھی کبھی مجھے اس شہر سے لگتا ہے ڈر

۔ یہ میرے سپنے میں بھی آجاتا ہے

۔ کتنی بے شرمی سے میرے کپڑے سرکاتا ہے

چورنگی نے اسکا سر سینے سے لگایا

۔ کلیسا پیاری، اب چپ بھی کرو

۔ ننگا ہونا کوئی بہت برا واقعہ نہیں

۔ موت کے بعد نہ پتلون جائے گی نہ لہنگا جائے گا

۔ آدمی ننگا پیدا ہوا ہے

۔ ننگا جائے گا

گھڑی پال چونک کر بیٹھ گیا

اسکی گھنی موچھوں نے چہرے کو دو حصوں میں بانٹ رکھا تھا

۔ چورنگی میں جانتا ہوں تم زندگی میں اس طرح کے وبال نہیں رکھتے

۔ پھر بھی تم کلیسا کا خیال نہیں رکھتے

۔ مگر فی الحال کیا یہ اچھا نہ ہوگا

۔ ہم سوچیں بابا پیٹر کے بارے میں

۔ وہ پچھلے کئی دنوں سے لاپتہ ہے

۔ وہ پچھلے چھ برس میں کبھی بیمار نہیں پڑا

۔ اور جینے کا یہ انتہائی خطرناک طریقہ ہے

۔ ہر دن کو آتی رات ہے

۔ مجھے یاد ہے جب پہلی بار

۔ پیٹر نے میرے لئے پیانو بجایا

۔ تھی وہ ریپن لین کی ایک پرانی عمارت

۔ جس کے فلیٹ میں پہنچنا پڑا تھا

۔ لکڑی کے ایک کمزور زینے کے سہارے

۔ وہ بڑا سا نیم تاریک کمرا
۔ جانے کس کا گھر تھا وہ
۔ تھا کس کا وہ خوبصورت پیانو
۔ کیوں پیٹر نے اسٹول پر بیٹھتے وقت مجھے ماری آنکھ
۔ مگر میں بُھلا نہیں سکتا وہ رات
۔ میں شیو بھگت، مگر افیم یا بھنگ کی لت نہیں مجھ
۔ گرچہ پیانو سننے کی عادت نہیں مجھے
۔ اس نے جب چھیڑا وہ باجہ
۔ مجھے لگا میں بھگوان شیو کے نکٹ
۔ کیلاش پربت پر کھڑا ہوں
۔ چاند نکل آیا ہے آسمان پر
۔ اور برف گر رہی ہے لگاتار
۔ مجھے ٹھنڈ لگ رہی تھی
۔ میں سردی سے کانپنے لگا ناہنجار
۔ پیٹر نے مجھے جھنجھوڑا
۔ میرا خواب توڑا
۔ اور اس چرمراتے زینے پر
۔ پرانے بلب کے نیچے رک کر
۔ میرے کان کی لووں کی طرف کیا اشارا
۔ جہاں سفید ہو گئے تھے میرے کچھ بال
۔ اس رات میں پہلی بار چین سے سویا
۔ اگر پیٹر کو کچھ ہو گیا

- تو زندہ ہی مرجائے گا یہ گھڑی پال

میں جب واپس لوٹا نہر کے کنارے
کچھ کتے مجھے سونگھنے آئے
(جو اپنے آپ میں ایک نادر واقعہ تھا)
عجیب تھی وہ رات
جب میں اجنبی کی طرح پیش آ رہا تھا خود اپنے ساتھ
میں نے آنکھیں بند کیں اور خواب میں دیکھا
بوڑھا مجھ پر ہنس رہا تھا
- پیارے بیٹے' زندگی کا یہ بھی اصول ہے
- اگر ایک ساتھ بہت سارے دروازے کھل جائیں
- تو جان لو یہ تمہاری بھول ہے
- میری دونوں ہتھیلیوں پر دیکھو
- صرف سِکوں کے نشان بچے ہیں
صبح آنکھ کھلی تو میں ۔نے محسوس کیا
اب میں اس مکان کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا
کاش میں اس سے بوڑھے کا نشان مٹا سکتا
میں نے باہر آ کر
مکان کے کونے سے لگائے اپنی کمر
نیچے بانہہ پسارے بیٹھی تھی بوڑھی نہر
چرمرائے مکان کے شہتیر
اور شور کرتی جا گری غلیظ پانی میں کشتی نوح
جیسے ٹھنڈی سانس بھر رہی ہو بوڑھے کی روح

چورنگی

ولادیمیر: کیا میں جان سکتا ہوں جنابِ عالی نے رات کہاں گذاری؟

استراگون: ایک گڈھے میں !

گردو کا انتظار (سیموئل بیکٹ)

چورنگی

چورنگی ہے وہ عظیم شاہراہ
جس کی کوئی حد ہے نہ تھاہ
جو یہاں ڈوبتا ہے کہیں نہیں ابھرتا
جو یہاں بگڑتا ہے کسی دوسری جگہ نہیں سنورتا
بظاہر یہ حد مقرر کرتی ہے
شہر کلکتہ اور اس عظیم الشان سیر گاہ کے بیچ
جسے ملا ہے میدان کا مقامی نام
ہری رہتی ہے بارہ ماہ جس کی گھاس
سارا کلکتہ جس کے ذریعے لیتا ہے سانس
جو شام ڈھلے ہو جاتا ہے بدنام
ہے یہ اس شہر کی اعزازی پٹی اور بہتا ہوا ناسور
چورنگی نہیں ہے ایک سڑک، چورنگی ہے ایک دستور
دستور سنگین فٹ پاتھ سے ہم آغوش ہو کر جینے کا
دستور لاکھوں پیروں کی غلاظت پینے کا
کھڑے ہیں اس پر دنیا کے عظیم الشان محل
جن کے نیچے پلتی ہے غریبی، جرم اور جہل
دھو نہ پائے جنہیں سارے ہندوستان کا گنگا جل
مادام سین سنائی

وہ بلا کی گوری، بلا کی بوڑھی میم، بلا کی ناٹی
اسکا انگریز شوہر جو جا بسا ہے نیویارک
جسے جمع کرنے کا شوق تھا
شراب کی بوتلوں کے نادر کارک
جس نے پچھلے پانچ سال تک بھیجا کیا
سین سناٹی کو کرسمس، نیا سال اور شادی کی سالگرہ پر
اپنے چہیتے نوادرات
(اس سے بے خبر کہ مادام چار سال قبل مر کھپ چکی تھی
جس کی اسے بذریعہ سمندری ڈاک دی جا چکی تھی اطلاع)
وہ برسات کا ایک کالکھ زدہ دن تھا
جب اسکے خفیف سے مردے کو قبر میں اتارا گیا
پارک اسٹریٹ کا پرانا قبرستان جی اٹھا تھا
کلکتہ کے بچے کھچے انگریز اور اینگلو انڈین سے
(میں نے کبھی بھی نہیں دیکھے تھے
اتنے شدید بوڑھے جو جانے کہاں سے
اتنی بڑی تعداد میں نکل آئے تھے
اور قبرستان کے پھاٹک پر کھڑے تھے!)
ہم آٹھ یتیم بچے جو اُن کالے لباسوں کو تاک رہے تھے
آنسو ہمارے گالوں پر لکھ چکے تھے غلیظ حروف
ہم چپ کھڑے تھے، اپنے مستقبل میں جھانک رہے تھے
جہاں سے جا چکی تھی مادام سین سناٹی
وہ بلا کی گوری، بلا کی بوڑھی میم، بلا کی ناٹی

ہماری بھوک کے راستے پر
وہ اگ آئی تھی جیسے ہوروٹی کا پیڑ
وہ چرچ ہے، ہمارے لئے پرانے کپڑے مانگ کر لاتی
اپنے دقیانوسی پیانو پر ہمارے لئے گیت گاتی
پیتل کے شمع دان پر ایک بڑی سی موم بتی جلاتی
۔ بچہ لوگ تو اینجلس کے مافک ہوتا ہے
۔ ہمارا یسوع اور کس کے لئے روتا ہے !
وہ پرانی کرم خوردہ عمارت
جس کی اندھیری سیڑھیاں برسات میں
دیتیں ہمیں پناہ، ہم مہکتے کمبلوں کی لیتے آڑ
عظیم محرابی دروازوں کو ہوتے دیکھے روشن
شراب میں دھت گاہکوں کی سنتے چنگھاڑ
جو لگاتے ہمیں ٹھوکر
یہاں تک کہ سوکھے نسوانی سیاہ ہاتھ
انہیں کھینچ کر کرتے دروازوں کے اندر
مادام کا دروازہ ساذونادر کھلتا
مگر اس کی آدم قد کھڑکیوں میں
جانے کیوں تارے اتنی تعداد میں جمع ہو جاتے
سیاہ آبنوسی کرسیاں، دیوہیکل وارڈ روب اور ٹھنڈا آتشدان
جس میں دسمبر میں پڑ جاتی چند کوئلوں میں جان
ہمیں کیا خبر تھی ایک دن ہم سے چھن جائینگے
یہ سب کچھ، رہ جائے گا ایک گیلا قبرستان

اس اندھیرے زینے نے دیکھا تھا ہمارا بچپن
جس پر دروازوں کے کھلنے سے
گرتے روشنیوں کے تکون
آس پاس کہیں بج اٹھتا ٹیلیفون
رکشے والے جو گاہک لاتے
ہمیں دیکھتے تو ٹھہا کہ مارتے، کان کھجاتے
لیکن ایک رات
جب گرج رہی تھی کلکتہ کی برسات
ایک سب انسپکٹر آیا بدذات
تین ہٹے کٹے سپاہی تھے جس کے ساتھ
انہوں نے ہماری دھلائی کی خوب
اور تفتیش کے بہانے
لے گئے تھانے
جس کے بڑے پھاٹک پر تھا سنگینوں کا پہرا
ہمارے نصیب لگا تہہ خانے کا ایک سیلا ہوا کمرا
انہوں نے کیا باری باری سے اس گناہ کا ارتکاب
جس کا مغلوب خود نہ دے پائے حساب
ہمارے زخم تو بھر گئے اگ آئی نئی کھال
مگر اس ایک رات میں ہماری عمر بڑھ گئی دس سال
مادام نے ہمارے آنسو پونچھے
پہلی بار عمارت کی پراسرار عورتیں
آئیں مادام کے کمرے میں

ہم ڈھونڈتے رہے ان کے سوکھے ہاتھ
مگر وہ کلائیوں تک سائٹن سے ڈھکے تھے
مادام نے شمع دان میں ایک موم بتی جلائی
قرابوں سے مشروب انڈیلا'
رنگین پیالوں میں ہمیں بڑھایا
ہم نے جب دیکھا وہ رنگین میٹھا پانی
آنسو ہمارے گالوں پر نکل آئے
ہماری سسکیوں سے گہرے ہو گئے کمرے کے سائے
۔ نہ پیس رہتا ہے نگر میں نہ گاؤں میں
۔ کرائم پلتا ہے جب قانون کی چھاؤں میں
۔ چورنگی' مقیم' ہیرا اور نگرچی
۔ وقت کو اپنا زخم بھرنے نہ دیتا
۔ اپنے آپ کو ڈیتھ سے پہلے مرنے نہ دینا
۔ کتنی بڑی طاقت تھے انگریز چلے گئے
۔ جنہوں نے بھی انصاف سے کیا گریز چلے گئے
۔ نہیں رہا گھی' پالکی اور سیڈان چیر
۔ وہ ٹھاٹ باٹ' وہ گرمی کی دوپہر میں چلڈ بیئر
۔ ایک دن تم میں سے کوئی بنے گا گاندھی
۔ اٹھے گا بن کے ایک نئی آندھی
۔ مہاتمانے تو کیا تھا دیس کو باہر کی گندگی سے صاف
۔ مگر تم اندر کے راکششوں کو نہ کرنا معاف
۔ مادام کی ہے یہ پرارتھنا ہولی فادر

۔ ان کے زخموں کو اور گہرا کر
۔ کہ یہ ٹامی گن کے مانک چل پڑیں
۔ پت جھڑ میں بدل دے ان ظالموں کی بہار
۔ جنہوں نے کیا میرے اینجلس کے پروں کو داغدار
عورتیں دیواروں سے سرکتی ہوئی آئیں سامنے
مادام کے دامن کو لگیں تھامنے
ان کے آنسو زار و قطار بہہ رہے تھے
ان کے ہونٹ بغیر ہلے سب کچھ کہہ رہے تھے
مادام نے دونوں ہاتھ پھیلا کر انہیں سینے سے لگایا
۔ میں کسی کے گناہ کا حساب نہیں لیتی
۔ خدا کے عذاب سے بڑی ہے اس کی معافی
۔ مگر کیا یہ ضروری نہیں کہ اسکا بھی کرلیں ارادہ
۔ کہ پیٹ سے ہو جائے نہ ہماری بھوک زیادہ
۔ اگر ہماری خواہش ذرا کم ہوتی
۔ دنیا جنت سے کیا کم ہوتی
قبرستان کے پھاٹک کے سامنے ہم لوگ
سیاہ دبیز بادلوں میں کچھ ڈھونڈ رہے تھے
کہ ماتمی سیاہ پوش باہر آئے تمام
ہم قبرستان میں داخل ہوئے تو ہم نے دیکھا
صلیبیں گیلی قبروں پر آڑی ترچھی جھکی تھیں
اور انہیں سونگھتا پھر رہا تھا ایک خارش زدہ کتا
ناگرچی نے ایک پتھر اٹھا کر لیا نشانہ

اور مقیم نے مارا طعنہ

۔ کتے باہر ہی نہیں، قبرستان تک آ چکے ہیں

۔ یہ الگ بات ہے کہ کچھ اپنی دُمیں گنوا چکے ہیں

بوسیدہ کوٹ میں ملبوس وہ دائمی بیمار

جو شہید مینار کے چبوترے پر پڑھنے آتا باسی اخبار

اپنے سڑے گلے وجود سے ندیدے کوؤں کو چونکاتا

ہم بچوں کے لئے سوالیہ نشان چھوڑ جاتا

۔ سرکاری جاسوس ہے یہ، نگرچی شک کا اظہار کرتا

کیونکہ موقع ملتے ہی وہ نشلی دواؤں کا بیوپار کرتا

یہاں تک کہ وہ خود بھی عادی ہو گیا براؤن شوگر کا

اور ایک دن اس کی لاش ریڈ روڈ پر پائی گئی

خوش نصیب تھا وہ، اسکی چاک گردن اخبار میں دکھلائی گئی

۔ مجھے تو وہ ایک پٹا ہوا جادوگر لگتا ہے

۔ اگر یہ بات نہ ہوتی

۔ تو کوؤں کو اس سے کیوں ڈر لگتا ہے

۔ مقیم تم کھا کر بھانگ سوچتے ہو

۔ جب بھی سوچتے ہو اوٹ پٹانگ سوچتے ہو

ہیرا جو تھا سب سے زیادہ کم گو

میدان مارکیٹ سے کپڑے چرایا کرتا

جنہیں خریدتا

فری اسکول کا سندھی سیٹھ گشل چھنگوانی

جس کی بیوی تھی بڑی دانی

وہ ہر صبح ایک ہاتھ رکشے پر بیٹھ کر

مہاتما گاندھی روڈ پر نکلتی

اور ٹرام کی پٹریوں پر دوڑتے

ننگ دھڑنگ بچوں کی طرف روٹیاں پھینکا کرتی

مگر مقیم جو تھا ژراف کی طرح لمبا

جس نے باندھ رکھے تھے پورے بدن پر تعویذ اور گنڈا

وہ ہمیشہ کہیں نہ کہیں سویا ہوا ملتا

اور سونے کے لئے وہ کرتا اچھی اچھی جگہوں کا انتخاب

کبھی ایڈن گارڈن کا سنہرا پگوڈا

کبھی وکٹوریا کے لان میں گھنی چھاؤں میں ایک بینچ

جس کے سرہانے کھلا ہوتا کوئی نادیدہ گلاب

اور کبھی کرزن پارک کی ہری بھری گھاس

جانے اسکے پاس پیسے کدھر سے آتے

ہم دانت پیستے، سر کھپاتے

وہ مسکراتا ہمیں ''نو بیف'' رستوران میں کھانا کھلاتا

جلاتا عجیب و غریب غیر ملکی سگریٹ

شراب کی دلفریب بوتلیں دکھاتا

اور ایک دن اس نے ہمیں کیا میدان میں مدعو

جہاں دن کے دو چار ٹکڑے باقی بچے تھے

آسمان میں ڈول رہے تھے اشتہاری بیلون

روبرو بیٹھ گئے ہم چار

کلکتہ کے کمینے لمحوں کی پیداوار
تھوڑی دوری پر جمی تھی ایک انسانی بھیڑ
ایک برہمن کر رہا تھا گیتا کی تفسیر
مقیم نے جیب سے نکالی ایک بوتل
اور ہوا میں ایک تیز خوشبو کوند گئی
اچانک اتر آئی کلکتہ پر شام
کلکتہ کے شور کا آہنگ بدل گیا
شہید مینار سے اڑا ایک جہاں گرد پرندہ
اور ہوا میں پگھل گیا
۔ دنیا اسے خوشبوؤں کا استاد مانتی ہے
۔ ساری دنیا اسے پائزن کے نام سے جانتی ہے
نگر جی گھاس پر لیٹ کر مسکرانے لگا
اپنے نیلی نسوں والے ہاتھ نیلے آسمان کی طرف بڑھانے لگا
۔ کتنی خوشبوؤں سے بھرا ہوتا ہے اپنا بچپن
۔ مگر انسان کی عمر جتنی بڑھتی ہے
۔ ختم ہونے لگتا ہے اسکے لئے خوشبوؤں کا فن
۔ بوڑھے بھکاری نمرود کے سامنے کر دو تیغ خارج
۔ تو بھی اسے پتہ نہیں چلتا
۔ ایک ایک کر کے بند ہونے لگتے ہیں
۔ انسانی جسم کے سارے دروازے
۔ کیا رہ جاتی ہے دنیا
۔ ایک گھور مایا' ایک فریب

۔ ہمارے پاس کھونے کے لئے کچھ بھی نہیں ہوتا

۔ ہم دنیا سے پرستھان کرتے ہیں خالی جیب

ہیرا نے مسکرا کر نگرچی کی پتلون کو تھپتھپایا

اندر دبا ہوا اس کا عضوِ تناسل کسمسایا

اس سے پہلے کہ کوئی روکے وہ ہو گیا نگرچی سے ہمکلام

۔ اسکے آلۂ تناسل کا بھی ہوگا وہی انجام

۔ نشہ خوری نے نگرچی کو بنا دیا ہے گیانی

۔ اسکے لئے دھرتی کی ہر چیز ہے آسمانی

۔ وہ نہ صرف اپنے پاپی من کو اندر سے کھنگال سکتا ہے

۔ وہ تمہارے مقعد کے اندر ہاتھ ڈال کر

۔ تمہارے منہ سے باہر نکال سکتا ہے

نگرچی اٹھا اور کرزن پارک کی طرف ہولیا

دوبارہ ہوا وارد تو چل رہا تھا گیتا کا پاٹھ

نگرچی سے رہا نہ گیا وہ ہیرا کے جسم پر لپکا

میں تنفر شہید مینار کی چوٹی کو لال ہوتے دیکھنے لگا

نگرچی کی انگلیاں ہیرا کی گردن ناپنے لگیں

چلی دو منٹ کی ہاتھا پائی

اسی جدوجہد میں سینٹ کی شیشی ہو گئی چکنا چور

خوشبو پھیل گئی دور دور

برہمن نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے

اس کی آواز تاریک آسمان میں کوندی،

کچھ اور گہرے ہو گئے رات کے سائے

۔ بھگوان کی جب چلے کتھا' کھلے پرلوک کی سیڑھیاں
۔ مگر سب کچھ مایا ہے سب کچھ ہے فریب
۔ ہمارے پاس کھونے کے لئے کچھ نہیں ہوتا
۔ ہم دنیا سے پرستھان کرتے ہیں خالی جیب
۔ گیانیوں کے گھر کب دھن برستا ہے
۔ یہ تو گیانیوں کے آنگن برستا ہے
اندھیرا ایک بددعا کی طرح میدان پر چھا چکا تھا
برہمن اپنی گیتا کے ساتھ جا چکا تھا
مقیم نے سلگائے دو سگریٹ
کیا ایک ہیرا کے حوالے
۔ یہ حکم عدولی کا کرشمہ تھا کہ زمین پر انسان آیا
۔ رسول آئے' قرآن آیا
۔ ہیرا انگلی دوسروں کے مقعد میں ڈالنا جینے کا اصول نہیں
۔ کس کی آتما ہوگی جس پر غلیظ دھول نہیں؟
۔ مگر یہ ضروری ہے کہ تم رہو نگرچی سے ہوشیار
۔ نشے میں بڑھ جاتی ہے انسان کے کمینے پن کی دھار
۔ پہلے بھی تم نے کئی بار اس پر چوٹیں کیں
۔ مگر شاید نہ بخشے وہ تمہیں اس بار
ہیرا نے سگریٹ چبا کر تھوکا
قہقہہ لگایا
۔ یار کس کام کے
۔ اگر یار لوگ ان کے مقعد میں انگلی نہ کر پائیں

۔ تب تو بہتر ہے آدمی پتھر سے دل لگائے

۔ جو نفرت نہ کر سکے وہ کیا پیار کرے گا

۔ جو خود نشے کا شکار ہو وہ کیا شکار کرے گا

وہ اٹھا اور لڑکھڑاتے ہوئے روانہ ہو گیا

ہم دونوں بیٹھے رہ گئے

دیکھتے دیکھتے زمانہ ہو گیا

ہمارے چاروں اطراف اُبل رہا تھا روشنیوں کا سمندر

مگر کتنی تاریک پڑی تھی دنیا ہمارے اندر

۔ زندگی کا یہ عجیب دستور ہے

۔ وہی سب سے نزدیک ہے جو سب سے زیادہ دور ہے

۔ بہت ہوتا ہے قوی نفرت کا رشتہ

۔ مگر یہ ہیرا کس بات سے مجبور ہے؟

۔ کہ لڑ پڑتا ہے دیدہ دانستہ

مقیم ہنسا' اپنی لانبی انگلیوں سے میرے بالوں کو سہلایا

۔ کتنا معصوم ہے ہمارا چورنگی

۔ کسی بھی لڑائی کی اگر کوئی وجہ ہوتی

۔ تو ساری لڑائی کتنی بے مزہ ہوتی

۔ لوگوں کو ہوتا ہے کچھ نہ کچھ پانے کا جنون

۔ کبھی دوسروں کا کبھی خود اپنا کر بیٹھتے ہیں خون

۔ مگر آخر میں رہتے ہیں تیر تلوار نہ ڈھال

۔ رہ جاتی ہیں جسم کی چند ہڈیاں

۔ تھوڑے سے ناخن اور بال

۔ جن پر گزرتے چلے جاتے ہیں ماہ و سال
۔ اور انہیں بھی ہضم کر ڈالتے ہیں آخر کار
۔ کچھ بلا وجہ نہیں بھاتی مجھے جنگ
۔ اسی لئے میں نے زندگی گزارنے کا اپنایا ہے یہ ڈھنگ
۔ چار پیگ وہسکی، دو بٹر نان، ایک تندوری چکن
۔ ایک بھرپور عورت، اسکا تندرست وتوانا بدن
۔ میں کہتا ہوں چورنگی
۔ زندگی کا دوسرا کوئی اصول نہیں ہوسکتا
اسنے جب مجھے دیکھا خاموش
میرے شانے پر مکا مار کر مجھے کیا بیدار
۔ اگر زندگی کو بہتر پانا چاہتے ہو میرے یار
۔ تو ضروری ہے کہ میری راہ اپنالو
۔ خوب کھاؤ پیو، عیش کرو، ٹوپی اچھالو
میں نے سر جھکا کر بھرلی حامی
مگر مقیم نکلا اوّل درجے کا حرامی

چاندنی کے عقب میں تھا ایک نیم تاریک مکان
جس پر تھا کارپوریشن کے ''کنڈم'' ہونے کا اعلان
اس کی پانچویں منزل پر تھا جانے وہ کیا
گرچہ مقیم کے مطابق تھا اسکے چچا کا کمرا
بس تین دیواروں میں گھرا ایک اندھیرا تھا
اور ٹن کی چھت جس کے اوپر کبوتروں کا ڈیرا تھا

اس چھت پر وہ انگریزی سامراج کے وقت سے بیٹ کرتے آرہے تھے
اس وقت بھی وہاں بیٹھے غٹرغوں کے موتی لٹا رہے تھے
مقیم نے ایک لوہے کا پرانا ٹرنک نکالا
جس پر پڑا تھا علی گڑھ کا ایک زنگ خوردہ تالا
ٹرنک کھول کر اسنے گویا جادو سے نکالنا شروع کیا
تہہ بہ تہہ سجے دیدہ زیب کپڑے
غیر ملکی سینٹ، سگریٹ اور جوتے
نادر کھلونے اور شمع دان
گھڑیاں، چینی مٹی کے ظروف اور راکھدان
مباشرت کی تصویروں والے البم
نوٹوں کی گڈیاں
جنسی عمل سے منسوب عجیب و غریب آلے
اور سب سے اخیر میں اس نے نکالا ایک نادر خنجر
۔ چورنگی سالے، کیا دیکھ رہے ہو دیدے پھاڑ کر؟
۔ ان سب کے لئے کرنی پڑتی ہے کڑی محنت
۔ ان میں سے کچھ تو ملے ہیں تحفوں کی صورت
۔ اور کچھ کے لئے مجھے کام میں لگانا پڑا ہے ہاتھ کا کمال
۔ میرے چچا کو میرے بکس کا راز معلوم نہیں
۔ وہ تو دن بھر تندور کے سامنے کھڑا
۔ سینکا کرتا ہے کباب، کرتا رہتا ہے خلال
۔ اسنے مجھے ہوٹل نگار میں بنانا چاہا تھا جھاڑو دار
۔ لیکن اسے کیا پتہ

۔ میں تو رانیوں اور شہزادیوں کے بستر کے لئے بنا ہوں

۔ اور ایک دن ہونا ہے مجھے اُنہیں کے ذریعے

۔ انہیں کی طرح مالدار

اسنے ایک بچے کو آواز دی

وہ تہبند پہنے آیا' اپنے نفیس دانت نکال کر مسکرایا

مقیم نے بیف رول اور تھمس اپ منگایا

۔ چورنگی اب فیصلہ تمہارے ہاتھ ہے

۔ اگر کرنا چاہتے ہو تو کرلو یہ بھی تجربہ

۔ یہ کچھ نہیں بس ہماری دنیا کا ہے چمتکار

۔ یہاں پر کسی کے لئے بھی کھل سکتے ہیں محلوں کے دوار

۔ انسان کو جینے کے لئے ملتی ہے ایک ہی زندگی

۔ اور مرنے کے لئے موتیں ہزار

۔ جب تک جوان ہو محنت کرلو' ہاتھ پاؤں مارلو

۔ میری طرح اپنی قسمت سنوار لو

۔ جانے کب سورج آسمان سے اتر جائے

۔ مٹی سے نکلا ہے آدمی

۔ مٹی بن کر بکھر جائے

کپڑے میرے جسم پر آئے تھے ڈھیلے

مگر جوتے آئے تھے بالکل ٹھیک

مجھے چھوتے ہی ہوا سینٹ سے بھیگ جاتی

شاوالس بار کی دو پیگ سستی وہسکی

اور دنیا آسان ہوگئی تھی میرے نزدیک
روشنیاں جل اٹھی تھیں رستورانوں کے اندر
پارک اسٹریٹ پر چاند نکل آیا تھا
مقیم کا خنجر دیکھ کر بھکاری ہوگیا تھا غائب
فری اسکول کے ناکے پر پولس کی وردیوں کا سایہ تھا
ہم چلتے چلتے ایک پٹرول پمپ سے رک گئے کچھ دور
یہاں دو چار پیڑ تھے جن کے رخنوں سے
برس رہا تھا چاند کا دھندلا نور
مقیم نے ایک سگریٹ سلگایا' کیا ریح خارج
۔ تمہارا ضمیر اب بھی ہو رہا ہو حارج
۔ تو سالے چورنگی واپس لوٹ سکتے ہو
۔ مگر پہلے کر لینا طئے' کہ خدا کا کیا ہے
۔ اس نے جنت کے راستے میں بڑا لفڑا ڈال دیا ہے
میں مسکرایا' میرا یار مقیم
ہے واقعی بڑا معصوم
اسے بالکل بھی نہیں معلوم
مجھے فٹ پاتھ پر چھوڑ جانے والی نے
مجھ پر نہیں مارا تھا کوئی ٹھپّہ
میں تو بس چورنگی ہوں' غیر جانب دار اور پاک وصاف
اگر کسی کو کرنا ہے تو کر لے میرا طواف
مندر مسجد چرچ اور گردوارے
میرے لئے سارے ہیں بیکار

میرے لئے یہ دنیا ہے صرف ایک مچھلی بازار
مقیم نے میرے کندھے پر ہاتھ مار کر اپنائیت کا اعلان کیا
اور سلام ٹھونک کر موٹر سائکل پر بیٹھے
ایک دیو قد سارجنٹ کا سمتان کیا
- ان حرامیوں کے لئے کھلے ہیں
- کلکتہ کے سارے ہوٹل اور بار
- حرام کا کھا کھا کر ہو گئے ہیں کتنے چست اور چربی دار
- ان کا مسئلہ یہ نہیں کہ کیسے دو وقت کی روٹی جُٹا پائیں
- ان کا مسئلہ یہ ہے کہ کیسے ہضم کریں
- اتنی لذیذ اور مقوی غذائیں اور شراب
- مٹن بریانی، چکن چاپ، گولڈن پڑان اور ٹینگری کباب
- میری خدا سے ہے دعا اے کہ تیرا مقام ہے سب سے برتر
- اگلے جنم میں مجھے بنانا کسی تھانے کا داروغہ
- اور جو یہ ممکن نہ ہو تو پھر مجھے بنا دینا سوّر
- مگر افسوس، ہم مسلمانوں کے ساتھ نہیں ہوا ہے انصاف
- ہمیں ملا ہے ایک ہی جنم
- پیدا ہونے کے لئے صرف ایک ہی ناف

اسے چپ ہو جانا پڑا
سڑک پر رکی تھی ایک چچماتی کار
اسٹیرنگ وہیل پر بیٹھی تھی ایک عینک پوش خاتون
مقیم مسکرایا (وہ ناہنجار!)
اسنے انگلیوں پر چمکتی انگوٹھیوں کو گھمایا

۔ مہربان میڈم کیا ہمیں لفٹ مل سکتا ہے

۔ کیا کہا ہماری منزل؟

۔ ہماری کوئی منزل طے نہیں

۔ ہم اپنی رات کہیں بھی گزار سکتے ہیں

۔ اور اگر ہمت افزائی ملے تو چاند بھی زمین پر اتار سکتے ہیں

عینک پوش منہ پھیر کر گاڑی آگے بڑھا لے گئی

مقیم مسکرا رہا تھا

ہونٹوں کو دائرے کی شکل دے کر سیٹی بجا رہا تھا

اور ہم چلتے چلتے اس گھنے پیڑ کے نیچے جا پہنچے

جس کے اندھیرے کو بنا کر کاموفلاج

وہ کار رک گئی تھی

جس کے پیچھے کا دروازہ فٹ پاتھ پر کھلا تھا

اپنے اندر لئے ہوئے ایک دعوتی انداز

مقیم نے مجھے ڈھکیل کر کیا اندر

۔ مہربان میڈم' آپ لے جا سکتی ہیں بلا خوف و خطر

۔ مصیبت کا مارا ہے اپنا چورنگی

۔ مگر کورا اور کنوارا ہے اپنا چورنگی

عینک پوش نے اسکی سنی کر دی ان سنی

کار فرّاٹے بھرتی پارک اسٹریٹ پر چل پڑی

میرے دونوں ہاتھ یوں رکھے تھے گھٹنوں پر

جیسے پہن رکھے ہوں ہتھکڑی

کار کے اسٹریو پر گونجنے لگا تھا نغمہ
جانے کتنی سمتوں میں مڑی تھی کار
آخر ایک صاف ستھری، کشادہ گلی میں دوڑنے لگی
جس کی دونوں جانب تھی قدیم طرز کے بنگلوں کی قطار
ایک پیڑ پودوں سے ڈھکے لان کا پھاٹک کھلا
ایک کتا بھونکتا ہوا لپکا
خونخوار اور بھاری بدن
مڑے ہوئے کان، جنسی سرخی لئے کشادہ دہن
اور عینک پوش کے پاس آکر دُم ہلانے لگا
۔ بھنبیشور، کار گراج میں نہ ڈالو
۔ ڈِکی میں کچھ کریٹس پڑے ہیں انہیں نکالو
۔ تم سے شاید اکیلے نہ ہو اسلئے اس کی مدد لو
اور وہ کتے کے ساتھ بنگلہ کی نیم روشنی میں سما گئی
میں نے راحت کی سانس لی تھی
کہ کتا پھر سے دوڑتا ہوا آیا
اور اتر کر لان میں
کسی مشتبہ سائے پر بھونکنے لگا

پہلی منزل کی پیشگاہ پر تھا ایک بڑا سا کمرا
جس کے دیو ہیکل دریچوں پر تھا دبیز پردوں کا پہرا
ابھی میں سوچ رہا تھا کہ کیا ہونا چاہئے میرا ردِ عمل
کہ ایک دروازہ کھلا، دکھائی پڑی مادام

اسنے گود میں اٹھا رکھا تھا ایک نفیس بالدار کتا
لاشعوری طور پر میں نے کیا سلام
۔ تم تھکے ماندے اور گھبرائے سے لگتے ہو
۔ کونے میں ہے دروازہ، جس سے وابستہ ہے حمام
۔ نہالو، کپڑے جو حمام میں رکھے ہیں بدل لو، تازہ دم ہولو
اسنے جھک کر کتے کو چیکر بورڈ فرش پر چھوڑ دیا
اور وہ روئی کے گولے کی طرح فرش پر چکر لگانے لگا

رات بھیانک حد تک تھی خاموش اور پراسرار
میں شوروغل کا عادی تھا مجھے کیا آتا قرار
ایک نوکرانی ڈنر ٹیبل پر لگا گئی تھی
ایک بجھی ہوئی کینڈل غیر ضروری طور پر جلا گئی تھی
میں کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا لاچار
اگر کھڑکیوں پر لوہے کی جالیاں لگی نہ ہوتیں
شاید انہیں توڑ کر
بھاگ کھڑا ہوتا اس پار
اگر لان میں وہ مہیب کتا نہ ہوتا موجود
جس کے تصور سے کانپ اٹھتا ہے میرا وجود
میں میز پر بیٹھ کر روٹیاں توڑنے لگا
(گرچہ میری بھوک جانے کہاں ہوگئی تھی غائب!)
انہیں کھائے بغیر سالن کے کٹوروں میں چھوڑنے لگا
سالے مقیم نے مجھے بری طرح پھنسایا

دروازہ کھلا اور دکھائی پڑی مادام

اسنے گود میں اٹھا رکھا تھا وہی بالدار کتا

اور شب خوابی کے لباس میں کچھ زیادہ لگ رہی تھی فربہ اندام

وہ کھڑکی کے سامنے کچھ دیر کے لئے رکی

کتے کے بدن پر شفقت سے ہاتھ پھیرتی رہی

پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی

۔ تمہارا کیا خیال ہے، تم گھبرائے ہوئے ہو ؟

۔ یا اپنی کم عمری پر شرمائے ہوئے ہو ؟

۔ تمہارا گورا رنگ کہتا ہے کسی شریف خاندان سے تعلق ہے تمہارا

اب کھلکھلا کر ہنسنے کی میری باری تھی (میں حرامی بیچارا)

مگر میں صرف مسکرا کر رہ گیا

مجھے لگا اب میں قدرے آسانی سے سانس لے سکتا تھا

کیا تھا کھونے کے لئے میرے پاس نہ عزت نہ نام

مجھے کیا ذلیل کر پاتی مادام

کیا تھا میرا مقام!

میں نے مادام کو ذہن سے نکال کر کھانے پر توجہ دی

بڑے ہی حیرت انگیز طور پر پیٹ بھر کر کھایا'

شراب پی

میں نے مڑ کر بھی نہ دیکھا جانے کب مادام لوٹ گئی

بستر تھا اس قدر ملائم

کہ سر تکیہ پر رکھتے ہی میں خواب کی نگری میں تھا گم

اپنے لانبے بالوں سے جسم کو ڈھک کر

خواب کی دیوی میرے پاس آئی

اس نے اپنے رنگین ہونٹوں سے میرے لب چومے

میری گردن سہلائی

اور خوشبو لٹاتے ہوئے میرے بدن پر پھیل گئی

میں نے اکثر خواب میں

کیا تھا عورتوں کو برہنہ

اور جاگ کر پایا تھا خود کو ناپاک

ان دھبوں کو یار لوگ مشتبہ نظروں سے تاکتے

جب کرنے جاتا فٹ پاتھ کے ہائڈرنٹ پر مسواک

مگر پہلی بار ایک جسم مجھے کھول رہا تھا

ایک دوسرا جسم میرے جسم کے اندر بول رہا تھا

پہلی بار کسی کا ہاتھ مجھے میری رگوں میں ٹٹول رہا تھا

تھا یہ شراب کا نشہ یا میرا انتقام

میں جارحانہ ہو رہا تھا' سسک رہی تھی مادام

چاند کھڑکی کے پردے سے جھول رہا تھا

مکڑی کا ایک جالا ہوا میں پھول رہا تھا

کینڈل ٹیبل پر دم توڑ رہی تھی

موم کی بتی پگھل کر کڑ ئیلہ کی شکل لے چکی تھی

اور اب دھواں چھوڑ رہی تھی

کھڑکی کے باہر پھیلا تھا وہ مہانگر

سینکڑوں گناہوں سے سیاہ پڑ چکے تھے

جس کے دیوار و در

میں نے بھی چرا لیا تھا الف لیلیٰ سے ایک رات
میں ایک خالی انسان، میرے اندر کب تھے سوالات
ایک رات کے لئے میں نے خود کو کر دیا تھا نیلام
سستے داموں وقت کے ہاتھ بکا تھا بے دام

مشرق و مغرب کے بُرجوں پر ابھی تاروں کا سایہ تھا
مگر سورج اچھل کر افق پر نکل آیا تھا
کتنی دیر سے میں تھا پریشان اور بے حال
مجھے کچھ بھی نہ تھا اپنی منزل کا خیال
کس راستے پر ہوں کہاں مڑنا ہے مجھے
کس پاتال میں گرنا، کس آسمان کی طرف اُڑنا ہے مجھے
اپنی بے چین آتما کا بوجھ اٹھائے
سر نیوڑھائے
آخری لاریوں کے گردش کرتے
بھاری بھرکم پہیوں کے آس پاس
کتنا حقیر دکھائی دے رہا تھا میں
جیسے کسی شاطر کا قیاس
جیسے ایک اداس دوپہر کی قاش
ایک سہ راہے پر گھنے پیڑوں کے نیچے
مجھے ایک ٹرام کا ہالہ مڑتا دکھائی دیا
میں نے غوطہ لگایا اس کے اندر
کنڈکٹر نے سہارا دیا میرا کالر تھام کر

اور ایک خالی سیٹ کی طرف اشارہ کیا

۔ کچھ لوگوں کے لئے ٹرام بائیں ہاتھ کا کھیل ہے

۔ لوگ بھول جاتے ہیں یہ بھی دوڑتی ریل ہے

کنڈکٹر نے مجھے ٹکٹ کے لئے آنکھوں سے کھنگالا

میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر پانسو کا اکلوتا نوٹ نکالا

کنڈکٹر حقارت سے ہنسا

۔ اچھے خاصے پاگلوں کا شہر ہے یہ کلکتہ

۔ اسکی بھارت سرکار کو نہیں ضرورت

۔ کوئی جیب کترا مانگے تو البتہ

ٹرام طوفانی رفتار سے بھاگ رہی تھی

پانسو کا نوٹ جیب کے اندر ٹٹولتے ہوئے

میں بیٹھا تھا شکست خوردہ، مایوس

افسوس بکا تھا میں بھی کس مول؟

ساری زندگی بن گئی تھی ایک کشکول

ترچھا کاٹ کر خضر پور کا سنگلاخ موڑ

ٹرام گزرنے لگی

غلیظ نالے پر ٹنگے ایک دقیانوسی پل سے

پلک جھپکتے ہی گویا کلکتہ کی غلاظت ہوگئی تھی کافور

سامنے تھا ہرا بھرا میدان بائیں اور

ریس کورس کا پھیلا ہوا تھا احاطہ

گردوپیش فورٹ ولیم کے باہر کا سناٹا

گھنے پیڑوں کے سلسلے، بھیڑ بکریوں کا غلہ

دور سرگوشی کر رہا تھا دھرتلہ

مرغزاروں پر چلتے بازی کرتے کلکتہ باسی

سنسان سڑک پر گیروے لباس میں سنیاسی

پچھلی ٹانگوں سے بندھے گھوڑے گھاس چرتے ہوئے دم ہلاتے ہوئے

پرندے پیڑوں کی پھننگوں سے بلاتے ہوئے

ابھی پوری طرح سے جاگا نہ تھا کلکتہ

جہاں جہاں رک رہی تھی ٹرام

گھاس اور پتیوں سے شبنم ٹپک رہی تھی مدام

ایک جگہ خودکار ٹریفک سگنل سے لاپرواہ

ٹرام ایک سڑک کو کاٹتی گزر گئی

ایک موٹر سائکل سوار نے ڈرائیور کو گالی دی

ڈرائیور نے ٹرام کی گھنٹی کو اور بھی زور سے بجایا

اپنے پان کی پیک سے رنگین دانتوں سے مسکرایا

کنڈکٹر نے کہ ایک خالی سیٹ پر بیٹھا تھا، سر اٹھایا

۔ ایسی رفتار کا کیا فائدہ جب گھر ہی نہ پہنچے آدمی

۔ اسے سناٹا دو تو شور کرتا ہے

۔ یہ باری بھی کبھی کبھار بلاوجہ بور کرتا ہے

شہر کی فلک بوس عمارتوں سے دور

فورٹ ولیم کے باہر سہ راہے پر

مجھے لگا کسی نے آسمان کی کھڑکی سے جھک کر مجھے پکارا تھا

میرے سامنے بچھی تھی نوزائیدہ زمین

جس کی ہری ہری باریک انگلیاں

مجھے کرنا چاہ رہی تھیں محسوس
اور جب کہ ٹرام رفتار پکڑ چکی تھی،
بھاگ رہی تھی بگٹٹ
میں سیٹ سے اٹھا اور دروازے پر رک کر
کودنے کو ہوا تیار
کیا گھاس کا غالیچہ اور کچھ جھاڑیوں نے میرا استقبال
ٹرام شور کرتی جا چکی تھی
اب ہر سمت تھا ایک مہیب سناٹا
جسے توڑ رہی تھی کسی کٹ کھدرے کی آواز
جو اسے اور بھی گہری کر رہی تھی
زمین پر لیٹ کر میں نے ایک لانبی گھاس توڑی
دانتوں کے درمیان رکھ کر کچل ڈالا
کہنیوں پر پڑی خراشوں سے میٹھی میٹھی ٹیس ابھر رہی تھی
ریڈ روڈ سے ایک ملک وین گزر رہی تھی

تھا یہ کام کا دن اور کلکتہ کی سیر گاہ تھی خاموش
مضمحل سورج نے مل دی تھی سارے آسمان پر زردی
فاصلوں پر چمک رہی تھی انسانوں کی عظیم تخلیقات
وکٹوریا ہال، ٹاٹا سینٹر، تارامنڈل اور تمباکو کمپنی کی شیشہ نگاہ
کچھ بچے نمائش کے لئے رکھے گئے غیر مستعمل توپوں پر کھیل رہے تھے
سڑک کے کنارے پاکستان کے مقبوضہ ٹینک پر
بیٹھا تھا ایک بلا

اپنی موچھیں چمکار رہا تھا
دور گھوڑوں پر کمر تانے ہوئے سپاہی
گھاس پر روندے ہوئے کاغذی پیالے
چند بے مصرف چلتے بانکے' ان کی کج کلاہی
تا حد نظر پھیلی ہوئی ہری پیلی گھاس
ایک عظیم شہر کا حصہ ہونے کا احساس
ایک جگہ جہاں گھاس کے اندر کی مٹی تھی ملائم
ایک پیڑ کے نیچے رکھی تھیں پھلوں کی پیٹیاں
مگر کسی اور ہی مقصد سے دھرے تھے یہ لکڑی کے بکس
پیچھے کی طرف کسی چہار دیواری کا عکس
جس سے آ رہی تھی پیشاب کی سڑاندھ
اندر باسکیٹ بال کے لوپ پر بیٹھا تھا ایک گدھ شانت
میں نے ایک بکس کو منتخب کیا' ہو گیا براجمان
آستین سے چہرے کا پسینہ پونچھا
پتلون کے پائچوں سے
نباتاتی میزائلوں کو نوچا
پانسو کا نوٹ پھیلا کر
اسے چاروں کونوں سے تھام کر
اسکے دائمی وعدے کو پڑھا
باپو کی آنکھوں میں تھی ایک طنزیہ تھکن
کہاں لے گئے تھے وطن کو ابنائے وطن
میرا عجیب وغریب ساتھی دیباشس اپادھیائے

پریسیڈنسی جیل میں ختم ہوا جس کے جیون کا ادھیائے

اس نے مجھ جاہل چورنگی کو دیا تھا ایک خواب

مگر بہت بھیانک ہے انسانی ظلم وستم کا سیلاب

کتنی مختصر ہوتی وہ ملاقات

وہ جب دکھائی دیتا

پر کتنی بامعنی ہوجاتی رات

اکثر جب میں نے مڑکر دیکھا تھا اس پاگل پن کو

تو لگتا مجھے شاید

یہ کچھ لوٹا سکے مسکراہٹ میرے بچپن کو

اور یہاں بیٹھا تھا وہی چورنگی

انگلیوں کے بیچ تھامے اپنی شرمناک اجرت

وہ آخری خواب بھی اسکے ہاتھ سے نکل چکا تھا

چھپا رکھا تھا جسے اس نے اپنے دل کے اندر

وہ شیش محل جل چکا تھا

میرے گالوں پر جاگ اٹھی آنسو کی دو لکیر

میں نے کسی کی آہٹ محسوس کی

نوٹ کو تہہ کرتے ہوئے دیکھا

تھے دو خانہ بدوش کتے

میری کہنیوں سے خون چاٹ رہے تھے

ان کی بھوک آنکھوں سے ٹپک رہی تھی

میں دونوں کے سروں کو سہلانے لگا

ان سے زیادہ اپنے آپ کو بہلانے لگا

اور پہلی بار میں مسکرایا
پانسو روپے کا صحیح مصرف میری سمجھ میں آیا
سورج نصف النہار سے پرے جھک رہا تھا
جب میں تھیلی میں ذبیحہ گوشت کے ساتھ ہوا نمودار
کتے دوپہر ڈھلنے تک بھی نہیں لوٹے
کچھ کوّے اور چیل کہ سر پر منڈلا رہے تھے
ابھی میں ان کے حق میں فیصلہ کر نہ پایا تھا
کہ دونوں کتے دوڑتے ہوئے آئے
اور راتب پر ٹوٹ پڑے
آسمان سے غائب ہو گئے چیل اور کوؤں کے سائے

گھوڑوں پر سوار سپاہی میدان کو ترچھا کاٹ رہے تھے
مٹک رہے تھے گھوڑوں کے کولہے
سوار مناسب لئے پر ہل رہے تھے
پھل کی دو پیٹیوں کے درمیان
ایک ترپال باندھ کر میں نے بنا لیا تھا سائبان
دھوپ کی تپش میں (جب سورج جھک رہا ہوتا فورٹ ولیم کی طرف)
میں آرام کرتا گنگا جمنا کے ہمراہ 'صاحبان!
پچھلے دو ہفتوں میں وہ پانسو کی آدھی رقم چٹ کر چکے تھے
اور ہو گئے تھے کتنے وفادار
میرے لئے تھے کسی پر بھی حملہ کرنے کو تیار
اور جب میں جادو گھر کے باہر

زمین میں سر گاڑ کر
الٹا کھڑا رہتا
تو میرے سائے میں کھڑے رہتے نانہجار
گرچہ پہلی بار جب گنگا نے مجھے اس حالت میں دیکھا
تو ٹانگ اٹھا کر میری قمیض پر پیشاب کر ڈالا تھا
میں نے اس کی خوب کی تھی ٹھکائی
اور ایم ایل اے ہاسٹل کے پھاٹک پر چھوڑ آیا تھا
مگر دوسرے دن اس نے پناہ گاہ ڈھونڈ نکالی
اسنے اتنی محنت اور جانفشانی کے ساتھ دم کو ہلایا
کہ مجھے بڑا ترس آیا
اس رات میں نے اسے کمبل اڑھایا
لوری سنائی، گیت گایا
میں گنگا جمنا کو انسانی آداب سکھانے لگا
یہاں تک کہ وہ ادب سے فاصلہ رکھنا سیکھ گئے
لیکن جمنا کو تھی اسپونڈی لائٹس کی بیماری
کراہتا رہتا ہمہ وقت وہ درد سے
جاگ کر گزارتا رات ساری
میں لے گیا اسے جانوروں کے ڈاکٹر کے پاس
جمنا کو روتے دیکھ کر میں ہو گیا تھا اداس
اگر خدا ایک ہے، جیسا کہ مقیم کا عقیدہ ہے
تو مناسب ہے
زندگی میں کتنے عذاب ہیں،

کیا کچھ انسان پر غالب ہے
اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے
تو ہم آٹھوں پہر روتے
کبڑے ہوجاتے عذاب ڈھوتے ڈھوتے

گھوڑے رک گئے تھے پیڑوں کے جھنڈ کے باہر
میں اپنے مضحکہ خیز خیمے سے نکل آیا
سامنے کے سپاہی نے اپنی گل موچھوں کو دیا تاؤ
۔ اچھا ڈھونڈ نکالا ہے میاں تم نے پڑاؤ
۔ اگر سارا شہر بانٹ لے اسی طرح سے یہ میدان
۔ تو ہمارا کام ہوجاوے آسان
۔ تمہیں اسکا بھی خیال نہیں
۔ ہمارے گھوڑے کہاں کرینگے لید
۔ باقی سب کے محرم اور تمہاری عید
دوسرے سپاہی نے گھوڑے کو سامنے بڑھایا
۔ باندھنا فضول ہے اتنی لمبی تمہید
۔ بھگادو انہیں ٹھوکر مار کر، باپ کا راج ہے
۔ ابے یہ کیا تماشہ ہے بولتے کیوں نہیں؟
۔ اپنا مقعد منہ کھولتے کیوں نہیں؟
اسنے جھک کر اپنے ڈنڈے کی نوک سے
جمنا کی دم کو اسکے مقعد سے اٹھایا
میں مسکرایا

جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے
اور جب سپاہی کی مٹی پلید ہوتی ہے
تو گنگا جمنا جاگتا ہے
میں بھلا نہیں سکتا وہ منظر
کس سفاکی سے دونوں نے کیا تھا حملہ گھوڑوں پر
گھوڑے سموں کو زمین پر مارتے اوٹ پٹانگ
بھاگے سواروں کو پیٹھ پر لے کر'
اچھلتے کودتے مارتے چھلانگ
سوار جان بچانے کے لئے ان کی گردنوں سے چپک گئے تھے
جان کے خوف سے قد میں چھوٹے ہو گئے تھے
اس دن سے میدان کے اس گوشے پر ہو گیا تھا
گنگا جمنا کا راج
دونوں نے میرے ماتھے پر رکھ دیا تھا
نظر نہ آنے والا غدر کا تاج
جس میں کسی بھی دن پولس کی گولی
کر کے سوراخ کھیل سکتی تھی ہولی
میدان پر سورج تپتا' تاروں کی چھاؤں میں لوگ کمینگی کرتے
مگر ہم آرام سے وقت کاٹتے
ایک دوسرے کی دُم کھینچتے
ایک دوسرے کا سکھ دکھ بانٹتے
ہمیں لگ رہا تھا اپنا ساتھ اٹوٹ
کہ ایک دن گنگا کو ایک کتیا لے گئی لوٹ

جمنا اس کی جدائی برداشت کرنے کے اہل نہ تھا
وہ درد سے کراہتا چاند کی طرف دہن کھول کر رویا کرتا
میں اسے گلے سے لپٹا کر سویا کرتا

- جمنا یاد رکھنا
- ایک دن رانی وکٹوریا کے گنبد کی پری
- اپنا بگل ضرور بجائے گی
- سمئے کی دیوی ایک نئی دنیا بسائے گی
- جہاں آٹھوں پہر کرنی نہ ہوگی تمہیں مقعد کی حفاظت
- جب اپنے ملک میں ہوں گے دروازے نہ کھڑکیاں
- نہ بھوک نہ سیاست
- غلاظت تو اس طرح ہو جائی گی کافور
- کہ ختم ہو جائے گا ناک بننے کا دستور
- اتنا میٹھا ہو جائے گا ہر انسان
- کہ انہیں نہ پھر کبھی ہو گی شکر کی بیماری
- لوگوں میں آ جائے گی اتنی ایمانداری
- کہ غیر ضروری ٹھہرے گی پولس اور سرکار

جمنا جو بخار میں تپ رہا تھا
اسنے آنکھیں کھول کر تاروں کا جائزہ لیا
اور اسکی آنکھیں پتھرا گئیں
سورج نکلنے سے پہلے میں نے زمین میں گڈھا بنایا
اسے عزت واحترام کے ساتھ دفنایا
اور اس کی قبر پر خیمہ تان کر

اسے گڈبائی کہا
کچھ دنوں کے بعد جب میرا وہاں سے ہوا گذر
تو وہاں نہ لکڑی کی پٹیاں تھیں نہ ترپال کا گھر
کسی نے جمنا کے لحد پر کر دیا تھا دست
دونوں سپاہی گھوڑوں پر سوار
پاس ہی کر رہے تھے گشت
دونوں نے گھوڑوں کو درختوں کے جھنڈ کے سامنے روکا
ان کے ہونٹوں پر ایک عیارانہ مسکراہٹ تھی
شاید یہی آنے والے دور کی آہٹ تھی

شہید مینار کی سیڑھی پر
بچھا تھا اخبار کا بستر
جس پر تھا وہ دراز
اپنے جسم پر باہر سے چادر کی طرح
اپنا کوٹ لپیٹے ہوئے
ہل رہے تھے ہوا میں اس کے دھول سے اٹے خشخشے بال
منہ کے کونے سے بہہ آئی تھی رال
۔ شاید مر گیا ہے وہ
۔ میں اسکا بٹوا اڑا لے جاتا ہوں
میں نے اسے ٹھوکا دیا
۔ ہیرا تیرا ہو ستیاناس
۔ اگر وہ مر گیا تو اسکے لئے یہ بہتر ہے

- ورنہ یہ زندگی ایک بوجھ ہے اگر وہ بے گھر ہے

ہم گئے قریب، تھیں اسکے سرہانے دھری

دو موٹی موٹی کرم خوردہ کتابیں

میں نے انہیں کھول کر دیکھا رہ گیا دنگ

کیڑوں نے بنا ڈالے تھے آر پار سرنگ

اندر کے صفحوں پر تھے روشنائی کے بیضوی سیل

- یا تو یہ کتاب چور ہے یا پٹا ہوا سرکاری وکیل

ہیرا نے کتابوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا

شانے اچکائے

ان کے وزن کا ان کی قامت کا اندازہ لگایا

- کالج اسٹریٹ کے فٹ پاتھ پر

- لائبریری کی چرائی ہوئی نادر کتابیں بیچتا ہے سر

- ہم اسے بیچ دینگے یہ مال

میں نے دوسری بار ہیرا کو ٹھوکر ماری

- ہیرا کیا تیرا مالک چھنگوانی

- اب تجھ سے چرائے ہوئے کپڑے نہیں خریدتا

ہیرا ہنسا، اپنی ٹھوری کھجائی

- پیسے کی ضرورت کسے نہیں بھائی

- مگر ان دنوں میرا ہاتھ ذرا ہے تنگ

- یہ بھی ہے کوئی جینے کا ڈھنگ

- جسم گرمانے کو نہیں کوئی ساتھی سنگی

- دن بدن رنڈیاں ہوتی جا رہی ہیں مہنگی

۔ شریف لوگ اب کھلے عام ان علاقوں میں جانے لگے ہیں
۔ بلاوجہ ان کا ریٹ بڑھانے لگے ہیں
۔ لوگ گھروں سے زیادہ ہوٹلوں میں کھانے لگے ہیں
میں نے ٹھوکر لگائی ہیرا کو تیسری بار
کل تک کتنا کم گو تھا میرا یار
بظاہر عمر اس کی ہوگی پندرہ سال
مگر اسی درمیان وہ دکھا چکا تھا کمال
اسنے غلاظت کی ندیاں نالے پی ڈالے تھے
اس عمر کے لئے اس کے جذبات نرالے تھے
۔ چھوڑو یہ سب، چلتے ہیں کرزن پارک
۔ سورج کسی بھی لمحے ڈوب جائے گا
۔ تب وہ بانسری وادک آئے گا
ہیرا ہنسا اپنی کھوکھلی ہنسی
۔ چورنگی، نیک بننے کا تم نے اچھا پالا ہے جنون
۔ وہ بانسری وادک اب وہاں نہیں بیٹھتا
۔ چوراچکوں نے پولس کی مدد سے اسے وہاں سے بھگا دیا ہے
۔ وہاں تو یاروں نے کچھ اور ہی گل کھلایا ہے
۔ وہاں اب لگتی ہے ٹرک اور ٹیکسی ڈرائیوروں کی بھیڑ
۔کرزن پارک میں ایک کمسن پری اتر آئی ہے
۔ چھوکر مزا لوٹنے کے لئے وہ سونپتی ہے اپنا بدن
۔ یوں تو ابھی ہے صرف گیارہ برس کی
۔ مگر ابھی سے کما رہی ہے دھن

اس کی باتوں سے لاپرواہ
اپنے اردگرد ڈالتے اچٹتی نگاہ
کرزن پارک کی طرف ہم بے ارادہ چل پڑے
سورج بجھ چکا تھا' تھا آسمان سرخ
گھنے پیڑ تیرگی پھیلانے لگے تھے
پارک کے چاروں اور
تھا ہر طرح کے پہیوں کا ملا جلا شور
مگر ایک جگہ رانی راس منی کے بُت کی لے کر آڑ
لگی تھی مشتبہ لوگوں کی قطار
کم سن' عمر دراز' پاکباز اور بد کردار
۔ اگر دس روپے نکالو تو مزا لیتے ہیں یار
۔ کلکتہ کا کیا' یہ موقع آئے نہ بار بار
جانے کیوں' مگر ہم دونوں قطار سے جا لگے
مورتی کے ستون تک جا کر قطار ہوتی تھی ختم
پیچھے تھی گھنی جھاڑی' جس میں لوگ ہو رہے تھے ضم
ایک توانا بدن لنگڑے نے ہاتھ پھیلایا
ہیرا نے مجھ سے لے کر اسے رقم تھمائی
مجھے آگے کی طرف ڈھکیلا' جھاڑیوں کے بیچ
میں نے نیم تیرگی میں خود کو پایا
گھاس پر بیٹھی تھی ایک کمسن لڑکی
اس کی بڑی بڑی آنکھیں تاروں کی طرح روشن تھیں
وہ کر رہی تھی مسکرانے کی کوشش

اس نے پتلون کھینچ کر مجھے گھٹنوں کے بل گرایا

۔ نام کیا ہے رے تیرا؟

نکلا میرے منہ سے بے اختیار

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی

۔ پانچ روپۓ دے کر سب کچھ جان لینا چاہتا ہے میرا یار

۔ تو سی آئی ڈی کا آدمی تو نہیں لگتا؟

۔ اور اگر ہے تو اپن کا کیا جاتا ہے

۔ ہمارے آدمی تو بڑے بڑوں کو سنبھالتے ہیں

۔ ہم پولس والوں کو بھی ہفتہ ڈالتے ہیں

میں نے دوسری بار اسکے چہرے پر نظر ڈالی

بالکل پری تھی وہ' پری' کم عمر' روشن آنکھوں والی

گرچہ گناہ کا سایہ اس پر پڑا نہ تھا کچھ خاص

مگر کچھ تو حاوی تھا کلی پر مسلے جانے کا احساس

اس نے تھاما میرا داہنا ہاتھ

سینے سے لگایا'

اپنی روشن آنکھوں سے مسکرائی

میں نے اسکے نیم عریاں بدن سے نظر ہٹائی

ہاتھ کھینچ کر اٹھ کھڑا ہوا'

کرزن پارک سے نکل آیا

آسمان پر چاند آچکا تھا

چمک اٹھی تھیں ہر طرف روشنیاں

زمین تا آسمان تن چکا تھا کالا سایہ

گرچہ ٹھنڈی ہوا میدان میں چل رہی تھی

میرے ماتھے سے پسینہ کی بوندیں نکل رہی تھیں

ماحول میں مسالے کی تیز مہک پھیل رہی تھی

شاید آس پاس کسی نیم پاگل کی ہانڈی ابل رہی تھی

بس بے سے بسیں ہو رہی تھیں روانہ

دور دراز کے سفر پر

ہر کسی کے بیوی بچے تھے

ہر کسی کو پہنچنا تھا گھر

مگر ہم لوگ جنہیں جنا تھا اس شہر نے

جنہیں ڈسا تھا وقت کے قہر نے

ہمارے لئے کوئی پری تھی نہ حور

ہم پی رہے تھے خود اپنا ناسور

گھسیٹتا ہوا اپنا تھکا ماندا وجود

میں شہید مینار کے چبوترے پر جا بیٹھا

اور کلکتہ کو کراہتے ہوئے سننے لگا

ٹھنڈی ہوا میری جلد کو چوم رہی تھی

میں نے ایک انسانی سایہ کو تیرتے دیکھا

اٹھایا سر

یہ وہی تھا

بوسیدہ کوٹ میں ملبوس دائمی بیمار

اس نے اپنی دونوں آنکھوں کے بھالے

مجھ میں گاڑ رکھے تھے

۔ حد ہوگئی، آخر کب تک پھرونگا میں بھوکا پیٹ
۔ میں کہتا ہوں ایک کپ چائے پلائے گا سیٹھ؟
میری پکار پر اٹھائے ہانڈی پیتل کی
جس کے نیچے سلگ رہی تھی چولہے کی نلکی
چائے والا نمودار ہوا
چائے بنانے کو تیار ہوا
۔ اگر لگاؤ تم صحیح دام
۔ تو چار بسکٹ ادھار کھاتے پر لکھ لو میرے نام
چائے والا ہنسا، مٹی کا کپ بڑھایا
۔ سمجھ لو اس نے خوب کمایا
۔ جس نے بھٹا چارج سے پیچھا چھڑایا
ہم چائے اور بسکٹ کھاتے رہے
چائے والا مجھ سے چائے کی رقم لے کر کھسکتا بنا
بھٹا چارج آنکھ مار کر مسکرایا
۔ یہ بھی ہے جیون کا سنجوگ
۔ کسی نہ کسی موڑ پر
۔ مل جاتے ہیں تم جیسے بھلے لوگ
۔ جنہیں بھا جاتے ہیں میٹھے بول
۔ مجھے یاد ہے وہ رات
۔ جب میں نے گھر جانے کا ارادہ کر دیا تھا ترک
۔ اور بابو گھاٹ کی دیوار پر
۔ دریا کنارے سونے کی ٹھانی تھی

۔ جانے کتنے تارے گنے تھے آسمان پر
۔ صبح آنکھ کھلنے پر میں نے پایا مگر
۔ کوئی میری کتابوں کا تکیہ چرا کر لے گیا تھا
۔ مگر جو بات ہے حیرت انگیز
۔ وہ کتابیں اسی طرح واپس آ گئیں سلسلہ وار
۔ اور تکیہ بن کر میرے سرہانے سما گئیں
اچانک وہ ہو گیا خاموش
چاند آسمان سے ہو گیا تھا روپوش
اندھیرے کا اٹھا کر فائدہ میں نے کیا سوال
۔ کیا ہیں آپ؟
۔ پریسیڈنسی کالج میں فلسفے کا پارٹ ٹائم لکچرر
۔ جو اصل میں کچھ نہیں سوائے
۔ لڑکوں کے ذہنوں پر زہر اگلتا سانپ
۔ میں نے اس شہر کو خود اپنے ساتھ
۔ مباشرت کرتے دیکھا ہے
۔ اس کے نوزائدہ لمحوں کو
۔ پالنوں میں مرتے دیکھا ہے
۔ میں نے بھی چاہا تھا ہو جائے زندگی آسان
۔ مگر مجھے کیا پتہ تھا خود میرے اندر کے سوال
۔ مجھے کر دینگے اس قدر پائمال
۔ اب تو مجھے لگتا ہے
۔ کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے میرے پاس

- مجھ سے تو زیادہ گیانی ہے میدان کی گھاس
- میرے لئے تو بہتر ہے کوئی مجھے زندہ گاڑ دے
- یا بوٹینیکل گارڈن سے آئے گدھ
- میرا پیٹ پھاڑ دے

میں تھکا ماندا خود اپنے بوجھ سے نڈھال
ٹرام کی ایک غیر مستعمل پٹری پر چل پڑا

- میرے لئے تو بہتر ہے کوئی مجھے زندہ گاڑ دے
- یا بوٹینیکل گارڈن سے آئے گدھ
- میرا پیٹ پھاڑ دے

کتنی صحیح بات کہی تھی بھٹاچارج نے میرے لئے
شاید آج میں نہ رہ پاؤں بن پئے
گرانڈ ہوٹل کے باہر کھڑا تھا ایک سفید فام
اس نے مجھ پر کیمرا کیا روشن
میں نے لاشعوری طور پر کیا سلام
اور دُم دبا کر آگے بڑھ گیا

ایک اندھا کیا دیکھے اندھیرا
مگر کان تو محسوس کر سکتے تھے
بھاری بھرکم پہیوں کی گڑگڑاہٹ
جب کہ بیچ کا سناٹا
جو ہزاروں کوس تک چھایا ہوا تھا
بھر رہا تھا میرے پورے وجود میں اکتاہٹ

سورج میرے چمکتے تلووں پر
پھیر رہا تھا گرم زبان
زمین کا خلاء باز بے پر کا انسان
زمین کی خاک تھی جس کی حد اڑان
کاش میں زمین کے نطفے میں
پوری طرح سما سکتا
اس کے بطن میں پلتے خوابوں کو چھو سکتا
اسکے سوالوں کو پا سکتا
بہت اوپر زمین کے آسمان پر بچھا تھا تولیہ
کسی دوسرے آسمان سے ٹپک رہے تھے سکے
کچھ دوسرے ہاتھ ہو رہے تھے مہربان
بھاری بھرکم قدموں کی چاپ
غیر ملکی گالی، انسانی ہمدردی میں غرق شراپ
سکوں کے لٹ جانے کا دائمی ڈر
کوئی چور بیٹھا تھا میرے اندر
میرا وجود
فریبی دنیا کو فریب دیتا
کیا بہتر تھا اس درویش سے
جو جانے کہاں سے نکل آیا تھا
جس نے چمٹا مار کر بٹھائے تھے زخم
میرے ننگے تلوؤں پر
میرے پیر اگر حقارت سے آسمان کی طرف تاک رہے تھے

تو کیا اس سے خدا کی وقعت کم ہو گئی تھی؟

کب تک پہنے رہتا میں شرافت کا خول

میں نے توڑ ڈالا درویش کا کشکول

مگر اب کیا رکھا ہے ان واقعات میں

چاہے سورج جادو گھر کی کھڑکیوں پر چمکے

یا اوٹ لے بادلوں کی

میں نے اپنی مرضی کے مطابق وقت کو بانٹ لیا تھا

دن اور رات میں

میرے پیروں کے زخم مٹ چلے تھے

درویش نے ضرور نیا کشکول خرید لیا ہوگا

اور آسمان اور زمین کے تعلقات میں

شاید میں واحد کانٹا تھا

جسے نکال پھینکنا

تھا نہ کسی کے بس میں، میری کیا وقعت تھی

مگر یہ کیا کوئی نوکدار چیز

چبانے لگی تھی میرے کولہے پر کی قمیض

میں نے جسم کو نیم دائرے کی شکل میں موڑا

رکھے زمین پر پاؤں

چاروں طرف سے مٹی ہٹا کر سر باہر نکالا

چہرے پر لپٹے کپڑے نوچ کر

دیکھا

لنگڑے بھکاری پاسوان کا گنجا سر

یہ شاید تھی اس کی بیساکھی کی نوک
جسے اس نے دیا تھا بے رحمی سے بھونک
بھکاری پاسوان کے کیلشیم سے عاری دانت نکل آئے
۔ چورنگی اپنے یار نگرچی کی خبر لے
۔ کسی نے تیز آلے سے کاٹ دیا ہے اسکا نرخرا
۔ آخرکار پھوٹ گیا اسکے پاپوں کا گھڑا
۔ سینٹرل ایونیو کے مردہ گھر میں سڑ رہا ہے پڑا پڑا
تو یہ ہونا تھا اور ہو گیا
ہمارا پہلا گنہ گار وقت کے بھنور میں کھو گیا
شاید اس کی موت کے لئے
ہم سب تھے ذہنی طور پر تیار
نشے کے بیوپار میں کیا تھا اس نے گھپلا
کچھ دنوں سے وہ پولس کی مخبری پر مائل ہوا تھا
تین بار ان دیکھے حملوں سے گھائل ہوا تھا
پولس نے تو بٹھا لیا تھا
نشے کے مافیا کے ساتھ اپنا حصہ
مگر قربانی کا بکرا بنا تھا نگرچی
ہو چکا تھا تمام اسکا قصہ
بہاری، پربھودیال، سنبھو اور افغان
مقیم، چورنگی، ہیرا اور لنگڑا بھکاری پاسوان
ہم سب نے فٹ پاتھ سے چندا اٹھایا
رشوت دے کر ہمیں خریدنا پڑا نگرچی کا مردہ

(ہم بھلا کب تھے اسکے رشتے دار؟)

نگر چی کی منہ بولی ماں سبراتن نے کر دیا انکار

۔ کوڑادان سے میں اسے اٹھا لائی تھی

۔ ختنہ کروایا تھا

۔مگر وہ ذات کا گندا

۔ اسکے رہتے مجھے کرنا پڑا جسم کا دھندا

۔ نہ اسکا اللہ نہ اسکا بھگوان

۔ کوڑادان سے آیا تھا وہ

۔ لوٹ گیا کوڑادان

ہم سب لے گئے اسے قبرستان

اسکا لہولہان مردہ گاڑ آئے

اس کی خاک سے اپنا دامن جھاڑ آئے

مگر ایک مرتا ہے تو سو جنم لیتے ہیں

نشے کے کاروبار میں نگر چی ختم نہیں ہوتے

رام تیری گنگا میلی ہوگئی

پاپیوں کے پاپ دھوتے دھوتے

جانے کیا بات ہوئی

کیا ہوا گڑبڑ گھوٹالا

ہیرا نے ایک دن

اپنے باس چھنگوانی کو پیٹ ڈالا

چھنگوانی کی ٹوٹ گئی ایک پسلی

اور اسکے گنجے سر پر آیا کاری زخم
تب جا کر ہیرا کو آیا اس پر رحم
اسے بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر
لے گیا نرسنگ ہوم
اپنا باپ کہہ کر اسے کیا داخل
تھوڑا سا خون بہہ گیا تھا چھنگوانی کا
ہیرا نے اپنا خون کرنا چاہا شامل
جسے ڈاکٹر نے غیر ضروری قرار دیا
چھنگوانی کی بانجھ پتنی
ہمیشہ کی طرح رکشے میں ہوئی وارد
مگر ہیرا نرسنگ ہوم سے کھسک چکا تھا
اور اب پولس اس کی تلاش میں سرگرداں تھی
اطلاع پا چکے تھے کلکتہ کے سبھی تھانے
ـ ہیرا خود کو پولس کے حوالے کیوں نہیں کرتا؟
ـ اگر اسی طرح روپوش رہا
ـ تو دیکھ لینا کسی دن انکاؤنٹر میں اسکا نکل جائے گا بھرتا
ـ چھنگوانی تو زخمی پڑا اسپتال میں ہے
ـ مگر ہیرا اس سے زیادہ جنجال میں ہے
ـ چورنگی کیوں نہ اسے ڈھونڈ نکالیں ہم
ـ کردیں بے وقوف کو پولس کے حوالے ہم
مگر ہیرا کا تھانہ کوئی دائمی ٹھکانہ نہ بسیرا
کبھی بھی نہیں کرتا وہ ایک جگہ ڈیرا

اکثر وہ رائڈ اسٹریٹ کی ایک اندھی گلی میں سوجاتا
جہاں چھنگوانی کا تھا چور گدام
مگر ایک دن میرے دل نے کی سر گوشی
تھی وہ ایک گلابی شام
اور میں کرزن پارک کی طرف نکل گیا
میں کرزن پارک کے اندر
اس بدنام گوشے کے آس پاس منڈلانے لگا
زندگی کا ایک نیا مفہوم پانے لگا
وہ حقیقت تھی یا میری آنکھوں کا فریب
ایک دن میں نے دیکھا مانتیہ راجیہ پال کو
نقلی لانبی داڑھی اور موچھیں چپکائے
سانتا کلاؤس کے لبادے میں خود کو چھپائے
اس نے مجھے اشارے سے بلایا
اور آکاش وانی کے سہ راہے پر
ایک فراموش شدہ سنگِ میل پر بٹھایا
۔ میں نے کیا ہے فٹ پاتھ سے جیون کا پرارنبھ
۔ مگر اب سنبھالے نہیں سنبھلتا یہ اشوک استنبھ
۔ دیش کا کیا ہے
۔ اسکا کچومر نکالنے والوں کی کمی نہیں
۔ پیشہ ور سیاست دانوں سے بات کچھ بنی نہیں
۔ دیش آزاد ہے پرنتو
۔ غلاموں کے بازار لگتے ہیں

۔ راجے مہاراجے تو کب کے سدھارے
۔ اب نئے آقاؤں کے دربار لگتے ہیں
۔ نئے نئے ڈھنگ کے ہیں سب جیو جنتو
۔ جو جس کرسی پر بیٹھا ہے اسی پر دست کرر رہا ہے
۔ طاقتور کمزور کو پست کر رہا ہے
۔ منہ انسان کے ہیں بھیڑیوں کے دانت
۔ کسی چیز سے بھرتی نہیں اس جہنمی کی آنت
۔ اب تو فیصلے بھی کہاں کر پاتا ہوں میں
۔ کدھر جانا ہے کیا کرنا ہے مجھے
۔ اب تو یوں لگتا ہے ایک دن
۔ اسی اشوک استمبھ سے دب کر مرنا ہے مجھے
میں نے ہنس کر مامیہ راجیہ پال سے ہاتھ ملایا
پہلی بار دیش پریم سے میرا دل جگمگایا
دن چلتا ہے رات چلتی ہے
زندگی کی برات چلتی ہے
کبھی کبھار جگمگا اٹھتا ہے کوئی کنارا
آسمان سے چھوٹنے لگتا ہے شرارا
میں کرزن پارک سے خالی ہاتھ واپس آتا
مایوس ہوتا' سر کھپاتا
ٹک جاتا کہیں کسی پتھریلے صحن پر
ایک نادیدہ کوا اپنی چونچ ٹھونکتا رہتا میرے ذہن پر
اور ایک دن جب کہ کوا تھا بری طرح مصروف

آسمان سرخ ہوکر پھول گیا تھا
(میں ہیرا کو سرے سے بھول گیا تھا)
وہ مجھے دکھائی دیا پہنے کمر پر رسی اور ہتھکڑی
میری نظر چار مسٹنڈے سپاہیوں پر پڑی
انہوں نے آنکھ مار کر لی سلامی
۔ بڑی مشکل سے ہاتھ آیا ہے آسامی
۔ اس نے کرنا چاہا تھا' اپنے مالک کا خون
۔ اب اترے گا لاک اپ میں اسکا جنون
۔ تھانے میں جو آیا ہے نیا افسر
۔ پچھلے دس برس میں ہوا ہے دوبار سسپینڈ
۔ اچھے بھلے لوگ اس کے ڈر سے کانپتے ہیں
۔ اور مجرموں کی وہ تو بجا دیتا ہے بینڈ
ہیرا نے لاپرواہی سے سر جھٹکا' آنکھ ماری
۔ تھانے سے پہچان ہے پرانی ہماری
۔ اگر پہچان کا نکل گیا تھانے دار
۔ تو میری جیب میں رکھی ہوگی بھارت سرکار
۔ جس کی کرلے تھانے کا بڑا ابو سربراہی
۔ اسے راس نہ آئے انگلستان کی بادشاہی
سپاہی اسے لے کر آگے بڑھ گئے
مگر تیسرے دن میں نے ہیرا کو دیکھا آزاد
فٹ پاتھ پر کھا رہا تھا روٹی' سبزی اور سلاد
مجھے دیکھتے ہی وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا

- ابے آچورنگی، تو بھی منہ چلا
- اتنے اچنبھے سے مجھے تاکنے کا کیا ہے بھلا
- میں نے کیا کہا تھا میدان میں، یاد بھی ہے
- اگر پہچان کا نکل گیا تھانہ دار
- تو میری جیب میں رکھی ہوگی بھارت سرکار
- یاد کر آٹھ برس پہلے کی وہ غلیظ رات
- کیا کیا تھا ایک تھانے میں لوگوں نے ہمارے ساتھ
- آج نکل آئی اس دن کی پہچان
- انسپکٹر کی دوبارا ٹپک آئی رال
- پرانے دنوں کی یاد سے آنکھوں کا بڑھ گیا جمال
- جب کہ قدم قدم پر یہاں مرنا دھرا ہے
- تو ایک رات کا جہنم کیا برا ہے
- ایسا بدن کس کام کا
- اگر اپنے دیش کے رکھوالوں کے کام نہ آئے
- اب تو چورنگی پر ہوگا اپنا راج
- وقت نے ہیرا کے سر پر رکھ دیا ہے انگلستان کا تاج

ہیرا کے ساتھ میں لے چکا تھا کچھ گھونٹ
چاند تھا ایک پر دکھائی دے رہا تھا چاروں کھونٹ
تین اطراف پھیلی تھی روشنی کی لکیر
آسمان پر کہیں کہیں بادلوں کی بھیڑ
رات اسکے ساتھ جو گزرا تھا

ہیرا اس کی خفت مٹانے
واٹ گنج کی طرف کھسک لیا تھا رنڈی خانے
لٹکتا چلا گیا تھا ٹرام کے پائدان پر
اس ایک زندگی میں
کیا کچھ گزرتا ہے انسان پر
اچھے ہیں وہ لوگ جو دفن ہوئے یا جل گئے
شرافت کے ساتھ دنیا سے نکل گئے
مجھے لے جا رہے تھے ایکانت میں میرے تھکے ماندے قدم
کہ پاس ہی کہیں پھٹا کوئی بم
لوگ نیم تیرگی سے نکل کر روشنی کی طرف بھاگنے لگے
کونوں کھدروں میں سوتے ہوئے پاگل اور بھکاری جاگنے لگے
مگر کلکتہ ہے وہ بے پایاں سمندر
بڑے بڑے ہنگامے ڈوب جاتے ہیں جس کے اندر
یہاں خون زمین چوس لیتی ہے
اشک فلک پی جاتا ہے
یہاں پلک جھپکتے ہی
منظر بدل جاتا ہے
یہاں راہگیروں دکانداروں کا ہے وہ جمِ غفیر
کوئی رہ نہ پائے اپنے غم میں اسیر
کون بھلا ایک جگہ رک پاتا ہے
لوگ دھکے مار کر آگے بڑھا دیتے ہیں
حیران آنکھوں کے آگے

وقت کے بازیگر نیا منظر بچھا دیتے ہیں
سڑک سے ہٹ کر تھی جنگِ عظیم کی ایک یادگار
پتھر کا صحن سمنٹ کی دیوار
سامنے چمک رہا تھا ایڈن گارڈن اسٹیڈیم
جاڑے کی شروعات تھی' بس آ ہی چلا تھا کرکٹ کا موسم
میں نے صحن پر رکھ کر کولہے
گھٹنوں پر ٹھوری ٹکا دی
کہیں کسی پبلک اڈریس سسٹم پر ہو رہی تھی منادی
جانے کون کس سے کیا کہہ رہا تھا' سن رہا تھا کون
میری چاروں طرف پھیلے تھے نو پارکنگ زون
یہ وہ وقت ہے جب میدان پر ہوتا ہے غلبہ
ساجھے دار پولس اور جسم فروشوں کا
یہ وہ وقت ہے جب فورٹ ولیم سے دیس کے رکھوالے نکل آتے ہیں
جن سے ڈر کر میدان سے باہر پیار کرنے والے نکل آتے ہیں
کہ انہیں کرنا پڑتا ہے اپنا دفع
۔ پھر کسی دن جانِ من جانِ وفا
۔ رات کا سمئے ہے ویمپائر نکل آئے ہونگے
۔ان کے دیدے جسمانی ہوس سے جل آئے ہونگے
میں نے چونک کر کھول دی آنکھیں
کوئی میرے کان کی لوؤں پر گیلی سانس چھوڑ رہا تھا
اس سے قبل کہ ہو میرا کوئی ردِ عمل
چہک اٹھی ایک آواز

- ہیرا نے وعدہ پورا کیا آخر کار
- بڑی جستجو کے بعد ملا ہے اپنا یار

میں نے اس کمسن دوشیزہ کو دیکھا
اس کی آنکھیں تھیں روشن
مجھے یاد آیا اسکا چہرا
تو ہیرا کے کھسکنے کا اور ہی بہانہ تھا
اسے تو اس لڑکی کو میرے ساتھ الجھانا تھا
مگر جانے کیوں دل ہی دل میں خوش تھا میں شدید
میں نے اسے سینے سے چپکا کر
نچلا ہونٹ اپنے ہونٹوں کے بیچ تھام لیا

- ان تین برسوں میں تم ہوگئی ہو لڑکی کراری
- مگر یاد رکھنا ابھی تک تمہاری کلیسا ہے کنواری
- میں وعدہ کرتی ہوں، کرونگی میں جتن
- بچا کر رکھنا ہے مجھے تمہارے لئے اپنا انمول رتن
- چورنگی کا بھی ہے یہ وعدہ
- چاہے وہ بن جائے ایران کا شاہزادہ
- رہے گا تمہارا وفادار
- مگر میری کمسن پری
- اپنا نام تو بتاؤ
- اس خاک بسر سے اپنا پریچئے تو کرواؤ
- پریچئے تو غیروں کا ہوتا ہے مگر یاد رکھنا ہمیشہ
- تمہارے دوار ہی بکے گی تمہاری کلیسا

۔ کسی نے مجھے چھوڑ دیا تھا جوڑا گرجا کے باہر

۔ اسی سے مجھے ملا ہے یہ نام

۔ کلیسا کہ میں پائی گئی تھی کلیسا کے باہر

۔ مگر کلیسا، تم نے اس نام کو بدنام کیا

۔ کیا کرتی میں؛ مجھے جلا کر رکھنا تھا زندگی کا دیا

شاید پہلی ملاقات کے لئے اتنا ہی کافی تھا

ورنہ میرا اس طرح اس کی ذات میں در آنا

بھلا کب قابلِ معافی تھا

میں نے اسے سینے سے چپکا کر لگایا قہقہہ

۔ اب جب کہ چورنگی کہیں کا نہ رہا

۔ کسی نے اس پر یہ پری اتار دی

۔ جانے اوپر والے نے

۔ اس شہرِ خبرا کی قسمت بگاڑی یا سنوار دی؟

بابا پیٹر

حکم ہوا کہ اسے فوج میں بھرتی کا پروانہ بھیجا جائے
کوّے نے پاگل پن میں پناہ لی
حکم ہوا کہ اسے بلینک چیک دے جائیں
کوّے نے ان پر منی ماؤس کی تصویریں بنا دیں

کوّا (ٹیڈ ہیوز)

بابا پیٹر

ہمارے محلے کا ہے یہ پرانا دستور
برسات کے آتے ہی ہوجاتے گلی کوچے ناسور
لیکن ہمارے گھر جیسے ہی آتی برسات
ماما کے گنجے پن کی ہوجاتی شروعات
سر پر پھولدار ہیٹ جمائے
چھتری پھیلائے
ماما جب نیو مارکیٹ کے سبزی بازار سے سبزیاں لاتی
ماں مریم کا واسطہ دیتی بڑبڑاتی
۔ گاڈ المائٹی کو دنیا کو اگر اس طرح بنانا تھا
۔ اس میں ہم پور پیوپل کو نہیں بسانا تھا
۔ اب تو اس طرح سے پیش آتا ہے
۔ وہ توندیل بوچڑ نارمن بیری
۔ جیسے جواہر ریزے بیچنے لگی ہے اس کی پکیری
۔ کیا کھائے آدمی پورک اور ہیم
۔ اور اس کے لئے دے بھی تو کس کو بلیم
۔ سارا دیس کا ہی حال ہے خستہ
۔ ہماری سٹی میں سور مہنگا ہے انسان سستہ
پرانی تھی عمارت
اب ڈھے پڑنا اسکے امکان میں لکھا تھا

ہمارا فلیٹ دوسری اسٹوری پر مشکل سے ٹکا تھا
بھاری بھرکم ریلنگ کمزور ستونوں کے بیچ کھڑے تھے کمزور
جن پر کبوتروں کی بیٹ سے سفید
کہنہ چق پڑے تھے بے طور
یوں تو غیر ضروری طور پر تھے مضبوط و مستحکم
چھت کے آہنی بیم اور شہتیری
مگر اپنے پلستر کی دھول
نیچے پھینکنے لگی تھی چھت گیری
اور نکل آئی تھی کمزور دانتوں کی طرح
اپنے آہنی مسوڑوں سے اینٹ
کیا سوئے رات کیا جاگے دن
انسان کی زندگی تھی ملیامیٹ
فلیٹ کے لینڈنگ تک پہنچنے کے لئے تھا
لکڑی کا ایک چرمراتا زینہ
جس پر پہلی بار قدم رکھنے والوں کے سر پر
پھوٹ نکلتا پسینہ
پاپا جان ایسٹ مین
(اس قدر سوکھا اور لانبا تھا ان کا ڈیل ڈول
کہ دوسرا نام دے دیا تھا لوگوں نے ٹیلیگراف پول)
چھت سے زنجیروں سے لٹکتے
وکر کے پنجڑوں کے بیچ کھڑے ہو جاتے
یہاں تک کہ وہ ان کے پھڑ پھڑاتے کانوں میں بدل جاتے

اور جب وہ دیدہ ودانستہ ہوجاتے مضحکہ خیز

۔ میری پیاری ہری سلاد ہلڈی، تنک سجاؤ کھانے کی میز

۔ ارے یہ ہمارا گھر کوئی ایسا ویسا گھر نہیں ہے

۔ دنیا میں کون سی جا ہے جہاں مرنے کا ڈر نہیں ہے

۔ اس میں ہونا تو بجائے خود ایک اڈوینچر ہے

۔ وہی یہاں آسکتے ہیں جن کا فولاد کا جگر ہے

پاپا کی ہلڈی ماما ہلڈا ایسٹ مین

گلے میں سہم کر گھماتی صلیب کی چین

تاکتی رہتی ہوئی دیواروں کو

رحم طلب نظروں سے دیکھتی

بارش کی تیز پھواروں کو

۔ گھر کا دشمن کون؟

۔ پرانا پاپی جان!

۔ جس کا نہ گھر سے نہ جیسس کرائسٹ سے ناطہ ہے

۔جو پھر بھی کیتھڈرل کے لان میں جھاڑو لگاتا ہے

۔ اگر تم نے دوسری بار اس طرح کی بات کہی

۔ تو میں کہہ ڈالونگی ساری کہی ان کہی

پاپا مارتے قہقہہ

۔ میری پیاری ہری سلاد

۔ خراب نہ کرو منہ کا سواد

۔ اس طرح تم مجھ سے ہوا نہ کرو مایوس

۔ مذہب مجھے امپریس نہیں کرتا

- مگر کرسمس کے موقع پر
- کون بن پاتا ہے بھلا جان سے اچھا سانتا کلاؤس

مگر اسی دوران ایک طوطا
پاپا کے کان پر ٹھونگا لگا چکا ہوتا
پاپا کو کان تھام کر تلملاتے دیکھ کر
ماما مسکراتی
ایک پل کے لئے نکل جاتا برسات کا ڈر

- اسی پر تو مجھے حیرت ہے
- تم اتنے شاندار سانتا کلاؤس کیسے بن پاتے ہو
- ہولی فادر کو دیتے ہو دھوکہ
- اپنے لانبے قد کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہو

پاپا جان ایسٹ مین محلے بھر کا بدنام
اونچی پائنچوں والی پتلون چڑھائے
چرچ سے بانٹے گئے جوتے اور کمر بند لگائے
شراب کی بوتل کی طرح ڈگمگاتا ہوا
گھٹنوں تک پانی میں غرق گلی میں آتا ہوا
بے حیائی سے پانی ڈکارتے مین ہال سے نکلے بانس پر
اپنا رنگین رومال باندھتا
اپنی بلند قامتی سے ابھر کر آسمان کو پکڑنا چاہتا

- کون کہتا ہے جان اوپر والے کا یار نہیں
- پر دھرم اسکے سر کا بار نہیں
- اگر مدر میری خون کے آنسو رو سکتی ہے

۔ تو کیا جان اتنا بھی نہیں کر سکتا
۔ کتنی پرسکون ہو جاتی دنیا
۔ اگر عیسیٰ مسیح کے ساتھ سارا مانب پریوار مر سکتا
اچھا یا برا، کھوٹا یا کھرا، چوکور یا تکون
ہمارے پاس پیچھے کی طرف تاکنے کے لئے تھے
صرف پاپا جان
اسی لئے ماما، میں اور ایلین
ان کے وجود کو بنا لیتے جاڑے میں آتش دان
اور گرمی میں سلینگ فین

صبح تڑکے محلے کی مسجد میں ہوتی اذان
جاگ اٹھتا زندوں کا قبرستان
چوراہوں اور ناکوں پر تھی بیف کی دکانوں کی قطار
ان پر بھیڑ لگاتے عیسیٰ مسیح اور محمد کے پرستار
چغہ میں ملبوس مشنری اسکول کے فادر
چل رہے ہوتے لنگی پوش ملاؤں کے برابر
ان محلوں میں تھے اونچے اونچے گرجا گھر
جن کے کنگوروں پر کبوتر پھڑ پھڑاتے پر
آس پاس کے محلوں تک اڑ کر جاتے
غٹرغوں کے ساتھ بیٹ کے موتی لٹاتے
مسجد کی اذان کے ساتھ اٹھتے پاپا جان
کشادہ و بوسیدہ بالکنی میں لٹکتے پنجڑوں کے اندر

پیاسے پرندوں کو پانی پلاتے‘ ڈالتے دانہ

- پیارے پیٹر‘ کبھی کبھار یہی کافی لگتا ہے جینے کا بہانہ
- کبھی غور سے سنا کرو ان کی چہچہاہٹ
- کیا کہتی ہے ان معصوم پروں کی پھڑ پھڑاہٹ
- میں تو ان میں ایک دنیا پالیتا ہوں
- اپنی مرضی کے جواہر پارے اڑا لیتا ہوں

ان پرندوں کو اکٹھا نہیں کیا تھا پاپا نے

سونے اور چاندی کے بل بوتے پر (انہیں کیا تھی پیسے کی پرواہ!)

یہ تھے وہ سارے زخمی پرانی

جن پر پاپا جان کی پڑی تھی نگاہ

(کسی نے کیا خوب کہا ہے

ہم وہی دیکھتے ہیں جو ہم دیکھنا چاہتے ہیں)

کی تھی ان کی مرہم پٹی‘ پلایا تھا پانی

ان سے دور کی تھی اپنے پنجڑوں کی ویرانی

- اس گوریا کا نام میں نے دیا ہے بٹر
- اس پر ایک دکاندار نے گرا دیا تھا شٹر
- یہ مینا چرچ کے سیلنگ فین سے ٹکرائی تھی
- جانے کیوں یہ چرچ کے اندر جا گھسی تھی
- اس کے دل میں کیا دُھن سمائی تھی؟
- اس کا زخم پوری طرح بھر لے تو دونگا نام
- کون جانے یہ اچانک مر جائے
- ایسے میں نام کرن کا انجام!

- اس پالتو طوطے کو کسی رحمدل بچے نے اڑایا ہوگا
- یہ پھر رہا تھا بھوک اور پیاس سے نڈھال
- ڈھولک پر تھاپ لگا رہا تھا
- محلے کا بے مثال گویا للن شیخ عرف نابینا قوال
- کئی بار اس نے اسکے کندھے پر بیٹھنے کی کوشش کی
- اس نے اسے بھگانے کے لئے زور سے لگائی تھاپ
- کہ اس کی کھڑکی سے آگرا بچوں کے پیروں پر
- بچوں نے فوراً اسکے کتر ڈالے پر
- باریک رسی سے اسکی گردن کو دیا پھندا
- چیختے چلاتے سارے محلے کو کرنے لگے گندا
- میں نے جب رسی توڑی یہ تھا جاں بلب
- مگر کچھ ہی ہفتوں میں ہو گیا اتنا شکر لب
- کہ میں نے اسے سوگر مین کا خطاب دیا

غرض پاپا جان کے ہر پرندے کی تھی ایک کہانی
اور ایک نام
(جب پاپا جان نہ رہینگے تو جانے ان کا کیا ہوگا انجام!)
ماما پنجڑوں کے نیچے کی زمین سے بیٹ صاف کرتی
بڑبڑاتی
باری باری سے نکالتی چڑیوں کو
گیلے پروں میں انگلیوں سے کنگھی کرتی
چونچ پر ٹوتھ برش دوڑاتی
پنجے ڈٹول سے دھوتی

۔ جان نے اتنی جانوں کو پنجڑوں میں دیا ہے ڈھکیل
۔ کہ ڈیتھ اینجل اس کی روح نکال کرلے جائے گا ہیل
۔ ہولی فادر نے کتنا بڑا آسمان بنایا
۔ بنائی کتنی بڑی دھرتی
۔ انسانوں نے جیل خانے بنائے
۔ اور کر دیے زندہ جانوں کو بھرتی

پاپا جان ماما کے لکچر سے ہوتے نہ ڈسٹرب
وہ کبھی چار لانے کے لئے نہیں کرتے
دو سے دو کو ضرب

۔ کوئی گناہ کرتا ہے تو کسی کو ثواب ملتا ہے
۔ بوچڑ چھری پھیرتا ہے تب کباب ملتا ہے
۔ میں کیا کروں، مجھ میں نہیں یہ جنون
۔ مجھ سے دیکھا نہیں جاتا کسی کا خون
۔ خدا خون کی بارش نہ کرے کسی غریب پر
۔ چاہے وہ گٹر میں پڑا ہو یا صلیب پر

پاپا جان منہ ہاتھ دھوتے
رات کی بچی کھچی شراب حلق سے نیچے اتارتے
باتھ روم رفع حاجت کے لئے جاتے، کھانستے ڈکارتے
میں اور ایلین سنتے رہتے ان کے گیت
ہمارے بچپن کا ہیرو پاپا جان
ہینڈسم، چست، بسیار گو
شروع کے کبوتروں، اخبار والوں اور گوالوں کے ساتھ

وہ بھی ٹرام کی پٹریوں پر نیم انسان بن جاتے
جب تک سورج سر پر کھڑا ہو کر
پھینکنے نہ لگتا نیزے
پاپا جان چرچ کے لان کو جھاڑو لگاتے
گیت گاتے، سیٹی بجاتے، کولہے ہلاتے
وکٹوریا میموریل کے مشرق میں ایستادہ
وہ عظیم الشان کیتھڈرل
جس کے اندر کھڑے ہو کر
گنہ گاروں کا دہل جائے دل
غیر متاثر پاپا جان رہتے خود کلامی میں مشغول
کبھی جھاڑتے چرچ کی نشستوں کی دھول
کبھی پیانو کے ڈھکن سے کوئی مردہ پر اٹھاتے
چرچ کے شاگرد پیشہ میں دی جانے والی چائے
کرتے زہر مار، توڑتے اپنی شرٹ کے بٹن
۔ یہ تو ہے نا قابل معافی
۔ فادر گریگوری تو کھا جائیں سلاد اور مٹن
۔ اور ہمارے بچوں کو کھانے کو نہیں ٹافی
تندرست و توانا فادر گریگوری پر تھی ان کی نظر
پادریوں کے جلوس کی سربراہی کرتے وہی صلیب لے کر
جب اتوار کی دوپہر شروع ہوتی پرارتھنا
اور چھڑی کو ہلا کر ساز شروع کرتا
سازندوں کا سرغنہ

فلک بوس اور جسیم شمیم فادر گریگوری دانیال
اس طرح لڑھکتے جیسے لے آئیں گے بھونچال
فادر گریگوری کے ذمے تھی پانی اور صفائی کی نگرانی

- یہ اپنا جان بھی کس قدر معصوم ہے
- مجھے ہلڈا کا عنم معلوم ہے
- کاش نشے کا غلبہ اس کے ذہن سے ٹل سکتا
- کیا ہی اچھا ہوتا اگر جان بدل سکتا

وہ چرچ کے بڑے پھاٹک پر کھڑے مارتے قہقہہ

- جیسا کہ ہے ہلڈی کا کہا
- چرچ کا دشمن کون
- پرانا پاپی جان
- مجھے تو سارا ہی معاملہ لگتا ہے نوٹنکی
- ہر آنے والا دن سانپ کی طرح ڈستا جاتا ہے
- عبادت گاہیں تو آسمان کو چھوتی ہیں
- انسان دلدل میں دھنستا جاتا ہے
- انسان کے صبر کا پیمانہ بھر چکا ہے
- کردوا علان گاڈ مر چکا ہے

گذر چکا تھا اس دن زیوس اپنی رتھ پر
سنہرے ہو گئے تھے سفید گنبد پر نصب
وکٹوری کراؤن کے ساکت پر
کانسے کی بگل بردار پری لگ رہی تھی بالکل تنہا

چرچ کے اندر وائلن کی دھن ابھر رہی تھی

کلکتہ میں آباد کیتھولک چرچ کے مقتدی

اقبالِ گناہ کر کے جا چکے تھے

لان کے پیڑوں پر آسمان کے سائے آ چکے تھے

میں واپس لوٹا تو عمارت تھی سنسان

مگر ایک دور افتادہ گوشے میں

پاپا کھا رہے تھے فادر گریگوری کے کان

۔ چرچ کو گندا کرنے کے لئے

۔ کہاں کہاں سے آتی نہیں کبوتروں کی ڈار

۔ پر کوئی بڑھاتا نہیں پاپی جان کی پگار

۔ فادر گریگوری کچھ کرنا چاہئے آپ کو

۔ ورنہ وہ لوگ کیا برے تھے

۔ جنہوں نے صلیب پر ٹھونک دیا مقدّس باپ کو

فادر گریگوری مسکرا رہے تھے دیدے ہو رہے تھے گول

ان آنکھوں کو دیکھ کر یاد آ جائیں مونو کول

۔ جان، رعایت مانگنے کا نہیں ہے یہ طور

۔ تم اپنی حالت پر کیوں کرتے نہیں غور؟

۔ تمہاری دو تہائی تنخواہ ہو جاتی ہے شراب کی نذر

۔ اگر میں کھول کر بیٹھوں تمہاری شکایت کا دفتر

۔ تو تمہارا سر شرم سے گڑ جائے گا

پاپا جان کہ قد میں تھے فادر کے برابر

دو قدم پیچھے ہٹ گئے ڈالی انہوں نے

وولٹ سے لٹکتی جھاڑ فانوس پر نظر

- اگر جان کا سر شرم سے زمین میں گڑ جائے گا

- تو یہ بات طئے ہے کہ یہ سڑ جائے گا

- مگر اچھا ہوتا جو پاپی جان کے منہ میں نہ ہوتی زبان

- اسکے لئے ہوجاتی زندگی آسان

- کوئی مجھے سمجھائے جان کیوں نہ کرے شور

- پیڑ پر چڑھے تو ملتا ہے کٹ کھدرے کا خطاب

- اور جھیل میں اترے تو کہلاتا ہے ماہی خور

- جان بھلا کیا کر سکتا ہے

- اگر اسکے مقابلے پر

- ہر شخص اینجل کے مافک چمکتا ہے

پاپا جان پاؤں پٹکتے چرچ کے دوسرے گوشے کی طرف سدھارے

ایک پدرانہ مسکراہٹ چمک اٹھی

فادر گریگوری کے غیر فطری طور پر سرخ ہونٹوں کے کنارے

چرچ کے اندر قمقمے جل اٹھے

ایک سنہری لکیر آئی' فادر کو اڑا لے گئی

چمک اٹھی دیواروں پر بیلجیم کے دیدہ زیب شیشے

آوازیں سرگوشیوں میں بدل گئیں

جیسے دور کسی کونے میں کوئی بھر رہا ہو سانس

میں ہال میں آیا اور منبر کی طرف بڑھا

کونے پر جہاں تھا سازندوں کا چبوترہ

پیانو کے سامنے ٹھہر کر اسے غور سے پڑھا

سوئیول چیر پر ہتھیلی رکھی، پایا گرم
کوئی ابھی ابھی اٹھ کر گیا تھا،
اور شاید لوٹ آنا تھا اسے
پیانو کا ڈھکن کھلا تھا
میں نے رکھی ایک سفید کنجی پر اشاراتی انگلی
جیسے گھل گئی اندر کی فضا میں مصری کی ڈلی
کسی خوابیدہ پرندے نے ہلائے شہہ پر
دور کے آسمان میں ٹوٹا ایک تارا
کیا میں دیکھ رہا تھا اپنی زندگی کا کنارا
میری ذات کے پرے تھا غیر مانوس لہروں کا زور
میں نے لگاتار چند کنجیوں کو چھیڑا
سنگیت بن گیا شور
قدموں کی چاپ سنائی دی
ایک اجنبی عین میرے عقب پر کھڑا ہو گیا
اس نے کچھ بھی نہ کہا، مجھے تاکا کیا
میں خاموش کھڑا تھا، بھول چکا تھا
رکھی تھیں میری انگلیاں کنجیوں پر
وہ اوسط قد کا ایک گندمی رنگ کا آدمی تھا
اس نے مسکرا کر میرے کندھے پر رکھا ہاتھ
۔ اتنی کم عمر کے بچے کا پیانو سے اتنا لگاؤ
۔ کیا نام ہے تمہارا؟ کیا اس جگہ تمہیں ڈر نہیں لگتا
۔ کسے خبر جاگ اٹھے کوئی فرشتہ

۔ تمہیں اٹھا کر لے جائے آسمان پر

۔ اور یہ بلندی بن جائے وبال تمہاری جان پر

میں پیچھے ہٹا، ڈرا، سہما، سر کھجایا

اور جب کچھ بھی میری سمجھ میں نہ آیا

میں مڑ کر دوڑنے لگا باہر کی طرف

میرے پیر کے دھماکوں سے

جاگ سکتے تھے اصحابِ کہف

کیتھڈرل کے لان میں کھڑا تھا ایک ٹی وی ایوانجلسٹ

شوٹنگ چل رہی تھی، کھڑے تھے کچھ جرنلسٹ

۔ فادر اینجیلو، ذرا آپ بتائیں صحیح صحیح

۔ جس طرح ہمارے بھگوان پیتے ہیں دودھ اور دہی

۔ کیا سچ مچ ماں مریم کی آنکھوں سے نکلتے ہیں

۔ خون کے آنسو

فادر اینجلو نے سر جھکا کر سوال کیا قبول

۔ یہ انسان کی کتنی بڑی ہے بھول

۔ انسان تو بجائے خود ایک کرشمہ ہے

۔ اسے کرشموں کی ضرورت کیا ہے

۔ اور عالی خضرات، میں کانفرنس کا کرتا ہوں اختتام

۔ اور جیسا کہ ہم گنہ گاروں کا ہے تکیہ کلام

۔ خدا آپ سب کی حفاظت کرے

۔ ہم سب کو امن کے راستے پر لگائے

۔ ہمیں دوسرے سورگ کی ضرورت ہی کیوں پڑے
۔ یہ دنیا اگر سورگ بن جائے
اور جب مہمان اور میزبان الوداع سے قبل
گرم پیالوں میں کافی پی رہے تھے
پیانو کی دُھن پھیل گئی تھی چرچ کے اندر
جانے کس نے کی سرگوشی
۔ یہ ہے جوسف جیکب، امیچر سولولوئسٹ
۔ جب ان کی انگلیاں پیانو پر ہوتی ہیں
۔ تو فرشتے جاگتے ہیں
۔ اور شیطان بگٹٹ بھاگتے ہیں
میں نے چونک کر دیکھا
آسمان تک بلند چرچ کے رنگین دریچوں کو
اور انتظار کرنے لگا
شاید شیطان فرار ہوتا دکھائی دے
مگر دیر شام تک پیانو پر گونجتا رہا گیت
میری روح کے سمندر پر ڈولتا رہا
اپنی پنچ رنگی کشتی پر یہ آسمانی سنگیت

مجھ سے چھ سال بڑی ایلین
تھی گھر کی پری
اسکول اسے بالکل نہیں بھاتا
حقیقی دنیا سے کم تھا اسکا ناطہ

اپنا زیادہ وقت آئینہ کے سامنے گزارتی

اور اکثر اس کے اندر سما جاتی

ماما اسے کھینچ کر آئینہ سے باہر لاتی

بالکنی کی دھوپ میں بٹھاتی

کتاب تھماتی

مگر آدھے گھنٹہ کے بعد جب واپس جاتی ایلین کے پاس

ایلین کی آنکھیں آسمان پر ٹکی ہوتیں

پنسل کی نوک انار دانتوں کے بیچ دبائے

جب سنتی ماما کی پکار

پڑھنے کی اداکاری کرتی سر نیوڑھائے

- ایلین، گاڈ المائٹی نے تمہیں بنایا ہے حسین

- مگر میری نازنین

- وہ دن گذرا جب عورتیں جسم کے بل پر کرتی تھیں راج

- پاپا جان کا تمہیں حال ہے معلوم

- اور پیٹر تو بالکل ہی ہے معصوم

- جلدی سے پڑھ لکھ کر لگ جاؤ کام سے

- کہ تمہاری باقی زندگی کٹے آرام سے

ایلین ماں کے سامنے رہتی خاموش

مگر ماں کے جاتے ہی بڑھ جاتا اسکا جوش

- پڑھ لکھ کر مجھے نہیں بننا ہے عینک پوش

- پیٹر دیکھنا، ایک دن چھٹے گی یہ کالی گھٹا

- دیکھتے ہی دیکھتے میں بن جاؤنگی مس کلکتہ

۔ پھر اپنا بڑا سا فلیٹ ہوگا' ہوگی اپنی کار
میں متاثر ہو جاتا' ایلین کو حیرت سے تا کتا رہتا
واقعی ایلین کیا ایسی ہو جائے گی
میری خوبصورت ایلین
اکثر میں دیکھا کرتا اسے خواب میں
اور جاگنے پر اسے چھو کر اسی کی تصدیق کرتا
۔ سسٹر بنا کر کوئی بہانہ
۔ پر لگا کر اڑ نہ جانا
ایلین کھلکھلا کر ہنستی' میرے گال پر کاٹتی چیونٹی
۔ پیٹر' مجھے نہیں بھاتی گھر گرہستی کی کھونٹی
۔ اس گھر میں میں پھرتی رہتی ہوں شرمندہ
۔ ماما مجھے سمجھتی ہیں پنجڑے میں بند پرندہ
۔ ایک دن میں گیت گاؤنگی
۔ آنسو کے موتی لٹاؤنگی
۔ پر لگا کر اڑ جاؤنگی
۔ پھر کبھی لوٹ کر نہ آؤنگی مردہ یا زندہ
اسمبلی آف گاڈ چرچ میں تھا یہ اسکا آخری سال
مگر ایلین بھی تھی کمال
جانے کس طرح کامیاب وشاد
وہ اسکول کی دہلیز پار کر آئی
مگر اس کے ساتھ ہی اس نے روک دی پڑھائی
آخر تھک ہار کر ماما نے دی رائے

۔ پیاری ایلین، کیوں نہیں کر لیتیں تم
۔ YWCA سے کوئی سکریٹریل کورس
۔ قدرت نے تم جیسوں کو گوری چمڑی عنایت کی ہے
۔ لوگ لینگے تمہیں ہاتھوں ہاتھ
۔ اپنے آفس کا بڑھائینگے چارم
مگر ایلین تو کسی اور ہی آسمان کی چڑیا تھی
کم سے کم نظر آنے لگی گھر میں
اور دن بدن بدلنے لگی اس کی شباہت
لانبی ایلین کے چہرے پر آ گئی عجیب ملاحت
ہم دونوں ایک ہی کمرے میں سوتے تھے
ہماری کھڑکی سے نکلا ہوا تھا پانی کا اسپاؤٹ
برسات میں گندا پانی اگلتا تھا یہ شیر منہ
اور جاڑے میں اسے نہلاتی تھی دھوپ
جس پر بیٹھ کر کبوتر
پھڑ پھڑاتے پر
اور وقتِ ضرورت بیٹ کرتے تھے
ایک دن ایلین نے مجھے بستر پر لیا دبوچ
۔ پیٹر، تم پر ظاہر کرتی ہوں ایک گہرا راز
۔ مگر پہلے بدو شرط تم نہیں چھیڑو گے راگ
میں نے گدگدایا ایلین کا ملائم بدن
اسکے سنہرے بالوں کو کھینچا
اس کی بلی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

اسکے یاقوتی ہونٹوں پر اپنے ناخن گڑایا

۔ بتاؤ مجھے تم اپنا راز' یا گڑھ دو کوئی افسانہ

۔ مگر سسٹر بنا کر کوئی بہانہ

۔ پر لگا کر اڑ نہ جانا

کھلکھلا کر ہنس پڑی ایلین

معمول کے مطابق اسنے میرے گال پر چیونٹی کاٹی

۔ ایک ہی دریا کے ہم دو کنارے

۔ مگر پیٹر پیارے

۔ یہ بھی عجیب ہے اتفاق

۔ میں گوری چٹی اور تم سیاہ فام

۔ میری سمجھ میں نہیں آتا قدرت کا یہ انتظام

میں نے ایلین کو پیچھے ڈھکیلا

اس ایک پل میں میں کتنا ہو گیا تھا اکیلا

مگر ایلین کیا چیز تھی

کیوں قدرت ہوئی تھی اس پر اتنی مہرباں

۔ ایلین اگر یہی ہے تمہارا راز

۔ بہتر ہے مجھے نہ کرو شریک' میں آیا باز

ایلین نے مجھے پھر سے دبوچا

سینے سے لگایا

چوما میرے گالوں کو

۔ پیٹر' پیارے پیٹر نہ ہونا خفا

۔ میں نہیں بے وفا

- میں نے تو صرف ایک تجسس کا کیا تھا اظہار
- تم تو گلے ہی پڑ گئے میرے یار
- چلو غصہ تھوک دو، کھالو یہ میٹھا اچار
- مگر وہ راز ہے کچھ اور
- آج آدھی رات کو جگاؤں گی تمہیں
- چپکے سے آنکھیں کھول دینا، مچانا مت شور

شیر منہ کی طرف کھلتا تھا
پڑوس کی عمارت کا ایک دریچہ
اس دریچے میں نظر آتے تھے
مانوس و غیر مانوس عجیب و غریب چہرے
تعطیل کے دن یا چھٹیوں کے موسم
اس کمرے میں مچاتا شور
ایک بھاری بھرکم ساؤنڈ سسٹم
اکثر ہاتھ شراب کی بوتل اور گلاس سنبھالے
ہمارے شیر منہ کی طرف کرتے اشارے
ان کی بلاغت میں شامل تھے
فک، شٹ، ڈک اور بُرّے
مگر اس رات جب ایلین نے مجھے جگایا
تو وہ دریچہ یوں تو کھلا تھا
عجیب سناٹا تھا طاری
شیر منہ پر ہو رہی تھی چاندنی کی ملمع کاری

مربع نما دریچے میں تھی
ایک اور چھوٹی مربع نما نیلی روشنی
جو مختلف رنگوں سے کٹی چھٹی حرکت کر رہی تھی
۔ سسٹر، وہ تو ٹی وی پر دیکھ رہے ہیں پروگرام
ایلین نے اپنا لیا انداز بزرگانہ
نکلا ایک مختصر سا بائنا کولر
۔ یہ اپنی سہیلی لبنٰی سے لائی ہوں مانگ کر
۔ اپنی آنکھیں لگاؤ اور مزا لو پیٹر
اس ایک پل نے کی تھی کتنی تیز اڑان
ٹی وی پر تھا ننگے جسموں کا اژدہام
میں نے گھبرا کر ایلین کی طرف دیکھا
اسکی ترچھی آنکھیں مجھ پر گڑی تھیں
میں نے دوبارا بائنا کولر کا کیا استعمال
ٹی وی کا پردہ بڑا ہو کر سامنے آ گیا تھا
اور کھل گیا میرے اوپر وہ شرمناک راز
جسے ہر انسان ایک دوسرے سے چھپائے رکھتا ہے
میرا دورانِ خون ہو گیا تیز، گلا خشک
میرے نتھنوں کو رنگ رہا تھا
ایلین کے بدن کا مشک
باری باری سے دیکھتے رہے ہم تین
میں، شیر منہ اور ایلین
جانے کب ہم اس دریچے کو گئے بھول

ایلین نے جھٹکے سے کر لی کھڑکی بند

مجھے سینہ سے لگایا

پاگلوں کی طرح میرے ہونٹ چومے

میں نے شرم سے اپنا چہرا

اسکے گداز سینے میں چھپایا

۔ پیٹر، پیارے، پیٹر خبردار

۔ اگر کیا تم نے یہ راز آشکار

۔ ماما کی پٹائی تو کھاؤ گے

۔ میرے ہاتھ سے بھی مارے جاؤ گے

میں نے ایلین کو پیچھے دیا ڈھکیل

۔ دور رہو مجھ سے بلی چشم، سفید فام

۔ اور مجھ سے کسی طرح کی امید نہ رکھو

۔ کیا ہے تم نے جو کام

۔ اب اسکا مزا چکھو

ایلین کی آنکھیں ہوگئیں غصے سے لال

اپنے تیز ناخنوں سے چیرنے لگی

میرے چہرے کی کھال

مگر میں بھی تھا تیار

میں بستر سے کود کر دوڑا ماں کے بستر کی طرف

وہ تھی ایلین کے ساتھ میری آخری رات

اس پر پڑی تھی ماما کی بھیانک مار

اگر پاپا کرتے نہ بیچ بچاؤ

تو ایلین کا تو اٹھ ہی گیا ہوتا پڑاؤ

اس دن سے ایلین پاپا کے ساتھ سونے لگی

ماں مجھے سینے سے لگا کر رونے لگی

۔ پیٹر، میرے فرشتے

۔ انسان کو نہیں بخشا اسکا گناہ

۔ ہمیں اسکے لئے نہیں دیکھنی پڑتی

۔ قیامت کی راہ

۔ یہ ہم پر دنیا میں ہی ہوتا ہے نازل

میں حیران ماما کے چہرے کی طرف تاکتا رہا

وہ سو گئے، میں جاگتا رہا

کس بری طرح سے ٹوٹا تھا میرا دل

میں نے دریچے کا رخ کیا

شیر منہ کو لاشعوری طور پر ہلایا

شیر منہ ٹوٹ کر جا گرا گلی کے اندر

کچھ کتے بھونکنے لگے اسکے گرد کھڑے ہوکر

اس شیر منہ کو اٹھا لائے صبح تڑکے

بونے انٹھونی انکل جو تھے سرکس میں جوکر

۔ ارے جان تنک بتاؤ انٹھونی کو

۔ کس نے کیا اس شیر کا شکار

۔ ہائے رے انگریزوں کے چھوڑے ہوئے شیر

۔ چالیس سال بھی نہیں گزرے

۔ خود بخود سب ہونے لگے ہیں ڈھیر

ماما نے شیر منہ کو واپس پائپ کے منہ پر لگایا
مگر اب شیر منہ کے کانوں میں ہو گئے تھے
بڑے بڑے سوراخ
جلد ہی ایک گوریا نے اس میں اپنا گھونسلا بنا دیا
اور خوبصورت نیلے انڈے دے ڈالے
قدرت تیرے کھیل نرالے

بونا انٹھونی انکل عرف پاشا
جو محبوب بینڈ میں بجایا کرتا تاشہ
گلاٹیاں بھرنے میں ہو گیا تھا اس قدر ماہر
کہ بن بیٹھا تھا سرکس میں جوکر
وقت بھی کیا کیا دکھاتا ہے انہونی
شہید پاشا بن گیا تھا انٹھونی
۔ میں دو برس کا تھا تو تھا اس قدر تگڑا
۔ کہ میرے ختنہ کے وقت مجھے تھامنے
۔ بلایا گیا محلے کا تسلیم شدہ پہلوان غفور لنگڑا
۔ اور پھر بھی حجام ہو گیا تھا لہولہان
۔ مگر قسم ہے حضور پاک کی یہ ہے میرا اعلان
۔ ہم دونوں مل کر بن جائینگے سرکس کی جان
پاپا لگاتے انٹھونی انکل کے پھیلے ہوئے کولھوں پر
ایک زبردست نقلی ٹھوکر
انٹھونی انکل منہ کے بل گرتے فرش پر

اور سر کے بل کھڑے ہو کر پیروں سے جوتے اچھالتے

اپنے کانوں سے دھواں نکالتے

اپنی موٹی گردن میں سکہ بجاتے

اور موقع غنیمت جان کر

ماما کے لہنگے کے نیچے گھس جاتے

ماما چیختی چلاتی دانت کٹکٹاتی

انٹھونی انکل پر گھونسے برساتی

کھینچتی ان کے کان

انٹھونی انکل درد سے کراہتے

مارتے آنکھ

ماما کے ہاتھ پر اپنا کان چھوڑ کر بھاگ جاتے

اور جب واپس آتے

اپنا اصلی کان سہلاتے

۔ ہلڈا رانی' ارے جان کو مارو گولی

۔ میرے ساتھ بھاگ چلو میری دلبر

۔ تمہیں سلوا دونگا لہنگا اور چولی

۔ ارے تم جو میرے ساتھ آؤ گی

۔ جان بھی کھنچا ہوا چلا آئے گا

اپنے بچپن کے یار کا ملے گا ساتھ

۔ اپنا کیا جائے گا

اور کبھی کبھار انٹھونی انکل سال بھر ہو جاتے غائب

مگر وہ جہاں بھی ہوتے آتے ان کے خطوط

کبھی وہ اونٹ پر بیٹھے ہوئے حقہ گڑگڑاتے

کبھی چلا رہے ہوتے موت کے کنواں میں راجدوت

ایک بار بھیجی انہوں نے تصویر

وہ سرکس کے رنگ میں بنے تھے ماہی گیر

جال پھیلا کر پکڑ رہے تھے شیر

تصویر کے نیچے انہوں نے لکھے تھے اردو میں یہ اشعار

۔ نہ تو صحرا کا رخ کرونگا میں

۔ نہ ہی میں سوئے قفس جاؤنگا

۔ گھاس ڈالے گی نہ ہلڈا جو مجھے

۔ شیر کے پیٹ میں بس جاؤنگا

پاپا ان کے اردو کے خطوط پڑھواتے

محلے کے مظلوم شاعر عزیز مونگیری سے

ترجمہ کے معاوضے کے طور پر

چمکتا ہوا سکہ تھماتے

جسے دیکھ کر عزیز مونگیزی کے نکل آتے آنسو

۔ مسٹر جان' ہاؤ ڈو یو ڈو؟

۔ عزیز مونگیری کو کیا اردو ادب نے برباد

۔ لوگ شعر کی قدر پیسے سے نہیں کرتے

۔ دیتے ہیں بدبودار منہ سے داد

۔ جسے نہ پیٹ میں رکھا جا سکے نہ جو بکے بازار میں

۔ رسالے الگ استحصال کرتے ہیں

۔ ہم سے زیادہ کمائی تو نابینا قوال کرتے ہیں

پاپا جان ان کی پیٹھ تھپتھپائے
اگر نشے میں ہوتے تو گلے لگاتے
۔ پوئٹ لارئیٹ عزیز مونگیری
۔ قدرت کا ہے ہرنا کے پر کاروبار الٹا
۔ کچھ عجب نہیں اگر آج کے دور میں
۔ شیر کو کھا جائے شکار الٹا
انکل انٹھونی نے ہماچل پردیش سے
بھیجا ایلین کو ایک خوبصورت پارسل
۔ ایک گرم سوئٹر تو مائی چارمنگ گرل
۔ اور جان کو میں کچھ دینے والا نہیں
۔ اس نے خوب یارانہ نبھایا
۔ میرا کوٹ عزیز مونگیری کو پہنایا
۔ میرے بھیجے ہوئے جوتے
۔ اس سے لے گیا بوتل مسجد کا پیش امام
۔ خیر سے اس نے رکھ لی میری جیبی گھڑی کی عزت
۔ ورنہ جانے کیسے کٹتی اسکی صبح وشام
جب کہ پاپا جان نے وہ جیبی گھڑی
تحفے کے طور پر دے ڈالی تھی فادر گریگوری کو
۔ فادر، یہ انٹھونی تو پاگل ہے
۔ میں کیا اس گھڑی کی لگاؤ نگا دکان
۔ میرے لئے تو بہت ہے محلے کی مسجد کی اذان
کسی صبح اگر مسجد سے فجر کی اذان نہ آتی

پاپا جان چرچ دیر سے پہنچتے
مگر واپسی پر نہیں بھولتے مسجد کا دوار
مؤذن سے کرتے تکرار
مستری کو بلا کر لاؤڈ اسپیکر درست کرواتے
کھڑے ہو کر اذان لگواتے
مائک میں ہوتی کسی طرح کی گڑبڑ
تو پاپا جان کی ہوتی پکڑ
برسوں سے ہو گیا تھا مسجد کا یہ معمول
کیا چرچ کیا مسجد، دونوں جگہ تھے پاپا جان
کسی نہ کسی وجہ سے مقبول

اتوار کے دن، غروبِ آفتاب سے قبل،
چرچ کی سروس کے خاتمے پر
ماما اور ایلین تارا منڈل کے سامنے سے بس پکڑتے
پاپا جان مجھے اکیلا چھوڑ کر ہو جاتے ناوارد
میدان میں منحنی غبارے، بچوں کے غیر محتاط ہاتھوں سے چھوٹ کر
اڑتے چلے جاتے آسمان پر
کبھی گرجا گھر کے اندر
کبھی باہر لان میں
منڈلایا کرتا میرا پیاسا وجود
جوسف جیکب، وہ اسچر سولوئسٹ
مجھے اشارے سے پیانو کے پاس بلاتے

مگر میں بیٹھا رہتا ایک محفوظ دوری پر
پرارتھنا کرنے والے بینچ پر
کبھی جو دکھائی دیتے فادر گریگوری دانیال
مجھے میٹھی نظروں سے تاکتے
ناک میں نسوار کی چٹکی رکھتے
اپنے عفریت نما وجود کے ساتھ
پیچھے ہٹتے چلے جاتے
نیم تاریک سلنگ سے جھولتے
بجلی کے پنکھوں پر
بیٹھے فرشتے پر پھڑاتے پر
جو دن کی روشنی میں
بن جاتے گوریا' مینا اور کبوتر
یکا یک پاپا جان' جیسے خواب کے ٹوٹنے پر
ایک بھیانک حقیقت کی طرح لوٹ آتے
کلکتہ کی بھیڑ میں سرنگ بنا کر
ہم پیدل لوٹتے گھر
پاپا جان کھسک لیتے مجھے ٹرام کی پٹری پر چھوڑ کر
صبح اٹھاتی انہیں مسجد کی اذان
مگر دن کے خاتمے پر وہ ہوتے
اور دیسی شراب کی دکان
چاروں طرف پھیلے ہوتے پنجروں کے جنگل
اور بیضوی آہنی میز پر وہ کھولتے شراب کی بوتل

ماما کو لگاتے ہانک

- میری پیاری ہری سلاد
- ارے کچھ تو ہو کہ بدلے منہ کا سواد
- غریب جان ٹنگری کباب نہیں مانگتا
- نہ ہے فش فنگر کا دعویٰ دار
- ایک انڈے کی ہی قسمت پھوڑ دو
- یا چند آلو کے قتلے ہی سور کی چربی میں چھوڑ دو

ماما ان کے حصے کا کھانا میز پر لگا دیتی

بالکنی کا ناسور بلب جلا دیتی

پاپا جان شراب کا جام بناتے

لانبے لانبے گھونٹ لیتے

روٹی کے ٹکڑے پنجڑوں کے اندر پھینکتے جاتے

- جانے کون سا کیڑا اگاڈ کے دماغ میں کلبلایا
- کہ پاپی جان وجود میں آیا
- میری پیاری ہری سلاد، کچھ دن اور کرلو صبر
- پھر پاپی جان ہوگا اور اسکی قبر
- ٹھیک سے بند کرنا اسکا تابوت
- ورنہ وہ نکل آئے گا بن کے بھوت

ماما پہلے تو دانت پیستی، منہ بناتی

پھر پاپا جان کے سامنے بیٹھ جاتی

- جان ڈیئر، تمہیں مرنے کی ضرورت کیا ہے
- تمہارے مرے بغیر بھی کچھ کم دکھی نہیں ہیں ہم لوگ

- مگر پیاری ایلین کے بارے میں سوچو
- دن دن بھر جانے کہاں غائب ہوتی ہے
- مجھے تو لگتا ہے وہ کسی کے ساتھ سوتی ہے
پاپا جان اپنے لانبے ہاتھ میز پر پھیلا دیتے
- ہلڈی ڈارلنگ، یہ دنیا واقعی ہے بدذات
- دیکھ لینا میں ایک دن یہ شراب چھوڑ دونگا
- کسی دن ایلین کی ٹانگ توڑ دونگا
- مگر میری پیاری،
- اس بات کا خیال رکھنا ہے ضرور
- اسے سنبھال کر رکھنے میں ہوئی کوتاہی
- تو میری کانچ کی گڑیا ہو جائے گی چکنا چور
سنسان دوپہر میں گلی میں اترتا کھیلنے کرکٹ
کہ ایلین دکھائی دیتی پہنے جینس اور شرٹ
زبان نکال کر مجھے چڑھاتی
پرس جھلاتی، جانے کہاں نکل جاتی
مرتبان، وہ پیدائشی بدزبان
میری طرف گیند پھینکتے پھینکتے رک جاتا
گیند پر تھوکتا، اسے پتلون پر رکھ کر گھستا
گرچہ وہ کمپس کا ہوتا
- ماں خصم، پیٹر یار
- ایلین کے بڑھنے کی ہے جو رفتار
- کسی دن ہو جائے گی وہ شہد کا چھتہ

۔ شہد پینے کے لئے تڑپ اٹھے گا سارا کلکتہ
میں مرتبان پر پھینکتا بلا
پاؤں اسکی ٹانگوں کے درمیان چلاتا
وہ ہر بار پٹ جاتا' بھاگتا کرتا ہوا بلا
اپنے زخم پر بینڈج لگاتا
اپنی گندی زبان سے رال ٹپکاتا
میں اداس گھر کی اندھیری سیڑھی چڑھتا
پیٹ بھر کر پانی پیتا' اپنی ڈائری میں لکھتا
۔ میری پیاری ایلین
۔ کر کے بہانہ
۔ پر لگا کر اڑ نہ جانا
اور نیچے تاریخ درج کر دیتا
کہ ڈائری تھی پرانی
ایک دن جب میں اسکول سے لوٹا تھا تھکا ہارا
میں نے بیٹھک میں دیکھا عجب حال
بیٹھے تھے فادر گریگوری دانیال
ساتھ کی کرسی پر تھے دراز
پیانو سولوئسٹ جوسف جیکب
ماما ہلڈا نے مجھے گلے سے لگا کر کیا پیار
۔ پیٹر ڈیئر' یہ بھی خداوند یسوع کا ہے پرم اپہار
۔ کہ فادر خود ہم غریبوں کے گھر کو عزت دیں
۔ منہ ہاتھ دھو کر آؤ

۔ اب یہ کون سے پرائے ہیں
۔ عزت ماب فادر اور رحمدل جیکب تم سے ملنے آئے ہیں
شام بس اترنے ہی والی تھی
پھیل رہا تھا کلکتہ کا المناک کہاسا
فادر نے لیا چائے کا گھونٹ
جیکب کے سر کا سہلایا بال
۔ ڈیئر مسز ایسٹ مین، یہ ہے وہ فرشتہ
۔ چرچ سے جس کا پیار ہے بے مثال
جیکب شرمائے، ایک عجیب روشنی تھی ان کے چہرے پر
پھر انہوں نے اٹھایا اپنے بالوں سے ڈھکا خوبصورت سر
مجھے اپنی گہری نیلی آنکھوں کے گھیرے میں لیا
۔ ایک دن سورج بنے گا یہ چھوٹا سا دیا
۔ میں کیا جانتا ہوں جو اسے سکھا پاؤنگا
۔ اسے کچھ دے پایا تو خود ہی دھنی کہلاؤنگا
۔ میں کیا، کرائسٹ بھی کھول دیتے ہیں اپنے ہدئے کے دوار
۔ دیکھ کر پیٹر کا پیانو سے پیار
ماما کی آنکھوں میں چھلک آئے آنسو
۔ مجھے کیا پتہ تھا پیٹر نکلے گا اتنا خوش نصیب
۔ ورنہ کہاں پیانو اور کہاں ہم غریب
مہمان اٹھنے کو ہوئے کہ وارد ہوئے پاپا جان
ہاتھ میں روائتی بوتل، فادر کو دیکھ کر دانت دئے نکال
۔ ارے واہ کیا خوب، فادر گریگوی دانیال

۔ اور مہان سنگیت وادک جناب جیکب

۔ جس نے پاگل بنا رکھا ہے پیٹر کو

۔ کیا کیا ہستیوں نے زینت بخشا ہے گھر کو

۔ اگر یہی رہا اس گھر کا حال

۔ جان کو رکھنا پڑے گا منہ پر رومال

۔ کیا مزہ دے گا اسے آتشِ سیال

۔ فادر میری آپ سے اتنی ہے التجا

۔ ایک جام آپ حضرات بھی پی لیں

۔ اس شہرِ خبرا کو عزت بخشیں

فادر کے اشارے پر لائے گئے گلاس

سستی شراب سڑاندھ کی طرح بہہ کر گلاس میں اتری

فادر نے اٹھایا جام

۔ معصوم پیٹر کے مستقبل کے نام

۔ چرچ بنانے میں ہم کرتے ہیں نہ جانے کتنا خرچ

۔ مگر میرے پیارے جیکب

۔ میں الہام کا مرتکب تو نہیں

۔ اگر میں کہوں سب سے عظیم ہے انسان کے اندر کا چرچ

صاف ستھری کشادہ سڑک

دونوں اطراف بادام کے پیڑوں کی قطار

ایلین کے ہاتھ تھامے، ہم ٹھہر گئے تھے

فٹ پاتھ پر تھی ایک فلورسٹ کی دکان

ایلین نے ٹھکانے پر نظر ڈالی، سڑک تھی سنسان
۔ مسٹر جیکب یقیناً کافی امیر ہونگے
۔ چھ نمبر پر رہا وہ دو منزلہ بنگلہ
۔ پھولوں سے لدا ہوا ہے جس کا جنگلہ
ہمیں پھاٹک پر دیکھ کر ایک خونخوار کتا دوڑتا آیا
سڑک پار سے کسی بوڑھے نے قہقہہ لگایا
۔ ارے بابا لوگ، یہ پھاٹک تو بند پڑا ہے بیس سال سے
۔ داہنے باجو ہے سیڑھی کا منہ، ادھر مڑ جاؤ
۔ دربان جانے کہاں افیم چاٹ کر اونگھ رہا ہوگا
۔ لیٹر باکس سے پتہ لگاؤ
ہم نے مڑ کر دیکھا، مگر وہ جا چکا تھا
جانے تھا کون
فلورسٹ کی دکان کے شیشے پر روشن تھی دھوپ کی تکون
ہم سنسان سیڑھی پر احتیاط سے رکھ رہے تھے قدم
کہ اوپر لینڈنگ پر مسٹر جیکب کھڑے دکھائی دیے
۔ پیٹر اوپر چلے آؤ
اوپر تھا تین کمروں کا ایک شاندار فلیٹ
بڑے کمرے میں (جس کی کھڑکیاں کھلتی تھیں
فلورسٹ کی دکان کی طرف)
رکھا تھا ایک خوبصورت جرمن کاٹج پیانو
ایلین نے اپنا تعارف کرایا
۔ ایلین واقعی اس کی ضرورت تھی

۔ ورنہ میں کب جان پاتا تم ہو کون؟

۔ مجھے کیا پتہ تھا ایک پری کے جنم داتا ہیں مسٹر جان

ایلین مسکرائی، شرمائی

کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو کر لینے لگی انگڑائی

مسٹر جیکب نے فوراً شروع کر دیا پیانو کا لیشن

۔ تم بالکونی پر جا کر بیٹھو مس ایلین

۔ بوچڑ کلیم حاجی ابھی بھیڑ بکریوں کے ساتھ ہونگے وارد

۔ جو فٹ پاتھ پر گرے بادام کے پتوں کو چٹ کر جائینگی

۔ ہر صبح ہے یہ میرا معمول

۔ اب تو میں کلیم حاجی کے جانوروں کو بھی پہچاننے لگا ہوں

۔ کب کون ہوا غائب جاننے لگا ہوں

کمپنی نے دے رکھا تھا یہ فلیٹ مسٹر جیکب کو کرائے پر

مگر جیکب کے علاوہ سنسان پڑا تھا سارا گھر

ہر صبح فلورسٹ کی دکان کے شیشے پر سورج جگمگاتا

بوچڑ کلیم حاجی دکھائی دیتا

ایلین بیٹھی رہتی بالکونی پر

ٹانگیں ہلاتی رہتیں

جیکب کبھی کبھار مجھے پیانو پر اکیلا چھوڑ دیتے

وہ اور ایلین بالکونی پر بیٹھ کر چائے پیتے

گپیں ہانکتے، فلورسٹ کے شیشے کے اندر جھانکتے

مجھے اچھا لگتا دونوں کا میل

یہ بھی تھا کوئی قدرت کا کھیل

۔ کوالم میں ہوا کرتے تھے فادر زیور جیراج
۔ ہمارا پسندیدہ کونا تھا جن کا گراج
۔ ہم گراج میں بچپن کے خزانے چھپایا کرتے
۔ جنہیں ہم اطراف و جوانب کے جنگلوں سے چرایا کرتے

جوسف اکثر ہوا ٹھتے نسطالجیا کے شکار
ان کے پاپا کہ تھے ریٹائرڈ کرنل
اور شملہ میں سیب کے باغ میں منیجر کا کام کیا برسوں
اور ماما جو پیانو بجانے میں ماہر تھی
دونوں کوالم کے ساحل پر اپنے بنگلے میں تنہا رہتے
ایک پرائیوٹ فارم کے زونل منیجر جوسف جیکب
صاف دل، صاف باطن، صاف گو، با ادب

۔ پیارے پیٹر پیانو کے لئے لازمی ہے
۔ جاننا فرانسیسی یا جرمنی زبان
۔ مگر جو انتہائی ضروری ہیں وہ ہیں دو مضبوط کان
۔ کہ سننا ہے حاصل کرنا نوّے فی صد سے زیادہ
۔ ساتھ ہی مشق، مشق بمعنی اعادہ
۔ چاہے رسمی گھریلو معاملہ ہو یا ہو بڑے پیمانے پر
۔ بڑا لمبا معاملہ ہے آموزگار سے فنکار تک کا سفر

اکثر جیکب کی باتیں سرگوشیوں کی شکل میرے کانوں میں آتیں
مجھے اپنے آپ سے دور لے جاتیں
کیا کیا الفاظ تھے جو بن گئے تھے میری خاموشی کے بدل
اسٹرنگ ،ہیمر ، کی اور پیڈل

بیس نوٹ، لیگاٹو پلیئنگ، ادائگی میں مبالغہ آرائی

آروہی سے ٹپہ اور ٹپہ سے بلند بانگ نغمہ گیری

کریسنڈو، ڈِمی نوئنڈو رلِنٹنڈو، ٹریمالو

۔ آسان ہے پیارے شاگرد رجوع کرنا

۔ لطیے کے ای فلیٹ کنسرٹ کی طرف

۔ یا شی کووَسکی کے بی فلیٹ مائنر کی طرف ہو جانا راغب

۔ مگر بیتھوون کے پیانو کنسرٹ کو جی مائنر میں کرو گریز

میں دھیرے دھیرے کی بورڈ کے جغرافیہ کو سمجھنے لگا تھا

جو مجھے دوسری دنیا کا پتہ دینے لگا تھا

کبھی تند و سرد ہوائیں اور تیز برف باری

کبھی میپل کے رنگین پیڑوں کے نیچے گھڑ سواری

کبھی اونچے ستونوں پر تھا بادلوں والا آسمان

کبھی سمندر کے کنارے سرخ مٹی کا دالان

کبھی دو پہاڑوں کے بیچ نکلتا راستہ

کبھی ایک شہزادی قلعے میں قید دل برداشتہ

۔ پیٹر! پیٹر! دور سے آتی رہتی جیکب کی آواز

اس کی گرفت سے مجھے اڑا لے جاتا اسی کا ساز

کھل گئے تھے اچانک میری آنکھوں کے سامنے

دنیا کے سربستہ راز

آہ، میں پھر کبھی واپس آ نہ سکا

جانے کن آسمانوں میں اڑا لے گیا مجھے میرا پر پرواز

- بیٹی ہلڈا' اگر نہ ہوتا خیال تمہارے پریوار کا
- جان کب کا کام سے نکالا گیا ہوتا
- اس نے چرائی چرچ کی مقدس لالٹین
- اور دے دیا ایک بھکاری کو دان
- جان پر لگام ڈالنا ہو گیا ہے لازمی
- تم ہی اُسے دین کے راستے پر لا سکتی ہو
- اسکے اندر کا فرشتہ جگا سکتی ہو

فادر گریگوری دانیال کی تھی چوڑی چکلی پشت
گرچہ ادھر انہوں نے داڑھی اگالی تھی ایک مشت
پہلے سے بھی زیادہ ہو گئے تھے لحیم شحیم
سارے ناکام ہو گئے تھے ان کے
پاپا کو راہ راست پر لانے کے اسکیم
مگر شام جب پاپا جان وارد ہوتے بوتل کے ساتھ
سارے کلکتہ پر اتر چکی ہوتی غلیظ رات
انہوں نے پرندوں کے بیچ اپنی جگہ سنبھالی
ماما نے رکھی ان کے آگے سپر کی تھالی
پاپا جان غصے میں پھنک رہے تھے

- جان' کیا ضروری ہے کہ ہر کسی کو دو گالی
- مجھے پتہ ہے تمہارا ہر فیصلہ ہوتا ہے
- تمہارے اپنے معنوں میں قطعی جائز
- مگر نیکی کرنے کا یہ دستور کب سے ہوا رائج
- کسی کے گھر کا اندھیرا کرنا ہو دور

۔ تو تم چرالو چرچ کا نور

پاپا جان نے روٹی توڑ کر پنجڑے کے اندر پھینکا

۔ لگتا ہے تمہیں دیا ہے فادر گریگوری نے سینکا

۔ فادر گریگوری کیوں تھے خاموش

۔ جب میں نے کیا سوال

۔ خداوند مسیح سے کچھ چھپا نہیں غریبوں کا حال

۔ پھر وہ ان کے دکھوں کا ازالہ کیوں نہیں کرتا

۔ ان بھوکوں ننگوں کے لئے من وسلویٰ ڈالا کیوں نہیں کرتا

۔ چرچ کے اندر برس رہا ہے آسمانی نور

۔ جب کہ بیچارا اپاہج گجندر رُبھٹیا

۔ ریل کی پٹری کے کنارے ہے جس کی کٹیا

۔ شام ہوتے ہی اسکی آنکھیں ہوجاتی ہیں کافور

۔ اگر انسان کے اندر دل ہے انسان کا

۔ چرچ سے کہیں زیادہ

۔ گجندر بھٹیا کو حق ہے شمع دان کا

تین ماہ کے اندر پاپا نے پھر کی چوری

اس بار اڑالیا انہوں نے

چرچ کا ایک پرانا قالین

اور پارک اسٹریٹ میں نیلام کر ڈالا

پاپا جان نے پورے پریوار کو بدنام کر ڈالا •

چرچ کی تنہائی میں ماما فادر کے قدموں پر گر کر رو پڑی

۔ فادر جان پاگل ہوگیا ہے' اسے کام سے نکال دیں

۔ اگر اس بار بھی دے دی آپ نے اسے رحم کی بھیک
۔ تو ہم سب کہلائینگے اس کے گناہوں کے شریک
فادر نے ماما کو کندھوں سے پکڑ کر اوپر اٹھایا
ان کے گال کی جھریوں سے کیا آنسوؤں کو صاف
۔ بیٹی ہلڈا، مجھے کر دینا معاف
۔ گرچہ جان شرابی ہے، مگر خدا ہے رحیم
۔ مجھ سے تو خود اپنے گناہوں کا بوجھ نہیں سنبھلتا
۔ میں جان کو کیا الزام دے سکتا ہوں
۔ مگر جان نے گرچہ قالین کر ڈالا نیلام
۔ اس نے کیا ہے ایک اور نیک کام
۔ اگر میرے ذمے نہ ہوتا چرچ کا انتظام
۔ میں جان کو دیتا انعام
ان دنوں بڑھ گیا تھا پاپا کا جنون
اور اسکے لئے ہم سب تھے عجیب ڈھنگ سے ممنون
ایک بار وہ سیڑھی سے نیچے لڑھک گئے
دوسری بار وہ دکھائی دئے تو ان کے سر پر تھا زخم
مگر وہ کبھی نہیں کرتے اپنا حال رقم
ماما کی بے چین آنکھوں میں تھی عجیب تھکن
اب تو وہ پاپا جان سے بھی نہیں الجھتی
چپ چاپ جھیلتی رہتی اپنے حصے کا دکھ
ایلین نے میرے ساتھ جانا چھوڑ دیا تھا
جیکب کبھی کبھار لے بیٹھتے اس کا تذکرہ

- پیٹر کیا مجھ سے خفا ہے ایلین؟
- جلد ہی کرسمس آنے والا ہے
- پھر دونگا میں اسے سرپرائز

مگر ایلین کے انجانے دوستوں کا نمبر بڑھ گیا تھا
کہ اس پر ''مس کلکتہ'' کا خبط چڑھ گیا تھا
ایک چینی بار میں وہ گانے لگی تھی ہندی فلمی گیت
اور مرتبان کہ بن گیا تھا میرا میت
اس نے بتایا کہ ایلین سیکھ رہی ہے ناچ

- ماما سے کہہ کر کرالینا جانچ
- جانے ایلین کب کیبرے ڈانس شروع کردے

مگر ماما کی طرف دیکھ کر میں سہم جاتا
ان کے چہرے کی ہڈیاں نکل آئی تھیں
بوڑھی ہوگئی تھی ماما ہلڈا
سیلن بھری دیواروں کی ٹھنڈ اس پر کرتی وار
وہ تھوکتی رہتی گاڑھی دبیز کھکھار
ایک دن ماما دکھائی دیں اشکبار
اسنے بایاں ہاتھ اٹھا کر کیا اشارا
اسکا داہنا ہاتھ وہ اٹھا نہیں پا رہی تھی
ڈاکٹر نے معائنہ کیا' دیا مالش کا تیل
ماما سے کہا سوچنا کم کردے
ٹھنڈک سے رہے دور اور کھائے مقوی غذا

- میڈم ہلڈا ہنسنا شروع کرو' یہی ہے سب سے بڑا علاج

- ہنسی کے عوض یہ ڈاکٹر نہ لے انگلستان کا تاج
بڑے کم عمر اور خوبصورت تھے ڈاکٹر سوکو مارسین
اس پر مر مٹی تھی کمسن ایلین
- ماما' ایسا ڈاکٹر ہو تو آدمی کیوں نہ بیمار پڑ جائے
- ایلین' تیرا منہ سڑ جائے
ماما نے ایلین کو غصے سے دیکھا
- تجھ سے نہیں ہوتا کہ میرے ہاتھ پر مل دے تیل
- بیچارا پیٹر بھول گیا ہے اپنا کھیل
- دو ہفتے ہو گئے پیانو کا کلاس کیے
- اب تو جیکب بھی اسے بھول چکا ہوگا
ایلین منہ بناتی' ناک بسورتی
- اگر اتنی ہی ہے ایلین آنکھ کا کانٹا
- تو اپنے اچھے ہاتھ سے جڑ دو منہ پر چانٹا
سنی ان سنی کر کے بالکنی پر نکل جاتی
جس کے کونے میں ہر دوپہر دھوپ کی قینچی آتی
ماما کو دیکھتے ہی کبوتر بھیڑ لگاتے
بیٹ کرتے' غٹرغوں کے موتی لٹائے
- پیارے جان جانے کیا ہونے والا ہے
- ہمارا تو سارا مستقبل ہی کالا ہے
- اب تو میرے خواب بھی ہو گئے ہیں ڈراؤنے
- مجھے گرفت میں تھام لیتے ہیں اجنبی بونے
- جانے کس سمت لے جاتے ہیں

- میں کیوں چل پڑتی ہوں سر کو جھکائے
- کوئی میرے خوابوں سے میرا پیچھا چھڑائے
پاپا جان ماما کے جسم کو لپٹاتے
چومتے ان کا مفلوج ہاتھ' اٹھا کر سینے سے لگاتے
- ہلڈی ڈیئر' انسان میں کب ہے خرابی
- ہم تو بس کھلونے ہیں' ہے کسی اور کے پاس چابی
- ہر دور میں ظلم ڈھایا گیا ہے غریب پر
- ہم بھی اٹھائے گئے ہیں نادیدہ صلیب پر
- ایلین کی اپنی ہے زندگی' اپنا ہے خواب
- ہم کیوں اس پر حاوی ہونے کی سوچیں
- ہر کسی کو دینا ہے گاڈ کو اپنا جواب
- اسے کرنے دو اپنے مستقبل کا انتخاب
ممّی پاپا کے پیچھے پیچھے بالکنی تک نکل آتی
اپنے اچھے ہاتھ پنجڑوں کے اندر لے جاتی
آنسو اس کے گالوں پر جاری ہو جاتا
پرندے اسکی کانپتی انگلیوں کے نیچے
اپنے معصوم پر پھڑ پھڑاتے
فرش پر بیٹ کی دائمی لکیروں کے بیچ
کھڑے ہو جاتے پاپا جان
ممّی کا ہاتھ سر سے اوپر اٹھا کر لیتے تھام
سیٹی بجا کر رقص کرنے لگتے
جھک کر ممّی کے ہونٹوں کو چومتے

اس کے سامنے لٹو کی طرح گھومتے
۔ ہلڈی ڈیئر
۔ دیکھ کراو پروالے پر
۔ تمہارا وسواس اٹوٹ
۔ یہ پاپی جان مارتا ہے سیلوٹ
۔ سکھ سب کا پیدائشی حق ہے کیا امیر کیا غریب
۔ اسی سورج کے نیچے
۔ انہیں آسمانوں کے تلے
۔ ایک دن کھلے گا ہمارا بھی نصیب
قریب آنے لگا تھا کرسمس کا تہوار
سجانے لگے تھے اپنی دکانیں اوران کے دریچے
نیو مارکیٹ کے دکاندار
مگراب تو یہ بن گیا تھا گویا ایک لطیفہ
۔ انگریز تو چلے گئے انگلستان
۔ چھوڑ گئے اپنے غریب سنتان
۔ نہ کوئی سبسڈی نہ وظیفہ
۔ انگلوانڈین تو سارے آسٹریلیا سدھارے
۔ بھلا سانتا کلاؤس اب کیا کلکتہ پدھارے
۔ ہم تو لٹکاتے ہیں یوں ہی بس گھنٹیاں اور تارے
مگر کلکتہ کی راتوں سے
پوری طرح سے غائب نہ ہوئی تھیں کیرل کی دھنیں
لاریوں میں لدے پھندے

بے ہنگم گٹار، اکارڈین اور ڈھولک کے ساتھ
کرسمس کے قافلے نکلتے آدھی رات
کیک کا بازار ہو گیا تھا گرم
مرکزی کلکتہ نے گویا تسلیم کر لیا تھا مسیحی دھرم
گرجوں کی راتیں آباد ہونے لگی تھیں
مسلم محلوں کے غریب اور مسکین
مشنری اسکول اور گرجا گھروں کے باہر
لگانے لگے تھے قطار
کھپریل کے مکانوں میں آنے لگے تھے
نادر کپڑے اور ٹائی
مکھن، جیلی، دودھ اور مٹھائی
ایک فقیر نے لکھا خط اپنا گاؤں
۔ کاش ہماری مسجدوں کے اندر ہوتا گرجا گھر
۔ ہمیں ملتی رہتی روٹی اور مکھن بھر پیٹ
۔ جاڑے سے قبل
۔ مہربان ہاتھ ہمیں دیتے کمبلوں سے لپیٹ
کرسمس کے ایک دن قبل
گرچہ تھا دسمبر کا مہینہ
مگر جانے کہاں سے آسمان پر ہو گئے تھے نازل
مہیب بادل
جو دیکھتے دیکھتے تیزی سے برسنے لگے
ٹھنڈی بارش اور ٹھنڈی ہوا کی لہر چل پڑی

اس شہر میں موسم کا رویہ بھی کتنی جلد بدلتا ہے

ماما اور میں بالکنی میں سہمے سہمے کھڑے

محلے کے گلی کوچوں کو غرقاب ہوتے دیکھ رہے تھے

دو چار موٹر سائکلیں کھڑی تھیں جہاں تہاں

ان کے پہیے آدھے پانی میں ڈوب چکے تھے

دن کے بارہ بجے پھیل گیا تھا آدھی رات کا اندھیرا

جیسے سورج اٹھا چکا ہو اپنا ڈیرا

ہمیں ایلین دکھائی دی بارش میں شرابور

ہاتھ میں ہاتھ دئے چل رہے تھے مسٹر جیکب

وہ اس طرح جھانک رہے تھے ایلین کی آنکھوں میں

جیسے بارش ان دونوں کے علاوہ کسی اور پر برس رہی ہو

عمارت کے اندر آئے انہیں زمانہ ہو گیا

مجھ سے رہا نہ گیا

میں نے چوبی زینے پر رکھا تھا پاؤں

کہ دکھائی دئے دونوں

ایک لمبے بوسے کی حلاوت میں غرق

میں نے گردن بڑھا کر کہا ''میاؤں!''

ایلین نے مجھے دیکھ کر ہاتھ ہلا کر کیا اشارا

مسٹر جیکب نے بھی سر جھکا کر میرا استقبال کیا

میں جب واپس بالکنی میں آیا

ممی مسٹر جیکب کے لئے ٹرنک سے نکال چکی تھی

نیا تولیہ

ایلین اپنے کمرے کی طرف بھاگی

بستر پر گر پڑی منہ کے بل

اس نے چادر کا کونہ منہ میں ٹھونس لیا

اس کا گورا چہرہ ہو گیا تھا سرخ ٹماٹر

۔ ایلین ڈیئر

۔ تو تم نے نکال ہی لئے پر

ایلین چادر کو چھوڑ کر ہوئی میری طرف مائل

کیا میرے سینے پر گیلا مُکا رسید

۔ پیٹر تمہارا تجسس ہے قابل دید

۔ مسٹر جیکب تو اُڑ رہے ہیں آسمان پر

۔ اس میں میرا کیا دوش

۔ اس طرح کے پیار سے خوش ہو سکتی ہے

۔ کوئی خانہ بدوش

چڑیاں پنجروں میں بیٹھی تھیں اداس

بالکنی کے کونے میں پڑی تھی کچھ گھاس

تھا خرگوش کے پیشاب کا تیزابی نشان

مسٹر جیکب ایک کرسی پر تھے براجمان

ماما نے میز پر تازہ کیک سجایا تھا

جسے انہوں نے کسی بھوکے کی طرح کھایا تھا

۔ پیٹر، پاپا کی الماری میں ہے برانڈی کی بوتل

۔ شاید مسٹر جیکب کو پسند آئے سواد

یکا یک پڑوس کی عمارتوں کے دریچے ہوئے بیدار

میوزک سسٹم پر جاگ اٹھا ایرک کلپٹن کا گٹار
شیر منہ پر بیٹھا اکلوتا کبوتر
اڑ گیا پر پھڑ پھڑا کر
بارش جانے کب رک گئی تھی
گاڈ المائٹی ہو گئے مہربان
روشن ہونے لگا کلکتہ کا آسمان
اور جب کہ اس کی امید ہو چکی تھی زائل
سورج چمک اٹھا، پھیل گئی پیلی دھوپ
گیلی چھتوں اور دیواروں کا نکھر گیا روپ
ماما نے لی ٹھنڈی سانس اور مسکرا پڑی
۔ مسٹر جیکب ذرا دیکھئے گھڑی
۔ کرسمس کا موسم اور شہر کا یہ حال
۔ گلی کوچے پانی میں غرق
۔ عمارتیں نڈھال
۔ ہم کالے کلوٹے عیسائی کیا کریں ڈیئر
۔ ہم سے تو بھلے لاپ لینڈ کے رینڈیئر
مسٹر جیکب نے سوگر مین کے پنجرے کو گھمایا گول
۔ مسز ایسٹمین، سہانے ہوتے ہیں دور کے ڈھول
۔ ہم یہاں سردی اور برف کا دیکھتے ہیں خواب
۔ یورپ کے لوگ دھوپ کے لئے رہتے ہیں بیتاب
۔ لازمی ہے زندگی میں دولت اور دھن
۔ مگر سب سے بہتر وہ ہے

۔ جو ہوتا ہے اندر سے روشن

۔ مسز ایسٹ مین

۔ زندگی ہے ہر خاص و عام کا

۔ اور ایک سی دنیا ہے

۔ چاہے نیروبی ہو، قاہرہ یا برازیل

۔ لاپ لینڈ، کناڈا یا الاسکا

۔ کرسمس کے بعد میں نے لی ہے ہفتہ بھر کی چھٹی

۔ کوالم جا کر ماما سے مل کر آنا ہے

۔ اگر آپ اجازت دیں تو ساتھ چلیں ایلین اور پیٹر

۔ میں تو دونوں جگہوں کو سمجھتا ہوں اپنا گھر

ماما کی آنکھوں میں نکل آئے

ممنونیت کے آنسو، جس سے وہ خود شرمندہ تھی

۔جیکب ڈیئر، یسوع تمہاری حفاظت کرے

۔ مگر جان سے لازمی ہے اسکا تذکرہ

۔ ایلین کو دل و جان سے چاہتا ہے وہ

۔ جانے کیا سوچ بیٹھے وہ سر پھرا

دھوپ ہو گئی تھی تیز تر

گلی میں پانی گیا تھا ٹھہر

لوگ باگ گھٹنوں تک غرق آ جا رہے تھے

بچے کاغذ کی کشتیاں بہا رہے تھے

یکا یک ہوا زور کا دھماکہ

کسی نے چھوڑ دیا تھا پانی کے اندر پٹاخہ

ساکت پانی میں آ گیا بھونچال
دکھائی پڑی کندھوں تک غرق کتوں کی قطار
ایک عجیب الخلقت سلیج پر سانتا کلاؤس سوار
پیٹھ پر تھیلی لادے
گندے دانت نکالے مسکرا رہے تھے
بچے پانی میں اچھلتے کودتے تحفوں کے لئے جا رہے تھے
سارا محلہ گویا اس ایک مرکز کی طرف رواں تھا
کھڑکیوں اور بالکنیوں میں
چہروں کی لگ گئی تھی بھیڑ
سب سے سامنے کے کتے کی ناک تھی لال
شاید آئل پینٹ سے
رودولف کا بنایا گیا تھا خط و خال
سانتا کلاؤس کے سرخ چغے پر تھی
سفید پائپنگ
ہاتھ میں پتلی چھڑی
جس سے وہ بدمعاش بچوں کو کر رہے تھے کنٹرول
اچانک سانتا کلاؤس نے اٹھایا سر
ہماری بالکنی پر ڈالی نظر
پھیل گیا ایک مانوس قہقہہ
۔ ہیلو مسز ایسٹ مین!
۔ ہیلو پیٹر، ہیلو ایلین!
۔ ہیلو بٹر، ہیلو سوگر مین!

۔ تحفوں کے ساتھ سانتا کلاؤس پدھارے ہیں

۔ ذرا دیکھو میرے رینڈ ئیر

۔ میرا رودولف، میرا ڈونز، میرا ولسن

۔ ان کے جسموں کی خارش

۔ چرچ کی شمعوں کی طرح ہے روشن

۔ بچو، اگر ہے سانتا سے چابک کھانا

۔ تبھی اس کے نزدیک آنا

ماما تجسّس سے بالکنی پر آدھی جھک آئی تھی

اس کی آنکھوں میں ایک روشنی جگمگائی تھی

جیسے اس کے سامنے سے ہٹ گیا ہو اندھیرا

جیسے جاگ اٹھا ہو روشن سویرا

پاپا جان نقلی داڑھی سنبھال رہے تھے

بچوں کو سلیج میں بٹھا رہے تھے

بچے تحفے لے رہے تھے، چھڑی کھا رہے تھے

اپنے ٹوٹے پھوٹے دانتوں سے کھلکھلا رہے تھے

ایک بالکنی پر زاغ رُو بوڑھا تا جندر

اس نے نکالی بانسری، ماری پھونک

لوگ باگ کیرل گانے لگے

کچھ خوش لباس لڑکیاں اتریں پانی میں

''رینڈ ئیرس'' کو کیک اور سبزی کھلانے لگیں

ان کے اٹھے ہوئے کانوں کو سہلانے لگیں

بڑی ہی سج رہی تھی پاپا جان پر نقلی توند

سلیج دراصل تھی وہ گاڑی

جس پر بھکاری اکرم کباڑی

بیٹھا بھیک مانگا کرتا

یہ کرشمہ کم نہ تھا

اتنے کتے کس سکون اور ادب سے نبھا رہے تھے

رینڈ ئیر کا رول

جب ہو گیا تقسیم آخری تحفہ

گاڑی' گڑیا' دوربین' ہیئر بینڈ'

گھوڑا' ٹیڈی بیئر' سیب اور انڈا رول

تو پاپا جان نکال کر بجانے لگے ڈھول

لڑکیاں ایک دائرے میں کرنے لگیں رقص

ان میں ایلین بھی ہو چکی تھی شامل

کیمروں سے تصویریں لی جا رہی تھیں

بھرے مجمع میں ایک نو بیاہتا جوڑا لینے لگا بوسہ

رنگین کاغذوں کے جھالر پانی پر گرنے لگے

نیلی کاغذی گھنٹیاں' ننھی گیند اور غبارے

ہر رنگ کے ہر قیاس کے تارے

یکا یک سانتا کلاوس نے پھٹکا چابک

''رینڈ ئیر'' چل پڑے

گندے پانی میں جاگ اٹھے ان گنت بھنور

اٹھا بھونچال

سلیج کی گھنٹیاں بج اٹھیں

سانتا نے بوسہ دیا ماما کی طرف اچھال

- میری پیاری ہری سلاد
- جان نے کیا نہیں آج کا دن برباد
- گڈ بائی ڈیئر، جب میں چلا فن لینڈ سے
- میری تھیلی کے اندر تحفوں کی مسکراہٹ تھی طاری
- اب میں لوٹ رہا ہوں
- تو یہ بوجھ سے ہو رہی ہے بھاری
- لے جا رہا ہوں میں بچوں کے آنسو ان کا بھوکا پیٹ
- ان کا ننگا پن، ان کا سیاہ کل
- گڈ بائی پیٹر، گڈ بائی ایلین
- گڈ بائی بٹر، گڈ بائی سوگرمین
- گڈ بائی مسز ایسٹ مین
- گڈ بائی ٹو آل گڈ بائی ٹو آل

ریت کے فلس دار سینے پر
موجیں جھاگ کی لکیریں کھینچ رہی تھیں
کوالم کے ساحل پر
سمندر کے نیلے پن سے دور
میں، مسٹر جیکب اور ایلین سے الگ چل رہا تھا
ریت سے صدفیے کی کھپڑیاں چن رہا تھا
موج واپس لوٹتے وقت چھوڑ جاتی
گیلی ریت پر

پھول مونگے، گھونگھوں کی کھال
کیکڑا، سمندری جھاڑ، جل کھور اور تیل کے نشان
میری آنکھوں کے سامنے ابل رہا تھا عرب ساگر
کاش میں بھی بحری زندگی اختیار کر پاتا
تیرتے لنگروں کے بیچ اپنی دنیا بساتا
کیبن کے اندر اپنے سفری تھیلے میں
منشیات کے سامان چھپاتا
جانے کب میں تھم گیا
اپنی جگہ بے تکے طور پر جم گیا
میرے تصور میں ابل پڑے
تیز خرام خرس البحر
سمندری سطح پر نغمہ زن عروسۂ بحر
موش دریائی، بحری بگلا، خاردار بحری کوا
مہمیز سنبھالے قرمزی مچھلیاں
وہ اساطیری اہمیت کے حامل بحری عفریت
پانی خارج کرتی سمندری لقیہ
میں نے اٹھائی جو اپنی نظر
دونوں کو ہم آغوش پایا
ٹخنوں تک مست خرام موجوں میں غرق
بوسہ اتنا طویل کہ پھیلا گیا تا بہ افق
تری وندرم میں پھولی تھی ہماری تیسری شفق
یہاں ہر طرف ہریالی ہی ہریالی تھی

ممّی مارگریٹا اور پاپا جیکب
ناریل کے پیڑوں سے گھرے ایک بنگلے میں رہتے تھے
سمندری مچھلیوں کے شوقین سینئر جیکب
غروب آفتاب کے بعد ہی بوتل سے لگا لیتے لب
ممّی مارگریٹا کہ پیانو میں تھی ماہر
رات کے سناٹے کو پیانو کی آوز سے کرتی ہم آہنگ
یہ دنیا بھی تھی عجیب
کہاں بحرِ عرب کے کنارے پھیلی یہ دنیا
کہاں کالکھ زدہ کلکتہ وہ غریب
ہمارے پھیپھڑے کہ تازی ہوا کے عادی نہ تھے
اور مقامی نوکر اپنی زبان میں جانے کیا کہتے تھے
ممّی مارگریٹا نے ایلین کے بالوں کا بدل دیا تھا نقشہ
اور اسکے لئے خود سی رہی تھی ایک نیا فراک رنگِ بنفشہ
پاپا جیکب نیکر اور بنیان پہنے
آنکھوں پر قیمتی تاریک عینک چپکائے
گاڑی میں سیر کو نکل پڑتے
- ڈیئر پاپا مقامی لوگوں میں خوب گھل مل گئے ہیں
- میرا خیال ہے اگلے کچھ سالوں میں
- اتنے ہو جائینگے مقبول
- کہ خود کو قانون ساز اسمبلی میں پائینگے
- شراب پر لگی اچھی بری پابندیاں ہٹوائینگے
- اور سمندری مچھلیوں کی برآمد پر ہر طرح کا بین لگا دینگے

میں ساحل چھوڑ کر نیم جنگل میں در آیا
یہاں ریتیلی مٹی پر تھا گیلا سایہ
ایک پتھر پر بیٹھ کر میں نے سر کو کندھوں سے نیچے جھکایا
ریت پر سوکھی لکڑی سے لکیریں کھینچنے لگا
مگر کچھ دیر کے بعد جب مجھے آیا ہوش
تو مجھے ہوئی حیرانی
لاشعوری طور پر میں نے ریتیلی مٹی پر
کھینچ دی تھی ایک فحش تصویر
میں لکڑی پھینک اٹھ کھڑا ہوا' ساحل پر نکل آیا
ابلتے سمندر پر نیچا نیچا اڑ رہا تھا ایک عقاب
موجیں ساحل پر کھا رہی تھیں پیچ و تاب
شام کے سائے مشرق و مغرب تک کھنچ رہے تھے
ہم تینوں ہاتھ میں ہاتھ دئے لوٹے گھر
ممّی مارگریٹا نے استقبال کیا دروازے پر
۔ خوب ہو چکی ساحل کی سیر
۔ کیوں نہ گاؤں کے چرچ کا درشن کر لیں
۔ تھوڑی سی پاک خوشی دامن میں بھر لیں
فیاٹ، کار بنگلے کے پھاٹک سے چل پڑی
بل کھاتی سڑک
ناریل کے بے شمار و لگاتار خمیدہ پیڑ
تاریک و روشن آسمان
میں نے سرگوشی کے لئے چنا ایلین کا کان

۔ سسٹر میں نے دیکھ لیا ہے تمہارے پر

ایلین نے منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی روکی' دیدہ گھمایا

۔ تم تو نرے پاگل ہو مسٹر

۔ دیکھتے رہتے ہو خواب

۔ واپس کلکتہ لوٹ کر میں دونگی جواب

ناریل کے پیڑوں کے جھنڈ میں

سرخ ٹائل کے چھپر والا چرچ

جس میں چھت گیری سے لٹک رہے تھے پیٹرومیکس

ایک کتا جانے کہاں سے نکل آیا

ممّی مارگریٹا کے قدموں پر لوٹنے لگا

ممّی نے اسکے لئے ڈرائیور کو بسکٹ نکالنے کا حکم دیا

چرچ سے باہر آئے ایک منکسر المزاج پادری

انہوں نے جیکب کی پیشانی کو چوما

ایلین کو معنی خیز نظروں سے دیکھا

ممّی مارگریٹا کی نگاہوں سے عیاں تھا ایک راز

۔ پیارے ایلین' فادر سے ہم لوگوں کی ہے پرانی پہچان

۔ ہمارے گھر کے سارے اہم فیصلے

۔ فادر نکولس کے اختیار میں ہیں

جانے اس خوابناک ماحول میں تھی کیا بات

ایلین کے آنسو نکل آئے

ہم جب واپس لوٹے

آسماں میں تھے کہکشاں کے سائے

یہ بھی درد کی ایک عجیب داستان ہے

وہی گرتا ہے، جو مہان ہے

ہوا آنکھوں تک نیند لاتی ہے

مگر وہی برف کی سوئیوں سے انہیں جگاتی ہے

ایک پل کے لئے سب کچھ لگتا ہے ممکن

جیسے ہم موجوں پر کر سکتے ہیں حکمرانی

جیسے ساحل کی ریت پر

جھاگ کی چھوڑی ہوئی لکیروں کو

دے سکتے ہیں معافی

جیسے ناریل کے پیڑوں سے ہم بھوت اتار سکتے ہیں

جیسے ان کے باریک بالوں کو سنوار سکتے ہیں

ڈیئر ایلین، اگر ہوتا میں خدا

تمہیں ریت کے گھروندوں میں نہ سجاتا

رات ایلین جانے کب جیکب کے کمرے میں چلی گئی

میں نے جب خود کو تنہا پایا

کھڑکی سے جھانکتے آسمان پر مسکرایا

آج تارے کتنی شدت سے تھے روشن

ساتھ ہی باغ کے کونوں میں منڈلا رہا تھا جگنوؤں کا غول

صبح میں جاگا تو ایلین مجھ سے لپٹی سو رہی تھی

مگر یہ کیا

یہ ایلین تو تھی کوئی اور

کتنی تھکی سہمی اداس اور کمزور

میں نے اسے جھنجھوڑ کر جگایا

- ایلین اٹھو، میرا دل دھڑک رہا ہے
- جانے ماما کیسی ہونگی
- میرے خدا یہ ہم لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں
- وقعی پیٹر، میرے پیارے پیٹر
- ہم یہاں کے نہیں، نہ ہو سکتے ہیں یہاں کے
- کس کو اتنی غرض کہ ہمارے آتما کے اندر جھانکے
- یہاں کی روشنی ہے اس قدر تیز
- ہماری مفلس آنکھوں کی بجھ جائے نہ جیوتی
- دکھ کے ساگر میں ہی دے سکتی ہے
- ہماری صدف موتی
- ہمارا دل کلکتہ کے لئے ہو رہا ہے بے چین
- مسٹر جیکب سے اجازت لے لو ڈیئر ایلین

فادر نکولس تھے ڈنر ٹیبل پر مہمان
ممی مارگریٹا کی کھلی آنکھوں میں آنسو کے نشان
جیکب شرمندہ اداس بیٹھے تھے
بال بکھرے ہوئے، آنکھیں سرخ، ہونٹ بے جان

- فادر میں نے کیا ہے اس گناہ کا ارتکاب
- مگر ایلین کا ہے سیدھا جواب
- وہ پیٹر کے ساتھ واپس لوٹنا چاہتی ہے کلکتہ
- اسے جانے کس چیز کی کوئی بھی پرواہ نہیں

فادر نکولس نے لی ٹھنڈی سانس

- کیا میں ایلین سے اکیلا مل سکتا ہوں
- مگر مجھے لگتا ہے انتخاب کے لئے
- کچھ بھی نہیں میرے پاس

ممی مارگریٹا اور جوسف باہر جا چکے تھے
جب ایلین کمرے میں آئی
ممی مارگریٹا کے لباس میں کھل اٹھی تھی
اس کی نو دریافت رعنائی
فادر نکولس مسکرائے، سر پر رکھا ہاتھ:

- زندگی کے سفر میں
- ایلین ڈیئر، تمہیں دینا پڑے گا جوسف کا ساتھ
- جیکب پریوار ایک غیر معمولی پریوار ہے
- اور جوسف اسی گلشن کی بہار ہے
- اگر تم نے دیا نہیں ساتھ
- تو جوسف مرجھا جائے گا
- دب جائے گا اپنے گناہ کے بوجھ تلے

ایلین نے حیرت سے فادر نکولس کو دیکھا
دونوں ہتھیلیاں ٹیبل پر رکھیں
کندھے اچکائے

- فادر، آپ کی سوچ نہیں ہے ٹھیک
- جوسف نہیں کسی گناہ کا شریک
- مگر میں نہیں رکھتی ایسے تعلق میں یقین

۔ جس سے آدمی دو سے بن جائے تین

۔ مجھے گناہ وثواب کے جھمیلے سے نہیں گذرنا ہے

۔ مجھے کلکتہ لوٹ کر کچھ اور کرنا ہے

۔ وہی یہ سب بکھیڑا پالے

۔ جسے بچے جن کر مرنا ہے

منہ پھٹ ایلین کی طرف پیٹھ پھیر کر

فادر نکولس نے لی ٹھنڈی سانس

کھانا خاموشی سے کھایا گیا

میں اور ایلین آخری بار ساحل کی سیر کو نکل گئے

ایلین بال کھول کر ریت پر چلنے لگی ننگے پیر

۔ عجیب ہے لوگوں کی سوچ، میرے خدا خیر

۔ ہمارے پادری جانے کب تک دیکھتے رہینگے

۔ جسموں کی ناپاکی سے انسانی تعلقات

۔ کتنا فرسودہ ہے ان کے گناہ کا تصور

۔ ان کی نظر میں تو انسان کا ہونا ہی ہے پاپ

۔ جیسے ہنٹر والی نادرہ ہو آسمانی باپ

میں کہ گیلی ریت پر جھاگ کے نشان پر کھڑا تھا

۔ ایلین جانے کیوں ہے اس سمندر کا وجود

۔ کیوں ابلتا رہتا ہے یہ بے سود

۔ پھر بھی ہم اسے اپنانا چاہتے ہیں

۔ اس کی رفتار سے بھی زیادہ تیز جانا چاہتے ہیں

۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ خود کو کر دیں موجوں کے حوالے

۔ وقت شاید ہمیں خود پار لے جائے
۔ یا تو ہمیں کردے ہمکنار ساحل سے
۔ یا کسی چٹان سے اپنی نیا ٹکرائے
ایلین نے مجھے لگایا کچوکے
۔ بھلے آدمی تم جاگ تو رہے ہو
۔ کہ کھڑے کھڑے سو رہے ہو
۔ خدا کا شکر ہے کہ رات کی گاڑی سے ہم چل پڑینگے
۔ ورنہ کون جانے
۔ کسی دن چلتے چلتے ہم سمندر میں کھو جائینگے
۔ کسی جل پری کی گود میں سو جائینگے

چمک اٹھا کلکتہ کے کنارے ہاوڑا پل
جیسے کرنوں کا جال
اس کے اوپر اڑ رہے تھے چیل اور کوّے
نیچے راہگیر، گاڑیاں اور جانور
مچھر، کھٹمل اور مکڑوں کی مثال
صبح کی فضا پہ ٹنگا تھا وہی غلیظ کہاسا
کہ ایک پل میں داغدار نظر آئے سفید بتاشہ
سڑک کے بیچ ٹرام اپنی پٹریوں پر دوڑ رہی تھی
ہمارے تھکے ماندے جسموں کو جھنجھوڑ رہی تھی
اندر آیا ایک انگور فروش
۔ مادام! اگر آپ کرلیں دو چار نوش

- میرا دن اچھا گذرے' ڈالا ہو جائے خالی

ایلین کھلکھلا کر ہنس پڑی

- یہ اپنا شہر بھی ہے موالی

اس نے ایک خوشہ چنا

رس دار موتی ہمارے دانتوں بیچ ٹوٹنے لگے

رس کے پھوارے منہ کے اندر چھوٹنے لگے

ٹرام سے اتر پڑے ہم کھاتے ہوئے انگور

کہ ایلیٹ روڈ پر دکھائی دئے چچا شکور

وہ عجیب ڈھنگ سے بنا ڈالتے اردو انگریزی کا مکسچر

مگر تھے کڑک دربان لاریٹو کے دروازے پر

ہمیں دیکھتے ہی ہماری طرف لپکے

- اللہ کا تھینکس کہ بچہ لوگ آ گئے

- ایلین' پیٹر' تم دونوں کو اسکا نہیں نالج

- مگر ہیپلس ہلڈا پر پڑ گیا ہے فالج

- جلدی سے ماروران کرائسٹ کا لگاؤ مسکہ

- یہ پرابلم اب نہیں انسان کے بس کا

اپنی تھیلیاں سنبھالے ہم گرتے پڑتے

اپنی عمارت میں لوٹے

یہاں تو ساری دنیا ہی بدل چکی تھی

پاپا تھے غائب

ماما پڑوس کی آنٹی ڈائنا کی تحویل میں تھی

بستر پر ماما دراز تھی سرتاپا مفلوج

صرف آنکھوں میں ابل رہی تھی ایک بے چین موج
ماما سے میں لپٹ گیا' کونے میں ایلین کھڑی رہی
ماما کے بستر سے آ رہی تھی ایک باسی مہک
رکھا تھا پلنگ کے نیچے دست کا مرتبان
پاپا واپس لوٹے (کتنے دبلے اور اجنبی دکھائی دے رہے تھے)
۔ پیٹر' تم بالکل نہ کرو وری
۔ ڈیئر ہلڈا کا علاج جاری ہے
۔ مام اس سے بھی بڑے بڑے حادثے جھیل چکی ہے
۔ یہ تو کچھ بھی نہیں اسکے بائیں ہاتھ کا کھیل
مجھے کیا پتہ تھا پاپا جان کی جا چکی تھی نوکری
انہوں نے چرائے تھے چرچ سے شمع دان
قیمتی قالین، چینی مٹی کے فرشتے' ظروف
اور دوسرے سامان
جنہیں پارک اسٹریٹ میں چڑھا دیا تھا نیلام
سانتا کلاؤس بن کر بانٹے تھے تحفے' ہوئے تھے بدنام
انہوں نے بونے انتھونی انکل کے ساتھ
سرکس کی نوکری کر لی تھی
بن گئے تھے جوکر بنام ہیلیم
ہیلیم اور انتھونی کی جوڑی ہو رہی تھی مقبول
مگر ماما کی بیماری سے پاپا ہل گئے تھے
شاید انہیں لگانا پڑتا ہوگا
چہرے پر کچھ زیادہ ہی رنگ

جانے کس طرح وہ لوگوں کو ہنساتے ہونگے

جانے اپنے آنسو کیسے چھپاتے ہونگے

ماما کے فالج نے کھینچی لمبی معیاد

ایلین اپنی عجیب وغریب دنیا میں ہورہی تھی برباد

کبھی کبھی ساری رات گزر جاتی، جب لوٹتی

نشے میں مدہوش، جسم چور

میں پیانو سے ہوگیا تھا دور

جانے کس نے کہا تھا ایلین ہوگئی ہے کیبرے ڈانسر

یا اسکے بدن کا استحصال

کررہے تھے بنگالی تھیٹر

اس کا کمرا بھرنے لگا تھا

میک اپ کے ضروری اور غیر ضروری سامان

اور کپڑوں اور جوتوں سے

میں بے مصرف، آوارہ، خالی اور بیکار

میرا دوست، وہ شہر خبر امرتبان نانہجار

مجھے ساتھ لے جانے لگا تھا پارک اسٹریٹ کا قبرستان

۔ ابے سالے پیٹر، یہ دنیا ہے کیا

۔ ذرا چلا کر تو دیکھ، بالکل کھوٹا سکہ

۔ کیوں نہ اس کی ایسی کی تیسی کردیں

۔ دو چار کوڑا دان اسکے مقعد میں بھردیں

ان دنوں بڑھنے لگی تھی مرتبان کی نشہ خوری

گرد کا خرچ اٹھانے کے لئے

اس نے شروع کر دی تھی چھوٹی موٹی چوری
قبرستان کے سائے دار سناٹے میں
گمنام قبروں کے مابین
جھاڑیوں اور شکستہ دیواروں کی آڑ میں چلتا تھا
منشیات کا ناجائز دھندا، بیچی جاتی تسکین
ایک جگہ قبرستان کی چہار دیواری کی اینٹ نکال کر
کر دیا گیا تھا بیضوی سوراخ
جس سے در آتیں جسم فروش لڑکیاں
گاہکوں کے ساتھ
چور چوری کے سامان کھوکھلی قبروں میں چھپاتے
ہم جنسیت کے شکار
نیم روشن اور دبیز گھاس کا فائدہ اٹھاتے
مگر ہم دونوں زیادہ تر اکیلے اور اداس
قبرستان کی ابدی خاموشی میں
چباتے گھاس
کہ ایک دن، رات کے تیسرے پہر
ایک پولس ہمارے دروازے پر آدھمکی
پاپا آدھی نیند سے اٹھ کر، نشیلے قدموں سے
چل پڑے پولس کے ہمراہ
پو پھٹے واپس لوٹے ایلین کے ساتھ
اس نے ایک بار میں گیت گانا شروع کر دیا تھا
واپس لوٹ رہی تھی آدھی رات

کہ چند شرابیوں کے نرغے میں آ گئی

پولس نے سبھوں کو ایک سنسان گلی سے کیا تھا برآمد

ایلین سر جھکائے اپنے کمرے میں لوٹ گئی

پاپا ممّی کے پاپتا نے کھڑے انہیں دیکھا کئے

جانے کب سورج نکلا' چڑیاں ٹیرس میں گا اٹھیں

ایک ٹیکسی کا ہمارے پھاٹک پر بجا ہارن

اترے ایک گورے چٹے عمر دراز اینگلو انڈین

- جان' ہلڈا' پیٹر' ایلین

- اٹھو بستر سے' صبح ہو گئی' جاگو

یہ تھے انکل سانتیاگو

ایلین کے ہم شکل' ایلین کی آنکھیں

مگر جانے کیوں ایلین انکے سائے سے بھاگتی

ماما کے فالج کی خبر سے ہو کر بے چین

آسٹریلیا سے آیا تھا یہ اینگلو انڈین

انہیں دیکھ کر ماما کے چہرے پر

آئی ایک مسکراہٹ

کہ کمرے میں ہوئی آہٹ

پاپا جان کمرے سے باہر چلے گئے

بوتل جیب سے نکالی

بچی کچھی شراب حلق کے اندر ڈالی

- پیٹر' مسٹر سانتیاگو کے لئے بناؤ کافی

- میں جا رہا ہوں اپنی ریہرسل پر

۔ مجھے پوچھیں تو مانگ لینا معافی

مگر مسٹر سانتیا گو کے آنے کے ایک گھنٹہ کے اندر

ایک ایمبولنس آ کھڑی ہوئی دروازے پر

ماما لے جائی گئی تھیٹر روڈ کی طرف

بیل وو یو نرسنگ ہوم

۔ جان مجھے تمہارے بارے میں پتہ ہے

۔ ہلڈا کا سارا خرچ میرے ذمے ہے

۔ میں بطور خاص اسکے لئے آیا ہوں

انکل سانتیا گو جب چلے گئے ہوٹل

اور میں اور ایلین ہو گئے اکیلے

صاف ستھرے روشن کمرے میں

جس کے روشن دان سے نیلا آسمان جھانک رہا تھا

ماما دکھائی دی بے چین

جانے نرسنگ ہوم کے اس کمرے میں

وہ آنکھ سے کیا بتانا چاہتی تھی

انہوں نے جب دیکھا پاپا جان کو

تو آنکھوں سے موتی نکل پڑے

پاپا جان نے اسکا سر اپنی بانہوں میں لیا

۔ میں سب سمجھتا ہوں ڈیئر ہلڈا

۔ سانتیا گو ایک اچھا انسان ہے

۔ یہ الگ بات ہے کہ جانے یہ کس طرح کا احسان ہے

۔ مگر ہمیں اسکا دل توڑنا لازم نہیں

۔ ڈیئر ہلڈا وہ تو ایک عارضی مہمان ہے

دوسرے دن گھر آئے انکل سانتیا گو

دونوں میز پر پی رہے تھے قیمتی شراب

جسے انکل سانتیا گو لائے تھے بطورِ خاص

پاپا جان کے لئے

کہ پاپا سے بحث چھڑ گئی جانے کس بات پر

وہ مصر ایلین کو آسٹریلیا لے جانے پر

۔ جان، تم اس ذمہ داری کے اہل نہیں ہو

۔ تم نے کر تو لیا اپنا سارا گھر برباد

۔ مگر میں کرنے نہ دونگا اس سے زیاد

پاپا جان ہنسے، کھجائی اپنی شیو

۔ ذرا سن لو لوگو

۔ یہ ہے اپنا مہان سانتیا گو

۔ بڑا ہو رہا تھا جب ہلڈیا کا پیٹ

۔ تو بھاگا آسٹریلیا اسٹریٹ

۔ اگر جان ہلڈیا کی جان نہ بچاتا

۔ تو کیا سانتیا گو آکر یہ گھر سجاتا

۔ تم ایلین کو شوق سے لے جاؤ، اگر وہ جائے

۔ مگر سانتیا گو باقی ہے ہماری ایک لڑائی

۔ سمجھو ہم میں سے ایک ہوا کم، جس دن

۔ ڈیئر ہلڈیا کی موت آئی

جانے کیا بات تھی، کیا تھا سمجھوتہ

سانتیا گو نے لگایا ایک بدتمیز قہقہہ
۔ بیوقوف جان' ڈوئل کا زمانہ گیا
۔ ایک اور جام لو' جیسس کرائسٹ کا نام لو
۔ اب بھی وقت ہے اپنے آپ کو تھام لو

مگر ماما زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ پائی
ایک گرم دوپہر وہ قبرستان میں دفنائی گئی
انکل سانتیا گو ہو کر ایلین سے مایوس
بغیر اطلاع دئے اسٹریلیا سدھارے
پھر ایک دن ہو گئی ایلین غائب
ہم دونوں اور انتھونی انکل
سارا کلکتہ چھان مارے
عمارتیں' گلیاں' میدان اور ندی کا تٹ
لکھائی گئی تھانے میں رپٹ
۔ پیٹر ڈیئر اب نہیں ملنے کو ایلین
۔ یہ سانتیا گو کی تھی سازش
۔ اور شاید ہلڈیا کی بھی ہو خواہش
۔ میری ایلین مجھ سے ہو گئی دور
۔ کیا اپنا بنانے کے لئے اپنے خون کا ہونا ہے ضرور
پاپا ایلین کو کھو کر
نشے کا غلام بن گئے چاروں پہر
گھر پر برس رہا تھا خدا کا قہر

میں پرندوں کو پانی پلاتا' دانے ڈالتا
صبح ناشتہ لگاتا' دن کو چاول ابالتا
رات ہوٹل سے لے آتا روٹیاں اور بیف
فرصت کے لمحوں میں وہی قبرستان
منشیات، جسم فروشی اور مرتبان
میں اب کچھ زیادہ ہی کش لگانے لگا تھا
سگریٹ کے پیکٹ سے نکالی گئی پنی سے ڈراگن چیزنگ
گاہے بگاہے اسکن پوپنگ اور مین لائننگ
مگر پھرتا گھبرایا ہوا سا
مرتبان قہقہے لگاتا
میرے چوتڑوں کو مٹھی سے تھامتا
۔ پیٹر صحیح راستے پر چل نکلا ہے
۔ اب زندگی کا ہر غم ہے آسان
۔ پیارے پیٹر' یہی ہے اپنا ہندوستان
میرا نشہ مگر مجھے فرار نہ فراہم کرتا
کاش جو یہ میرا اکیلا پن کم کرتا
اکثر میں جاگتا ایک فرضی پیانو کے پاس
چھیڑنے لگتا کوئی دھن اداس
میری چاروں طرف قدیم عمارتوں کا سلسلہ ہوتا
ایک کشادہ نہر پر ایک پُل کا ہلال ٹکا ہوتا
حسینائیں سر پر رومال باندھے
چھتریاں سنبھالے

نہر میں اترتیں بطخوں کی کرنے سیر
مگر میری حالت نشے میں ہو جاتی غیر
تو اپنی کمزور عمارت کی سرگوشی سنتا
دیواروں سے اجنبی سائے چنتا
فرش پر سنائی پڑتی کسی کے قدموں کی چاپ
آدھی رات کو نیچے گلی میں
کسی غیر متوقع ہاتھ رکشے کا شور
بالکنی میں جاگتی پروں کی پھڑ پھڑاہٹ
میں پاپا کے کمرے میں جا کر پڑھتا ان کا خوابیدہ چہرا
جیسے ان کے وجود پر لگ چکا ہو
بھوت پریت کا پہرا
سرکس کے آخری شو کے بعد وہ لوٹتے گھر
ہمیشہ کی طرح نشے میں غرق ہو کر
نہ دھو پاتے چہرے پر جمایا ہوا رنگ
نہ ہونٹوں کی سرخی
ایک بار تو جوں کا توں چپکا تھا
ان کے سر پر نقلی بالوں کا گچھا
جسے نوچ کر میں نے کونے کی طرف پھینکا
پاپا جان دن بدن کم گو ہوتے جا رہے تھے
بالکونی میں بیٹھے رہتے چڑیوں سے لاپرواہ
لوہے کے ریلینگ پر تھوکتے رہتے' خارج کرتے ریاح
جمائیاں لیتے' دیدے نچاتے

مٹھیاں باندھ کر ہوا میں چلاتے
ایک دن انہوں نے مجھے سینے سے لگایا
میرا منہ چوما، کھینچے دونوں کان
شام کا شہر، دھندلکے میں ڈوبتے لوگ اور مکان

- پیارے پیٹر خبردار
- پاپا جان کے نقش قدم پر چلنے کا نہیں یار
- میرا کیا میں پاگل بے لگام خاک بسر
- کوئی جرم نہیں کیا ہے تم نے میرا بیٹا ہو کر
- میں ہمیشہ بندر کی طرح گلاٹیاں مارتا رہا
- اسے معاف کردو یہ بدنام باپ
- ڈستا رہا سب کو بن کر سانپ
- میں نے ہلڈا کو کھویا
- تمہارے راستے میں کانٹا بویا
- میں اب کسی کو منہ دکھانے کے قابل کہاں
- کاش بہہ جائے نالے میں میری خاک
- یہ شہر ہو جائے مجھ سے پاک

پاپا جان سے لپٹ کر میں رونے لگا
چھن گئے تھے جانے کیوں میرے سب الفاظ
مجھے لگا اب میں پاپا کو کھونے والا ہوں
اکثر آدھی رات میں پاپا کے بستر پر جاتا
اپنے کان اسکے ننگے سینے سے لگاتا
اسے زندہ پا کر حیران رہ جاتا

نشے میں چور پاپا جان لیتے خراٹے
کروٹیں بدلتے' جانے کیا بڑبڑاتے
ایک دن وہ اٹھا لائے ایک زخمی کبوتر
کسی آٹو رکشا نے اسکا کچل دیا تھا پر
میں نے مرہم پٹی کی' کبوتر کو پانی پلایا
پاپا جان لاتعلق بیٹھے آرام کرسی پر
بوتل کرتے رہے خالی
- پیٹر یہ عادت تم نے اچھی ڈالی
- مگر مجھے نہیں لگتا اس سے کچھ ہونے کا
- خداوند عیسیٰ نے لوگوں کے زخم دھوئے
- ان کا درد مٹایا
- کیا کچھ نہ کیا انہوں نے
- معاوضے کے طور پر لوگوں نے انہیں
- اچکوں کے ساتھ صلیب پر اٹھایا
- مگر ہائے رے انسان' اُف انسان کا دل
- درد اب بھی قائم ہے جیسے ایک پتھر کی سل
- یا شاید درد حقیقت ہے' باقی سب خواب
- زمین آسمان سب سراب
ایک صبح جاگ کر انہوں نے کیا اعلان
- میرے پیٹر' میری جان
- میں نے ایک فیصلہ کیا ہے اٹوٹ
- آج میری زندگی کا ایک اہم دن ہے

۔ جس کی اہمیت اور بڑھ جائے، ممکن ہے

۔ تم چلو گے سرکس آج نائٹ شو

۔ میں دکھانے والا ہوں ایک بالکل ہی نیا تماشہ

انہوں نے فری پاس کیا میرے حوالے

میں دن بھر پھرتا رہا بے چین اور مضطرب

یہ کیا سمایا پاپا کے دل میں بے سبب

جانے کیوں مجھے لگا میں ہو گیا تھا تنہا

میں چلا گیا قبرستان

ماما کی قبر کے سامنے بیٹھ کر رونے لگا

جانے کہاں سے آنکلا تھا

میرے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا مرتبان

ہمیشہ کی طرح اسکے دل میں دیا آئی

اُسنے کوکین کی چٹکی میری ناک سے لگائی

تھا وہ اس دن کا آخری شو

رنگین قمقموں سے روشن تھا

پارک سرکس کا میدان

ایک بھاری بوجھ دل میں اٹھائے

فولڈنگ چیئر پر بیٹھا میں پریشان

لکڑی کے گیلیریز بھرے تھے کھچا کھچ

کچھ نوسکھئے تنبو کی چوٹی پر

جہاں تھا تاروں سے ڈھکے آسمان کا ایک بیضوی ٹکڑا

ٹریپیز پر جھول رہے تھے
تنے ہوئے جال پر گر رہے تھے
رسّی کی سیڑھیوں کی جانب لپک رہے تھے
مجھے اسکی بھی ہوئی نہ خبر
آیا کب ساز کا ریلا
ڈرم کی چوٹ سے گھبرا کر
چیخ رہا تھا بے ہنگم سیکسوفون
کہ دکھائی دئے بونے انٹھونی انکل

اور پاپا جان
پہلی بار دیکھ رہا تھا ان کا یہ بھیس
سفید چہرا، بھڑکیلے سرخ ہونٹ، نقلی ناک
نقلی گنجاپن کے ساتھ نقلی بالوں کا گچھا
جو حسبِ ضرورت کھڑے ہوتے یا گر جاتے
اسٹریپ اور ستارے دار بیگی ڈریس
ٹریپزسٹ یکے بعد دیگرے
جال پر چڑھ رہے تھے
رسّی کی سیڑھیوں سے جا رہے تھے اوپر
کہ انٹھونی نے چانٹا جڑا پاپا جان کے چوتڑ پر
۔ ہیلیم، ٹام اوپر جانا مانگتا
پاپا جان نے رنگ کی منڈیر پر بیٹھ کر چوتڑ ہلایا
۔ ناپ!
۔ ٹام اپن کا رکارڈ ہے خراب

- اور گاڈ الما ئٹی کے پاس ہے سارا حساب
انٹونی نے جڑا دوسرا چانٹا
- ہیلیم ٹام اتنا اوپر کا بات نہیں کرتا
- ہمارے کھلواڑا اپنا جان کا بازی لگاتا
- گریٹ ٹام کو میسج بھیجتا
- سیڑھی لٹکاتا
آنکھ پر ہتھیلی کا سائبان بنا کر
پاپا جان نے دیکھا اوپر
- ناپ!
- ہیلیم کو سیڑھی نہیں بھاتا
- ہیلیم تو اڑ کر اوپر جاتا
- ٹام، ہیلیم ہائڈروجن مانگتا
انٹونی انکل نے ایک بڑا سا ہینڈ پمپ نکالا
پائپ کا سرا پاپا جان کے مقعد میں ڈالا
اور ہوا بھرنے لگے
پھولنے لگے پاپا جان
پھول کر ہو گئے کپا
دونوں ہاتھ پھول کر دونوں طرف اٹھ گئے
لگ رہے تھے جیسے کوئی دیو
یا ہوگلی ندی میں بہتا ہوا کوئی مردہ
کہ تماشبینوں کی رک گئی سانس
پاپا جان ہوا میں اٹھ رہے تھے

وہ اٹھتے گئے جال سے اوپر
تنبو کے آسمان پر
نیم تاریکی میں ان دیکھے آہنی تار
انہیں اوپر کھینچ رہے تھے
پاپا جان کا گول مٹول رنگین وجود
وہ جال سے ٹکرائے لڑھکتے گئے دور تک
سازندوں نے خوب ڈرم پیٹے' ٹرمپٹ بجائے
اصلی کھیل ہو گیا شروع
تنبو کی چوٹی سے ہٹا دیا گیا کپڑا
تارے دکھائی دینے لگے
جن کی چھاؤں میں ٹریزسٹ لڑکے لڑکیاں
دکھانے لگے کھیل نیارے
میں دیکھنے لگا سرکس کے سارے مانوس کھیل
پر کھیل کے خاتمے پر
بونے انتھونی انکل اور لانبے پاپا جان کا
انجن اور ریل
ناک سے دھوئیں کا نکلنا
آنکھوں سے پانی کے پھوارے
خوبصورت لڑکیوں کے سامنے جھکنا
پہلوان کو خم ٹھونک کر کشتی کے لئے للکارے
ایک دوسرے پر سونٹوں سے وار کرنا
بونے انتھونی پر تختہ ڈال کر بکرا پار کرنا

مجھے پتہ نہ چلا کب آ گیا آخری شو

رنگ کو لوہے کی جالیوں سے گھیرا گیا

ٹریز شیر شیرنیوں پر پھٹک رہا تھا ہنٹر

خونخوار جانور دھاڑ رہے تھے

لوہے کے اسٹولوں پر چڑھ رہے تھے

پنجوں سے آہنی تختوں کو کھرچ رہے تھے

ایک ایک کر کے سارے جانور پنجڑوں میں لوٹنے لگے

رہ گیا ایک دیدہ زیب دھاری دار ٹائگر

انٹھونی انکل اپنے سونٹے پر ٹھوری ٹکا کر

اشارا کیے اندر

۔ ہیلیم، جنگل کا راجہ بھوکا

۔ تم کو کھانا مانگتا

۔ یہ انٹھونی کبھی انکار نہ کرتا

۔ پن اپّن کیا کرے

۔ شیر شیر کا شکار نہیں کرتا

پاپا جان کے لئے کھلا پنجڑے کا ایک چھوٹا در

پاپا جان ہو گئے اندر

میرا دل اچھل کر سینے سے جا لگا

پاپا جان نے نکالی اپنی شراب کی بوتل

۔ ہیل مدر میری اگر یہ ہونا ہے تو ہو جائے اس پل

۔ پن، ہیلیم بیچارا سوکھا سڑا جو کر

۔ کیا پیٹ بھر پائے گا یہ بھوکا نر

انہوں نے بوتل سے لیا گھونٹ
واپس اپنی پوشاک کے اندر ڈالا
تختہ پر لیٹ گیا
رنگ ماسٹر نے چابک پھٹکارا
ٹائگر دوڑتا ہوا آیا اور کھڑا ہو گیا پاپا جان پر
اسے سونگھنے لگا
لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے
رنگ ماسٹر چپکے سے لوہے کی جالی سے باہر آیا نکل
رک گئی تھی موسیقی، ہوا اعلان
۔ کوئی تصویر نہ کھینچے ورنہ جوکر کی جائے گی جان
پھر بھی ذاتی کیمروں سے
ہوئے دو چار فلش
جسے کر دیا جانور نے درگزر
مجھ پر تو گویا صدیاں بیت گئی تھیں
میری آنکھوں پر تن گئی آنسو کی چادر
یکا یک پورے پنڈال میں سنائی دی ٹھنڈی سانس
لوٹ گیا تھا ٹائگر
وہ چلا گیا آہنی ٹول اور تختوں پر کودتے ہوئے
اپنے مخصوص پنجڑے کے اندر
تالیوں کی گڑگڑاہٹ سے گونج اٹھا پنڈال
لوہے کی جالیاں اور جانوروں کے پہیئے دار پنجڑے
سارے واپس ہٹا لئے گئے

صرف پاپا جان لیٹے تھے اپنے تختہ پوش پر

روشنی ان پر ہو گئی تھی مرکوز

ان کا جسم اب تک ذرا بھی ہلا نہ تھا

انٹھونی انکل دھیرے دھیرے چل کر گئے قریب

ان کی آنکھیں بڑی بڑی ہو گئی تھیں

دیکھنے میں عجیب

یکا یک ان کی چیخ سنائی دی

پھوٹ نکلی ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار

۔ہائے ہائے چل بسا میرا یار

۔ اس نے کاٹ تو لیا شیر کے ساتھ سمئے

۔ مگر اس سے رک گیا اسکا کمزور ہدئے

میں اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا

نڈھال، رو پڑا

گونج گئی پنڈال میں میری چیخ

میں نے جو سوچا تھا نکلا ٹھیک

۔ پاپا، پاپا!

سناٹے کو چیر گئی میری آواز

تماشبین چپ

لڑکھڑاتے قدموں سے

میں رنگ کے اندر ہوا داخل

انٹھونی انکل مجھے دیکھ رہے تھے اچنبھے سے

میں پاپا کے جسم سے لپٹ کر رونے لگا

یکا یک پاپا کے اندر ہوئی حرکت
وہ اٹھ کر بیٹھ گئے
انہوں نے مجھے سینے سے لگالیا
سرکس کے بچے کھچے تماشبین
حیرت سے اس منظر کو تاک رہے تھے
مسکرا رہے تھے، سیٹی بجا رہے تھے
لات مار کر سامنے سے کرسیاں ہٹا رہے تھے
سرکس کے دوسرے کھلواڑوں نے ہمیں لیا تھا گھیر
۔ مسٹر جان، خیر!

آدھی رات، سنسان سڑک
فٹ پاتھ پر لوگ سو رہے تھے اوڑھے ہوئے کمبل
میں پاپا اور انٹونی انکل،
دونوں نشے میں دھت لڑکھڑا رہے تھے
رک رک کر گیت گا رہے تھے
۔ انٹونی، یہ اپنا پیٹر تو نکلا بور
۔ یہ بھی ہے کوئی کھیل، کوئی کلا
۔ اپنی موت کا تماشہ لوگ بناتے ہیں بھلا
۔ پر پیٹر کا کیا کیا جائے، پڑنے لگی ہے نشے کی لت
۔ مجھ سے بھی بری ہوگی ایک دن اس کی گت
انٹونی انکل نے اپنے پنجوں پر اچک کر
میرا کندھا تھپتھپایا

- جب جان کے بھیجے میں کچھ نہ آیا
- اس نے کردیا منہ کا استعمال
- اس کا بھی نہ رکھا خیال
- ایک فرشتے سے ہم اور کیا رکھ سکتے ہیں امید
- مگر جان، اپنے پیٹر کا پیار تھا قابلِ دید
- جس کی ہوتی ہے ایسی اولاد
- اس کی زندگی جاتی نہیں برباد

ایک بند ہوتے ہوٹل میں کھائی ہم نے
مٹن بریانی اور سلاد
گھر لوٹ کر پاپا نے پھر سے جام بنایا

- پیٹر، مجھے تسلیم کہ ہے شراب کی لت
- پر جان کا دل بھی ہے کوئی پانی پت
- کس نے اس پر وار نہیں کیا؟
- کیا ایلین، کیا سانتیا گو، کیا ہلڈیا
- فادر گریگوری نے تو مجھ سے لیا عجیب انتقام
- کوئی ان سے سیکھے مجھے ستانا
- اس نے تو مجھے سزا کا بھی حقدار نہ جانا
- اب میں کیا ہوں، ایک آوارہ جوکر، محلے بھر کا بدنام
- اب تو شیر بھی مجھے کرتے نہیں قبول
- میری ہتھیلی سے زیادہ اجلی سڑک کی دھول
- گاڈ المائٹی سے مجھے لینا ہے حساب
- یہ بھی کوئی زندگی ہے واہ جناب

۔ اتنے گناہ جن کی کوئی حد نہ حساب

۔ مجھ سے نہیں سہا جاتا یہ بوجھ

۔ اپنی ہی آگ میں جلتا رہتا ہوں روز

۔ مرنے سے بدتر ہے یہ جینے کا دھندا

۔ کوئی تو ہو میرا نجات دہندہ

رات جیسے کسی قبر کے اندر رکھی تھی

سارا شہر خاموش

تارے آسمان میں ٹوٹ رہے تھے

جانے میں کتنی رات جاگتا رہا

صبح گرم دھوپ چہرے پر تھی جب جاگا

شیر منہ پر بول رہا تھا کاگا

میں نے اٹھ کر چینی مرتبان میں منہ دھویا

تولیہ سے کان صاف کرتا بالکنی میں نکل آیا

نیچے گلی میں زندگی جاگ چکی تھی

لوگ باگ دودھ گوشت اور سبزی کے لئے جا رہے تھے

یکا یک مجھے لگا کچھ عجیب

بالکنی میں تھا ایک سناٹا مہیب

میں نے پنجڑوں کے اندر تاکا

تمام تھے پرندوں سے خالی

ختم ہو چکی تھی وہ محبت کی داستان

میں دوڑتا ہوا پاپا کے کمرے میں آیا

الٹا پڑا تھا لکڑی کا اسٹول

پاپا سیلنگ فین سے گئے تھے جھول

دھوپ اونچی عمارتوں کے اوپر جا چکی تھی
گرم کوچے میں پرچھائیاں آ چکی تھیں
میں نیم خواب بیٹھا تھا کہ بج اٹھی کالنگ بیل
میں دروازے پر پہنچا تھامتا بالکنی کی ریل
داخلے پر کھڑا تھا ایک نامہ بر
میں نے پرچی پر ڈالی نظر
۔ پیارے پیٹر
۔ میں نے کناڈا کی شہریت کی ہے قبول
۔ اس فضا میں سانس نہیں لے سکتا
۔ جہاں کیا میں نے ایک فرشتے کو ناپاک
۔ میرا پیانو گر کر لو قبول
۔ چین سے دفن کی جائے گی میری خاک
جوسف جیکب کا بھاری بھرکم پیانو
بمشکل ہمارے گھر میں سمایا
دن گذرتے رہے
میں نے ایک بار بھی اسکا ڈھکن نہ اٹھایا
میں تھا اور مرتبان
اور اپنا گھاس پھوس سے ڈھکا قبرستان
ایک صبح
آیا پارک اسٹریٹ کے تھانے سے حوالدار

اس نے مجھے سنٹرل میڈیکل کالج کا پتہ دیا

سورج سر پر تھا جب میں اسپتال میں ہوا داخل

پیچھے جہاں احاطہ پیڑ پودوں سے گھرا تھا

تھا ایک صاف ستھرا وارڈ

ایک بستر پر بیٹھی تھی ایلین

ساکت، مستحکم، خفیف اور اداس

مجھے دیکھ کر اسکی آنکھیں ہو گئیں لال

مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارا کیا

اشارے سے دکھایا وہ کانسٹبل

جو دروازے کے باہر کھڑا تھا مستقل

ایلین کالی گھاٹ کے چکلے سے پکڑ کر لائی گئی تھی

جہاں غلیظ نہر کے کنارے نجاست سے مہکتے پُل پر

دوسری طوائفوں کے ساتھ کھڑی

وہ گاہک پھانسا کرتی

ایلین پر تھا ایڈس کی بیماری کا "الزام"

ہر طرح کی جانچ کے بعد

اسکا "جرم" ثابت ہو گیا تھا

اب وہ کڑے پہرے میں تھی

- پیٹر ڈیئر کیسے ہیں پاپا جان

- مرنے سے پہلے انہیں ایک بار دیکھنا چاہونگی

- مگر اچھا ہے جو انہیں میرا پتہ نہ چلے

میں نے اسکا ہاتھ تھام کر لیا بوسہ

وہ لرز گئی' اپنا ہاتھ واپس لینے لگی

۔ کاش' میری پیاری سسٹر

۔ تم مسٹر سانتیا گو کے ساتھ چلی جاتی

۔ ہم تم سے ہاتھ یوں بھی دھوتے

۔ مگر اس طرح تو نہ روتے

میں نے پاپا کی خودکشی کا کیا نہ ذکر

وارڈ میں دو اور مریض تھے

جو اپنی المناک دنیا میں کھوئے ہوئے تھے

۔ پیٹر' زندگی نے جب میرے ہاتھ میں رکھا دیا

۔ میں نے اندھیرا اپنے حصہ میں لیا

۔ اجنبی مرد جب میری کھال اتارتے

۔ مجھے کیا خبر تھی

۔ ان انگلیوں کے جال میں

۔ میں ایک دن ہمیشہ کے لئے قید ہو جاؤں گی

۔ میں نے چاند کو چھونا چاہا

۔ اور سورج کے اتنے قریب اڑنے لگی

۔ کہ پگھل گئے میرے موم کے پر

۔ مجھ پر ترس کھاؤ' میرے پیارے پیٹر

جب میری گردن چومنے لگی میرے آنسو کی لکیر

میں چونک کر اٹھ کھڑا ہوا

۔ میں کل آؤں گا سسٹر'

۔ اس وقت طاقت نہیں میرے اندر

میں پاگل کی طرح کلکتہ کی سڑکوں پر گھومتا رہا
کیا ایک پھول کھلا نہیں سکتا یہ سنگین شہر
میں نے جب دیکھا میٹرو ریل کی کھدائی پر کھڑے
بھاری بھرکم کرین
مجھے لگا ان سے جھول رہے ہیں لوگ بے چین
میں راہگیروں کے اندر داخل ہونے لگا
کتنا بے تکا شور، کتنا سناٹا تھا وہاں
سورج ڈوب چکا تھا،
ڈھونڈ نکالا میں نے مرتبان کو
جب ہم قبرستان سے لوٹے واپس
ہو چکی تھی آدھی رات، نہ ٹرام نہ بس
مرتبان نے متجسس کتوں کو جمائی لات
۔ تف، تیری ماں کی، ابے ہم تم سے بہتر نہیں
۔ صرف ایک دُم کی کسر ہے بھائی
۔ جسے کاٹ لے گیا وقت کا قصائی
۔ ہمیں اس سے کیا تم بھونکو یا غرّاؤ
۔ چلو بھاگو اپنے کونے میں جاؤ
۔ اور کچھ نہ ملے تو اپنا مقعد چباؤ
آدھی رات اچانک دروازے پر ہوئی دستک
میرا بدن درد سے ٹوٹ رہا تھا
سردی میرے سینے کو جکڑ بیٹھی تھی
میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا

سامنے کھڑی تھی ایلین

مجھ سے لپٹ کر رونے لگی

کمرے میں کرسی پر بیٹھ کر آنکھ پونچھنے لگی

۔ وارڈ سے میں بھاگ کر آئی ہوں تمہارے پاس

۔ یہ ہے ہماری آخری ملاقات

۔ پاپا اب تک گھر نہیں لوٹے؟

اس نے مجھے خاموش پا کر سر اٹھایا

میرا چہرہ دونوں ہاتھوں سے تھام کر پڑھا

جھک گئی دیوار کی طرف اور رونے لگی

میں نے اسکے کمزور کندھوں کو چھوا

۔ سسٹر، تم بھوکی ہوگی، سینکتا ہوں توسٹ

اس نے انکار میں سر ہلایا

جا بیٹھی بستر پر

اسکے پیر کانپ رہے تھے، لرز رہے تھے ہونٹ

کتنی کمسن دکھائی دے رہی تھی

اسنے بھاری بھرکم پیانو پر ڈالی نظر

۔ جوسف کا تحفہ؟ میرے پیارے پیٹر؟

۔ میری بے چین آتما کو شاید چین آئے

۔ اگر میرا پیٹر تھوڑا سا پیانو بجائے

میں نے اسے دیکھا غور سے، پیانو کے پاس گیا

اسٹول کھینچ کر بیٹھا

گرد سے ڈھکی ڈھکن اٹھائی

پیانو کی آواز سے خود چونک پڑا
مجھے لگا جیسے میرے اندر سے وہ آواز آئی
جانے کیا تھا وہ گیت' کیا تھا وہ ساز
یا تھی وہ میرے دردِ دل کی آواز
لمحے بیت گئے صدیاں بیت گئیں
راستے کھو گئے گلیاں کھو گئیں
ایلین کا ہاتھ میرے کندھے پر آ کر تھم گیا
میں نے چہرہ موڑ کر اسے چوما
ہم دونوں کچن میں آئے
ٹوسٹ سینکنے لگے
میں نے اس سے زیادہ ٹوسٹ کھائے
ہم دیکھنے لگے پرانے البم
ماما' پاپا' سانتیا گو
اور دوسرے بے شمار چہرے
جانے کب میں ایلین کی گود میں سر رکھ کر سو گیا
جیسے میرے دل کا درد ہمیشہ کے لئے کھو گیا
گہرا اندھیرا تھا جب ایلین نے مجھے جگایا
۔ اٹھو پیٹر' بھور ہونے کو آیا
۔ مجھے چلنا ہوگا' ورنہ انہیں پتہ چل جائیگا
۔ میں اس شہر سے ہو رہی ہوں فرار' گڈ بائی
میں نے اٹھ کر ایلین کے کندھے تھامے
۔ تم واپس اسپتال چلی جاؤ سسٹر

- اب خود کو نہ ستاؤ

- بہت بیت چکا تم پر

- اپنے آپ پر رحم کھاؤ

ایلین اٹھ کر بیسن پر گئی

منہ دھو کر لوٹی واپس، بال سنوارے

کپڑے ٹھیک کئے، لئے پرانے میک اپ کے سامان

- پیٹر، میں جا رہی ہوں مگر کہیں اور

- گرچہ مجھے معلوم نہیں میرا ٹھکانہ

- مگر میں جہاں کہیں رہونگی

- مجھے یاد رہینگے تمہارے الفاظ

- سسٹر بنا کر کوئی بہانہ

- پر لگا کر اڑ نہ جانا!

میں نے اسے سینے سے دبوچا

- اور تم اڑ گئی میری پری!

گلی میں اندھیرا کم ہو رہا تھا

میں نے آخری بار ایلین کو گلے سے لگایا

ایلین نے پھیلائے دونوں پر

اور اڑ گئی تاروں سے ڈھکے آسمان پر

گھڑی پال

''لیکن آخر ......'' کاندید نے پوچھا۔ ''اس دنیا کا مقصد کیا ہے؟''
''یہ ہمیں پریشان کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔'' مارٹن نے کہا۔
کاندید (والٹیر)
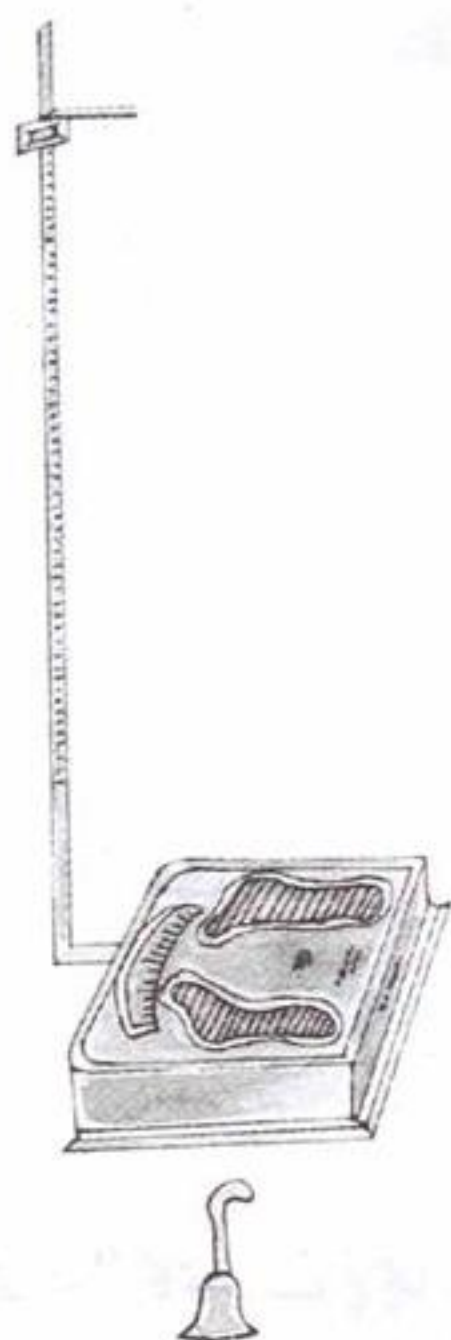
گھڑی پال

جب قصبے میں ہوا سرکاری اعلان

اور دھنسنے لگ راستے اور مکان

کہ زیرزمین پھیلے تھے کوئلے کے کان

جن میں پھیل چکی تھی آگ

اور کبھی بھی اپنی چنگل میں لے سکتا تھا

اوپر چلنے والوں کو یہ بھیانک ناگ

میں نے کوئلہ چرانے کا پیشہ کیا ترک

کیا قسمت آزمائے کوئی جب زمین ہی ہو جائے غرق

اپنی بیوی اور سات بچوں کو

کوئیلو ر ندی کے کنارے

اپنے آبائی گاؤں میں آلو کی کاشت کرنے چھوڑا

میں نے بیچی اپنی سائکل

اور کلکتہ کی طرف منہ موڑا

جان پہچان کے لوگوں نے دیا سہارا

عظیم الشان گرانڈ ہوٹل کے باہر

مجھے بھی مل گیا ایک فٹ پاتھ کا کنارا

ایک خون تھوکتے زائل ہوتے بوڑھے نے

مجھے بیچی اپنی بیٹھنے کی جگہ

اونے پونے میں فروخت کیا

وزن کی مشین اور پیمائش کا اسکیل

بوڑھے نے ہوڑاپل پر حسرت سے ڈالی نظر

پکڑی گاؤں جانے والی ریل

- پیارے گھڑی، یہ بھی ایک عجیب نگر ہے

- کس کی قسمت کب کھل جائے کسے خبر ہے

- مگر بھائی اس شہر نے مجھے کر دیا ہے رد

- میری پانچ لڑکیاں بن بیاہی رہ گئیں

- میں ہی سالہ گدھا، میں ہی ٹھہرا چغد

- مگر جانے کیوں ہے یہ میرے دل کی پکار

- تم ہوگے کامیاب

- اس مہان نگر میں تم پورا کر پاؤ گے اپنا خواب

میں واپس لوٹ رہا تھا اسے اسٹیشن چھوڑ کر

کہ شور کرتے ہوڑاپل پر

ایک بھکاری نے اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کا دیدہ زیب ٹھنٹھ

میری دونوں آنکھوں کے بیچ رکھا

- جئے ماں شیتلا، دے بیٹا بھیک !

- تیرے نئے ارادے میں بھگوان تیرا شریک !!

میں نے کانپتی انگلیوں سے ایک دھندلا سکہ نکالا

بھکاری کے بھوکے پیالے میں ڈالا

گنگا کی ٹھنڈی ہوا نے میرا رخسار چوما

ایک خواب میرے سامنے ہوگیا روشن

میں نے گویا دیکھا ہاوڑاپل پر

ایک دھرم کانٹا جس پر لاریاں ہو رہی تھیں وزن
نہ ایک دو نہ تین چار
تاحدِّ نظری لاریوں کی قطار
کتنی ساری عمارتیں کتنے سارے لوگ
کیا بھگوان مجھے نہ دے گا میرے حصے کا بھوگ
اس شہر میں تھی یقیناً کوئی بات خاص
پہلے ہی دن میں نے بنا لئے روپے پچاس
جب میری مشین پر چڑھتے غیر ملکی سفید فام
میں گھنٹی نیچے رکھ کر ٹھونکتا سلام
رات کو آباد ہوتا ہمارا فٹ پاتھ کا ڈیرا
لئی، ٹھنڈا پانی، اور دال کا بگھیرا
پھر بھنگ کے کش باری باری
اور جب سب پر شیو جی کا نشہ ہوتا طاری
تو ڈھول پر لگاتے تھاپ چھیڑتے بھجن
جو کبھی کبھی آدھی رات کو سنتے ہونگے
گرانڈ ہوٹل کے ٹھنڈے کمروں میں غریب الوطن
اور اپنے آپ سے تھکے ہوئے ناستک گورے صاحب
تائید میں ہلاتے ہونگے اپنے خوابیدہ سر
جن پر عجیب و غریب جھالر پڑے تھے بال کے نام پر
ہمارے ڈیرے میں تھیں رنگ برنگی ہستیاں
گل گو تھلا بلدیو جو بظاہر بیچتا کو برا کا تیل
مگر تھا وہ پنچی لال دھوبی کار کھیل

ہٹا کٹا گنگادھر

جو بو بازار کے فرنیچر

خریداروں کے گھر پہنچایا کرتا

اپنی شریانوں اور پٹھوں کی نمائش کر کے

بو بازار کی بدنام گلی میں

گرجا ماسی کا دل بہلایا کرتا

سفید دھوتی کرتا اور بنارسی ٹوپی میں ملبوس

رام جی پرساد

فٹ بال کا ہرا سٹیڈیم چکھ چکا تھا

اسکے بُھنے ہوئے کرکرے چنوں کا سواد

لانبا، بہرا، گنجا دام سنگھ

جو ہوڑا پُل کے نیچے' پوجا کے باسی پھول

اور دوسری آلودگیوں کے ڈھیر میں

نو آموزوں کو پہلوانی کے درس دیا کرتا

گنگا کی مٹی سے کرتا بدن کی خوب مالش

یوں اس نے کسی مشہور پہلوان کو کبھی نہیں پچھاڑا

مگر تیل گھاٹ سے پرے

مشہور ہونے لگا تھا دام سنگھ کا اکھاڑا

سٹا کا منشی تارا چند گپتا

جو سال کے زیادہ تر حصوں میں جاتا جیل

کسی سٹا ڈان کا تلوا چاٹتا نکل آتا

پھر وہی ٹمٹماتی دیا کی روشنی میں سٹے کا کھیل

اس بھیڑ میں جانے کہاں سے آنکلا تھا جھبّو عرف جھبّو ناتھ
یوں تو تھا کم عمر پر تھا تیز
ایک مدراسی رستوران میں صاف کیا کرتا کھانے کی میز
ہمارا آخری بجن تھا ایک مرچا سیٹھ کا دلال
صاف ستھرا، دھوتی پوش، من سُکھ لال
دن ہر کوئی اپنے کام میں نکل پڑتا
اس مہانگر میں قسمت آزمانے چل پڑتا
شام ہم لوٹتے تھکے ہارے کامیاب و ناکام
پھر وہی بھنگ کے کش، گالی گلوچ، ٹھرّا کا جام
شہر کا دل کتنا بھی پتھر کا ہو آسمان تھا نرم
یوں تو دن کے وقت ہو جاتا تاوے کی طرح گرم
رات ٹھنڈی ہوا چل پڑتی، تارے نکل آتے
ایک دو نہیں سارے کے سارے نکل آتے
یا شاید یہ اس لئے تھا کہ ہماری فکریں ہو جاتیں دور
سمیئے کو کتنے اچھے شبدوں میں لکھتا ہے انسان کا سرور
لیکن یہ خواب سورج نکلتے ہی ہو جاتا چکنا چور
شہر غرّا کر جاگ اٹھتا، نکالتا اپنے نوکیلے دانت
گندی ہوا خارج کرتی ہر بھلے آدمی کی آنت
بند نالوں کی گرج، کھلے سنڈاس کی مہک
دکاندار بے رحم اور چوکنے، گھوڑوں پر سپاہی کڑک
گھومتے پہیئے دہلاتے شہر کا دل
ہر پکار سازش، ہر آہٹ قاتل

بوڑھے نے کچھ یوں ہی نہیں دیا تھا تیاگ
کسی جہنم سے کم نہ تھی شہر کی نادیدہ آگ
جدھر دیکھو پھاوڑے چل رہے تھے
بدن کٹ رہے تھے شانے چھل رہے تھے
ہمارے ڈیرے میں کبھی کبھار نکل آتے
بھنگ کے کش لگانے کانسٹبل مکتا رام
ہم لوگوں نے انہیں کے طفیل
فٹ پاتھ کے کونے پر کر لیا تھا قبضہ
ٹاٹ کا گھیرا' ٹن کی چھت اور پچھواڑے خودرو جھاڑیوں کا سبزا
اکثر چاند رات کے سناٹے میں دکھائی دیتا
ناگ بابا کے مندر سے نکالا گیا گھاٹ برہمن
پروہت ہری شنکر پنڈا'
اس نے قبضہ کر رکھا تھا
میدان کے ریڈ روڈ سے پرے ایک پرانا برگد کا پیڑ
تھا شیو بھگت مگر بھنگ سے پرہیز
آتا بھجن میں شریک ہونے
اکثر جوش کے عالم میں رونے
غرض ہر لحاظ سے مکمل تھا ہمارا ڈیرا
اس سے ہٹ کر پھیلا کرتا جگ کا اندھیرا

ہمیشہ کی طرح گندا' بدبودار شیو گھاٹ
جس پر دام سنگھ نے تان رکھی تھی کھاٹ

ہوڑا پل کے نیچے رواں تھا ہوگلی ندی کا گدلا پانی
جس سے گھاٹ کی سب سے نچلی سیڑھی پر
کچھ چتکبرے کبوتر کر رہے تھے چھیڑ خانی
ملائم مٹی پر کشتی لڑ رہے تھے کچھ مسٹنڈے
لنگوٹ کسے، باندھے تعویذ اور گنڈے
۔ پٹکو شرم گاہ ذرا سختی سے تھام کے
۔ بھگوان کے یہ ہاتھ پاؤں کس کام کے؟
۔ آلو کھا کھا کر بدن گیا ہے پھول
۔ للو رام کیوں نہ چاٹے زمین کی دھول
۔ ابے حرامی کے پلو، بے باپ کے جنو
۔ زنخوں کی ٹولی میں شامل ہو جاؤ نازک بدنو
پان خور دام سنگھ کی گالیوں کی عجب شان
گھاٹ کے پائتانے رکھا تھا مراد آبادی اگلدان
تھوکتا رہتا اس میں وہ گالیاں اور پیک
مگر ان کی اہمیت ہی اور تھی چیلوں کے نزدیک
ان کے لئے وہ تھا سوئم پون پتر ہنومان
دام سنگھ کے پان داڑھ میں دبائے
میں اور من سکھ لال
گیلے گھاٹ کی سیڑھی پر بیٹھے دیکھ رہے تھے
بجروں سے پھولتے ماہی گیروں کے جال
دل کو دہلا رہا تھا ہاوڑا پل کا آہنی جنجال
اسٹیمر کوک بھر رہے تھے، دریا کے آر پار جا رہے تھے

جتنے لوگوں کی کلکتہ سے ہو رہی تھی نکاسی
ان سے زیادہ کلکتہ کے اندر سما رہے تھے
چمک رہا تھا من سکھ لال کی عینک کا بیضوی فریم
۔ اب منش کے پاس نہیں رہا بھگوان کے لئے ٹیم
۔ کتنی بڑی سبھیتا، کتنی بڑی اتہاس
۔ پر ہمارا بھارت ورش چر رہا ہے گھاس
۔ جب میں یہ سب سوچتا ہوں میرا خون جاتا ہے کھول
۔ اٹھاؤ گیروا جھنڈا، بجاؤ تاشے اور ڈھول
۔ کب تک ہم سہینگے دانب کا راج
۔ ہمارے ہی شترو ہماری چھاتی پر بیٹھ کر کھائیں اناج!
میری سمجھ سے بالاتر تھا من سکھ لال کا جوش
مگر میں نرا جاہل، کیا کرتا، خاموش
دام سنگھ مارتا اپنے پٹھے پر ہاتھ، گنجا سر ہلاتا
۔ کیا کہتا ہے من سکھ لال کا ان داتا
۔ پرشوتم اگروال
۔ وہ سوکھے مرچ کا دلال
۔ ضرورت پڑتے ہیں انہیں پاخانے تک لے جانے کے لئے
۔ دو مسٹنڈے پہلوان
۔ لال مرچ بیچ بیچ کر اس نے جمائی ہے چربیوں کی ایسی تہہ
۔ کہ جب مرے گا اپنا یار
۔ بنارس کے کلو گھاٹ پر
۔ اسکی صندل کی لکڑیوں کو گھی کا نہیں ہوگا درکار

۔ دیکھتے دیکھتے بھڑک اٹھے گا چربیوں کا انبار
یوں تو بکھرے پڑے تھے دیوی دیوتا'
منشیہ راکشش، رشی منی چاروں دھام
دام سنگھ کے لئے تھا نہ کچھ بھی قابلِ احترام
مگر من سکھ لال شانے اچکاتا' دام سنگھ پر ترس کھاتا
۔ کیسے کیسے جیو جنتو سرشٹی کرتے ہیں ودھاتا
۔ برہمنوں کی شان میں اگر اس طرح کے شبد نکالو گے
۔ دام سنگھ تم کل سُتر کی اگنی میں ڈالے جاؤ گے
۔ کیا تمہیں نہیں چھوتی لوگوں کی پیار بھری پکار
۔ لوگ سمجھتے ہیں تمہیں
۔ سگریو کی بانر سینا کا سپہ سالار
دام سنگھ مارتا ہاتھ اپنے پٹھے پر پھر ایک بار
۔ اسی بات کا تو ڈر ہے مجھے من سکھ لال
۔ لوگ کہیں مجھے نہ سمجھ بیٹھیں کل یگ کا لال
۔ پھر تو مجھے رنگنا پڑے گا منہ' پیلا کرنا پڑے گا بال
ہمیشہ کی طرح من سکھ لال کی بحث
اور دام سنگھ کا منہ پان کی پیک سے تہس نہس
من سکھ لال کو جانے اندر ہی اندر چاٹتی کون سی آگ
اس کی آنکھوں میں منڈلاتے عجیب خواب
جیسے وسرام لیتے وشنو پر سایہ کرے سیش ناگ
وہ مجھے سمجھتا تھا ایک بالکل ہی بھلا انسان
کیونکہ میرے پاس تھے دو فرمانبردار کان

۔ گھڑی پال' اس پُل کو کیا دیکھتے ہوا چنبھا ہے
۔ وشوا کرما کے بیٹے نے جو بنایا تھا رام سیتو
۔ دنیا کے پاس اسکا جواب ہو تو رکھے
۔ مگر دل میرا ڈوبتا ہے
۔ دیکھتا ہوں جب
۔ ہماون کی بیٹی کا یہ حال
۔ اگر نہ بھاگی رت کو برہما سے ملتا وردان
۔ قطرہ قطرہ پانی کو ترس جاتا اپنا بھارت مہان
۔ خود شیو اپنی جٹھا میں گنگا کو جو لیتے نہ تھام
۔ پانی ہی پانی دکھائی دیتا چاروں دھام
۔ یہ جو مایا ہے اسکا بھی ہوتا کہیں اور استھان
شام کے غلیظ کہاسے میں گھاٹ پر جل اٹھتے
گیلی لکڑیوں کے الاؤ
جیسے پھٹ پڑے ہوں کلکتہ کے گھاؤ
کیچڑ بھرے کناروں سے کنگالی اٹھاتے بھجن
کلکتہ' کہ اس میں جاری تھا ہر چھن سمندر منتھن
جیسے سوئم وشنو بھگوان
دھار کر کچھوے کا روپ
اس کی سنگِ بنیاد کے نیچے پدھارے ہوں
پوچھوان سے
جو پیتے ہیں اس شہر میں امرت کی دھار
کن گلی کوچوں میں نہیں ماں لکشمی کی بہار

رات کی آنکھوں میں رنگ بھرتی ہے شراب کی دیوی

رمبھا، آہ وہ خوبصورت اپسرا

جسے پی گئی اس شہر کی بدنام گلی

اس سمندر منتھن سے بکھرتا ہے چندرما کا روپ

ہم اس کی سیلی ہوئی زمین پر کھڑے ہو کر

چھو سکتے ہیں نوویں آسمان پر

پربھات کا کرشماتی پیڑ

اپنے ہونٹوں پر قطرہ قطرہ کرتے ہیں محسوس

سرو بھی کے تھن کی سفید دھار

گھٹنوں تک نہر کے غلیظ پانی میں غرق

لوگ کالی گھاٹ جا کر پھونکتے ہیں سنکھ

کہ اپنے گناہوں کا ہو کسی قدر کفارا

ختم ہو جنم جنمانتر کا یہ چکر سارا

مگر اس سمندر منتھن سے جو جاگ اٹھتی ہے وش کی کان

اب نہیں کوئی نیل کنٹھ جو کر لے اسے پان

سنبھال کر اپنی گردن میں رکھ لے

اب تو منش اپنے حصے کا زہر خود چکھ لے

یہی ہے اس شہر کا اپدیش، یہی ہے اسکا وردان

وہ دیدہ زیب، خوبصورت، محرابی گزرگاہ

جس کی نمائش کھڑکیوں سے ہٹے نہ نگاہ

گوری چمڑیوں والے غیر ملکی جوڑے

جسم پر لباس کے نام پر نیکر اور بنیان اوڑھے
اکثر میرے کم روشن کونے میں ٹھٹھک جاتے
وزن کی مشین پر جا چڑھتے
کاربائڈ کی روشنی میں کانٹے کا مقام پڑھتے
مل جاتا مجھے دو سے پانچ تک کی رقم
بنگالی جوڑے اپنے بچے کو چڑھاتے پائدان پر
کتنی نصیحت، تاکید، جھلاہٹ اس چھوٹی سے جان پر
گھنٹی مجھے بجاتے رہنا پڑتا لگاتار
ہر سمت رواں راہگیروں کی نہ ختم ہونے والی قطار
دور شہید مینار چمکتا، میٹرو ریل کی کھدائی چلتی
جانے کب دن گزرتا، جانے کب شام ڈھلتی
رنڈیاں چورنگی روڈ پر نکل آتیں بے لگام
متلاشی آنکھیں، خونی ہونٹ، فربہ اندام
سمپا، امراوتی، رائلہ سارے فرضی نام
میرے اندر بھی بھڑکتا کبھی کبھار شعلہ
مجھ جیسے غریب کے لئے موزوں تھی
بدبودار چونا گلی کی ادھیڑ بائی مردولا
کانسٹبل مکتارام نے کتنی بڑی سچائی بیان کی تھی
- کلکتہ اور اس کے نواح میں جو نہ پھیلے ہوتے
- یہ گندے محلے
- شریف گھرانوں کی بہو بیٹیاں باہر نہ نکل پاتیں
- ہم پولس والوں پر ان لوگوں کا بڑا ہے احسان

۔ انہیں عورتوں کے دم سے ہے شہر میں امن و امان

میں اٹھ کر چلنے لگتا تو چل پڑتا میرے ساتھ
چورنگی کا سورنگا' بیک وقت سستہ اور مہنگا
فٹ پاتھ
جو صبح تا رات ہاکروں کے قبضے میں ہوتا
لانبا رتن دیب بیچتا نقلی مونچھ اور داڑھی
جو مجھے دیکھتے ہی دوڑا چلا آتا
مجھ سے کھینی کی کرتا مانگ
نقلی مونچھ ہلاتا' بھرتا سوانگ
کھڑاؤں پہنے' چمٹا سنبھالے گورا سوامی نشچلا نند
ایک ستون سے ٹکا مون کھڑا لیتا رہتا
ساری دنیا سے آئے ہوئے لوگوں کی بھیڑ کا آنند
بنگلہ دیش سے بھاگ کر آیا ہوا محمد پنیر
جو بیچا کرتا فحش کتابیں' گندے البم
مجھے مفت میں دیکھنے دیتا اپنی کتابیں اور تصویر
چمڑے کے پرس' والٹ اور بیلٹ کی دکان کا مالک
کان میں سننے کا آلہ لگائے فیروز چندہ
نادرات کی دکان کا مالک لپا صاحب پاٹل
بالکل ہی صحیح وزن بتا کر جس کا میں نے جیت لیا تھا دل
گرانڈ ہوٹل کے پھاٹک کا وردی پوش دربان کلدیپ رام
جو ہر آنے جانے والے کو ٹھونکتا سلام
واقعی بڑے شہروں کی بات ہوتی ہے بڑی

تم تو دھنیہ ہو گئے ہو گھڑی!

ہماری اجتماعی ہانڈی میں کھد بد کر رہے تھے
آلو اور بھات
برہما نے آسمان میں بکھیر دئے تھے
اپنے سارے انمول ہیرے جواہرات
جن کی جانب گنگا دھر نے اٹھا رکھی تھی لات
جھبّو ابھی لوٹا نہ تھا کام کر کے
ورنہ وہ بیٹھا گنگا دھر کا بدن دباتا
اور گنگا دھر چومتا اسکی انگلیوں کی پور
اس سے لاپرواہ کیا مطلب نکالتے ہیں باقی اور
ڈیرا سے دس ہاتھ دور بیٹھا تھا
اداس، خاموش، پروہت ہری شنکر
چورنگی کہ بن گئی تھی روشنی کی سورنگی لکیر
اسے تاک رہا تھا سر ہلا ہلا کر
ظاہر تھا کچھ تھا جو اسے اندر ہی اندر کھا رہا تھا
رام جی پرساد اٹھا اور جا بیٹھا اس کے روبرو
۔ کتنا اکیلا دکھ رہا ہے ہری شنکر تو
۔ برگد کے پیڑ سے لگا بیٹھا ہے خواہ مخواہ ناطہ
۔ ہمارے ڈیرے میں شامل کیوں نہیں ہو جاتا
۔ ہماری ٹولی میں ہیں ایک سے ایک مسٹنڈے اور رنگباز
۔ ہم تُرت ڈھونڈ لینگے تیرے ہردے روگ کا علاج

جاگ اٹھی ہری شنکر کی آنکھوں کی جوت

اس کی معصوم ہنسی نے اندھیرے میں بجائی گھنٹیاں

- ہردئے روگ کے لئے کس کے پاس سمئے ہے یہاں

- میرے ہردئے میں جاگرت ہے تری مورتی کا سمان

- پرنتو کبھی کبھی میں سوچتا ہوں بچلت ہو کر

- سرشٹی کے لئے برہمانڈ نے کیوں رچایا دھرم چکر

- جانے کیوں منشیہ کو ملا ہے جیون دان

- جب کہ مرنے کے بعد ڈنڈ کے ہیں اٹھائیس استھان

- استری بنے کیوں بیہولا، منش کیوں ڈھونڈے چنتا منی

- منشیہ تو اپنے منشبیہ میں آپ ہے بلا کا دھنی

- اچھا ہوتا جو برہما جی کی کبھی نہ ٹوٹتی نیند

- ہم سرشٹی کے انتم کھنوں تک

- اپنی کایاؤں کے ساتھ نہ متھے جاتے

- نہ ہم رام جی پرساد کو جانتے

- نہ رام جی پرساد ہمارے روبرو آتے

رام جی پرساد نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے سر ہلایا

- میرے پاس نہیں اتنا گیان

- کہ لڑاؤں میں اپنی زبان

- جب آ ٹپکے ہیں اس دھرتی پر

- کسی نہ کسی طرح کاٹنا ہے سمئے

- جب تک نہ ہو جائے اپنے جیون کا سوریہ بلئے

چونکہ غریب کے پاس صرف دوکان کا سہارا تھا

آخری جملہ کہ ہری شنکر کا تھا خود
اسے رام جی نے خود ہری شنکر پر دے مارا تھا
گنگا دھر نے سر جھٹک کر مارا ایک قہقہہ بلند بانگ
آسمان کی طرف کچھ اور اونچی ہوگئی اس کی ٹانگ
کہ ریح خارج کرنے کے لئے تھا یہ ضروری
میں نے ناک سکوڑ کر اسے دی گالی
گندگی کی پوٹ ہے موالی
ابھی اٹھے گا' ناپے گا بو بازار کا راستہ
مرد ہو کر بن بیٹھا ہے ایک عورت کا داشتہ
ہمارے ڈیرے کو روشن کر رہا تھا ہیلو جن لیمپ
جو شیش ناگ کی طرح ہم پر جھکا تھا
گنگا دھر نے ہاتھ پھیلا کر کھولی مٹھی
۔ ابے رام جی' ہانڈی کی خبر لے آ کر
۔ آلو تو گل کر بن جائے گا حلوا
۔ چاول ٹھٹھر کر بن جائینگے پتھر
رام جی پرساد ہانڈی چولہے سے اتار رہا تھا
کہ دکھائی دے' من سکھ لال
۔ تنگ بناؤ' کڑک چائے' میں منہ ہاتھ دھولوں
۔ پیٹ میں کچھ پڑ جائے تو منہ سے بولوں
لوٹ آیا تھا جھبو' گنگا دھر سے جا لگا تھا
پر اب تک دام سنگھ لاپتہ تھا
گنگا دھر نے ماری آنکھ' پیار سے جھبو کو پچکارا

۔ شاید بلدیو نہ لوٹے آج کی رات
۔ رنگ رلیاں منا رہا ہوگا چنی لال کے ساتھ
۔ کچھ لوگوں کے بڑے چوڑے ہوتے ہیں کپال
۔ ایک دن قسمت ہم پر بھی مہربان ہوگی'
۔ کیوں جھبّو کے لال!
مگر زیادہ وقت گزرا نہ تھا کہ دکھائی دیے دونوں
دام سنگھ اور بلدیو
رات نے انگڑائی لے کر لی ٹھنڈی سانس
چاند کی روشنی پالش کر رہی تھی میدان کی گھاس
من سکھ لال نے پیٹھ دیوار سے لگائی
۔ جب میں سوچتا ہوں تو مجھے آتی ہے ابکائی
۔ برہما نے ایک ساتھ کیا گو اور برہمن کی سرشٹی
۔ مگر ٹینگروا کا جا کر دیکھو کیل خانہ
۔ گو ماتا کی کس طرح ہوتی ہے ہتیا
۔ یہ محض ہے سیدھے سادے ہندوؤں کو چھیڑنے کا بہانہ
۔ میری بھاشا کی سختی کے لئے مجھے کر دو معاف
۔ مگر جس طرح رام چندر جی نے کیا تھا
۔ راکششوں اور دانبوں سے
۔ وندھیا کے جنگلوں کو صاف
۔ اٹھے ہندو جاتی' ہو جائے تیار
۔ اٹھاؤ سب جے شری رام کی تکرار
پروہت ہری شنکر اندھیرے سے روشنی میں ہوا نمودار

کچھ اور گہرا ہو گیا تھا اسکے چہرے کا اسرار
- وشنو کہ اس نے لئے نو اوتار
- سارے مانب پریوار پر چمکتا ہے
- کہ سرشٹی پر ہے کل مانب جاتی کا ادھیکار
- ہم سورج نکلتے وقت کرتے ہیں گائتری جاپ
- پرنتو زہر اگلتا رہتا ہے ہمارے اندر کا سانپ
- ایک پوتر مہان ندی ہے بھارت ماں
- ہر کسی کو سمان سے جیوت رہنے کا حق ہے یہاں
ہری شنکر واپس مڑا اور میدان کو روانہ ہو گیا
- یہ پروہت تو بیٹھے بیٹھے دیوانہ ہو گیا
- ہندوؤں پر آج ہے کتنا بڑا اشنکٹ
- جس دن کیا پاکستان نے پرمانو بم کا اوشکار
- ہوگا اپنی ماتر بھومی پر کالکن پرکٹ
- یہ اپنی پوتر دھرتی گرے گی شیش ناگ کے پھن سے نیچے
- پاتال میں سما جائے گی
- دیکھ لینا تم سب ایک دن اپنی قوم پچھتائے گی
جانے کہاں سے من سکھ لال نے کیا تھا یہ گُس پراپت
ہمارے اندر بھی جاگنے لگی تھی ایک جوالا
اسے کیا پتہ ہری شنکر سالہ
برگد کے پیڑ کے نیچے بیٹھا دیتا رہتا ہے گیان
جگ میں سب سے اونچا ہے ہندو جاتی کا استھان

صبح آنکھ کھلی تو غائب تھی وزن کی مشین
کسی کو بھی اپنی آنکھ پر آیا نہ یقین
دام سنگھ نے مارا ران پر غصے سے ہاتھ
۔ ارے بس یہ تو بہت ہو گیا' ہمارے سر پر خاک
۔ کٹ گئی ہمارے ڈیرے کی ناک
۔ اب تو کل کتے ہمارے سر پر کرینگے پیشاب
رکھتا تھا میں اسے اپنے ٹرنک کے اندر
بحفاظت تالا لگا کر
تالا تو لٹک رہا تھا پہلے کی طرح
تھی وزن کی مشین غائب
کسی نے کنجی میری کمر سے سرکالی تھی
میں اپنی بداحتیاطی سے ہوا تائب
سب نے ایک دوسرے کو پڑھا غور سے
گنگا دھر' بلدیو' رام جی پرساد
تارا چند گپتا' دام سنگھ' من سکھ لال
کہ اچانک سب کو آیا خیال
جھبو تھا ڈیرے سے غائب
گنگا دھر اٹھا' اس نے انگوچھے کو کندھے پر پھینکا
۔ میں پتہ چلا کر رہونگا جھبو کے لال
۔ تم چنتا نہ کرنا گھڑی پال
۔ ہونے نہ پائے پولس کو اس کی خبر
۔ بدنام ہو کر رہ جائے گا اپنا یہ گھر

۔ اور یہ بھلا کس کام کے ہوتے ہیں

۔ پولس والے تو بس نام کے ہوتے ہیں

۔ اس بہانے وہ ہنکا دینگے ہمیں ڈیرا سے دور

گنگا دھر رہا سہ پہر تک غائب

ہوا اور دتو جھبو پیچھے پیچھے چل رہا تھا

اس نے جھکا رکھا تھا سر، آنکھوں میں آنسو کی گنگا

۔ سالے کو سب کے بیچ کرنا پڑے گا ننگا

۔ اس واقعہ کے پیچھے ہے جان بازار کا چور

۔ سکندر یادب عرف بروک بونڈ

۔ اس نے جھبو کو بہکایا، فلم دکھائی، سگریٹ پلایا

۔ سو روپئے کا ایک ہرا نوٹ تھمایا

۔ اور اب بضد ہے کہ اس نے خریدی ہے یہ مشین

۔ اور واپس دیگا شرط ہے اسے ملے نوٹ تین

اس نے جیب سے پچاس کا ایک نوٹ نکالا

ہمارے پاس تھا نہ کچھ چارا

جھبو کو بچانے کے لئے پولس کا لے نہیں سکتے سہارا

سب نے دیا چندا، مشین چھڑائی گئی

گنگا دھر جھبو کو ڈھکیلتے ہوئے چلا میدان

۔ ایک کڑی سزا اسے کیا جانا چاہئے اسکا سمان

۔ تاکہ پھر آئندہ یہ حرکت نہ کرے

۔ کچھ تو یہ بھگوان سے ڈرے

سورج ڈوب رہا تھا، آسمان ہوتا رہا لال

جیسے کناروں سے اس کی ادھڑ رہی ہو کھال
رات کے دس بجے جھبو دکھائی دیا اکیلا
سنگین فٹ پاتھ پر بیٹھ کر
اسنے جھکالیا سر
اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا
یکا یک میرے اندر جاگی خود میرے لئے کراہیت
اسکی اس بیوقوفی کے لئے اتنا بڑا ڈنڈ
گنگادھر دکھائی دیا تو میں نے کی ملامت
۔ گنگادھر، سمجھے گا تجھ سے اوپر والا
۔ اس کی اس کمزوری کا سہارا لے کر
۔ اس کے ساتھ تم نے منہ کیا کالا
۔ کتنی گھناؤنی نکلی تمہاری نیائے
گنگادھر معمول کے مطابق لیٹ گیا اپنی جگہ
۔ تم تو یوں کہہ رہے ہو جیسے ہو وہ تمہارا کوئی سگا
۔ کلکتہ میں جینا ہے اسے
۔ سیکھنے دو ہر طرح کے طور طریقے
۔ ورنہ وہ کب جی پائے گا
۔ آگیا کسی کے شکنجے میں
۔ تو چکنا چور ہو جائے گا
دوسری صبح کھلی آنکھ تو جھبّو تھا غائب دوبارا
سب نے اپنا اپنا سامان ٹٹول کر دیکھا
جھبّو پھر ڈیرے میں ہوا نہ وارد

کسی نے کیا نہ اس کا تذکرا

مگر اسے ڈھونڈتا پھرا گنگا دھر سرپھرا

اس دوران ڈیرے میں سورج رام نے کیا پرولیش

الٹاڈانگہ کے موڑ پر اسے ملا تھا کام

آئس کریم کے چمچ اور تیلی بنانے کی فیکٹری میں

خراب آنکھوں پر موٹی عینک لگائے

وہ اکثر بنارس لکھا کرتا خط

جس کا جواب کبھی نہ آتا' مگر وہ اس کے آگے کچھ نہ بتاتا

وہ جس عمارت میں تھا دربان

اسے ایک غیر ملکی کمپنی نے خرید کر توڑ ڈالا تھا

ٹھیکیدار نے پولس' سیاسی پارٹی اور مقامی غنڈوں کی مدد سے

سارے کرایہ داروں' قبضہ داروں کو باہر نکالا تھا

مگر جب سے ہوا تھا جھنبو کا وہ واقعہ

میں پریشان پھر رہا تھا مارا مارا

مجھے چاہیے تھی مشین اور اسکے لئے ایک محفوظ استھان

مگر تیار نہ تھی اس کے لئے کوئی بھی دکان

آخر کار کلدیپ رام نے مجھے بھیجا صدر اسٹریٹ

جادو گھر کے پڑوس میں تھا وہ قدیم چرچ

اسکے دربان مائکل یادب نے ملایا ہاتھ

اپنی کھینی میں بنایا حصہ دار

۔ چرچ کے عقب میں ہے ایک غیر مستعمل کمرا

۔ مضبوط ہیں اسکے کواڑ

۔ اس میں بھرا پڑا ہے چرچ کا کباڑ
۔ مگر مجھے پہلے فادر سے کرنی ہو گی بات
۔ تم بھی مل لینا فادر ہرے رام کے ساتھ
۔ اطراف و جوانب کے سارے چور اُچکے بھوکے ننگے
۔ چاہے وہ خاموش فطرت کے ہوں
۔ یا کر رہے ہوں دنگے
۔ سب فادر ہرے رام کا احترام کرتے ہیں
۔ کچھ لوگ انہیں محض اسکے سبب بدنام کرتے ہیں
۔ نشہ خوروں کو جب ہوتی ہے پیسے کی تنگی
۔ یا کسی بھکارن کے پاس اگر حمل گرانے کے پیسے نہیں ہوتے
۔ فادر کے پاس آتی ہے وہ بھوکی ننگی
۔ اکثر پولس والے فادر کے پاس استفسار کے لئے آتے ہیں
۔ پاؤں پٹکتے ہیں، جھنجھلاتے ہیں
۔ فادر کے دوٹوک جواب سن کر لوٹ جاتے ہیں
دن بھر کے انتظار کے بعد بھی
جب فادر ہوئے نہ نمودار
تو میں چلنے کو ہوا تیار
کہ چاند نکل آیا، چمک اٹھے تارے
کچھ نشے کے سوداگر دکھائی دئے جادو گھر کے کنارے
دکھائی پڑی ایک گاڑی اٹھانے والی کرین
اسکے پیچھے لٹکی تھی ایک جیسی وین
ایک بندر (وہ عجیب الخلقت جانور) اسٹریٹ لمپ کی روشنی سے گزرا

اس نے دانت نکال کر ہمیں کوسا
چرچ کے احاطے کے اندر کود گیا
۔ فادر کا پیارا نارمن جیل
۔ بنارس سے جب فادر لائے تھے' تھا ہتھیلی بھر
۔ ایک ہی میز پر فادر کے ساتھ لیا کرتا ہے ڈنر
۔ قدرت تیرے بھی عجب کھیل
میں دوبارہ اٹھنے کو ہوا' کسمسایا' جم گیا
چاند کے ہالے پر ایک سایہ سا تھم گیا
مجھے اندر سے بدل رہا تھا اس گلی کا جادو
گویا دل نے کلکتہ کے شور پر پالیا تھا قابو
راستے پر لوٹ رہے تھے نشہ خوروں کے سائے
کوئی ایڑیوں کے بل ناچے' کوئی ماؤتھ آرگن بجائے
۔ پولس کا حصہ وصولنے آئے گی اریجن بی بی
۔ جب اسکا کام
۔ ہو چکتا ہے تمام
۔ وہ لیتی ہے چرچ کے پھاٹک کا جنگلہ تھام
۔ وہ کچھ بھی نہیں کہتی
۔ مگر جا چکی ہوتی ہے جب
۔ تو لگتا ہے جاگ اٹھے ہوں چرچ کے در و بام
۔ اریجن بی بی لائٹ ہاؤس کے باہر ٹکٹ کرتی ہے بلیک
۔ اسکے بھاری بھر کم کولہوں پر
۔ گندے فقرے چپکاتے ہیں دل پھینک

جادو گھر کی عمارت کی چھت سے اڑا
ایک بوڑھا کمزور عقاب
کارنس سے ایک بلی نیچے جھاڑیوں میں کودی
باہر سڑک پر نازل ہو رہا تھا انسان کا عتاب

لانبے دبلے فادر ہرے لام گونزالیز
باریک کمانی والی عینک اور واک مین لٹکائے
فری اسکول اسٹریٹ پر دھیرے دھیرے چل رہے تھے
انہوں نے دیوار سے لگے ایک مایوس انسان کو گدگدایا
ہوٹل فیئر لان کے پھاٹک سے نکلتے ایک بچے کو دی ٹافی
ایک رکشے والے کی لی سلامی
اسی طرح رکتا جھکتا کانپتا مسکراتا
اپنے لانبے چغے کے اندر لانبی ٹانگیں بڑھاتا
پھاٹک پر رک کر اس نے گلے سے لٹکا لیا ہیڈ فون
۔ اس بیوقوف پادری کا انتظار کر رہا ہے کون؟
۔ کیا دنیا میں اس بوڑھے کی بھی کسی کو ضرورت ہے؟
۔ لوگوں کو بیوقوف بنانے کی یہ بھی صورت ہے
مائکل یادب نے انہیں میرے بارے میں بتایا
فادر ہرے رام کی گھنی بھوؤں نے
باریک کمانیوں پر کر رکھا تھا سایہ
یکا یک ان کے لانبے ہاتھ میرے کندھے پر آئے
۔ بہت مہنگا پڑے گا تمہیں اس چرچ کا کرایہ

۔ ہر ہفتہ اس بوڑھے کو وزن بتانا ہوگا

۔ مگر ابھی فوراً چل کر میرے ساتھ ڈنر کھانا ہوگا

۔ اگر تم چلنے سے کر دو انکار

۔ تو مجھ پر خدا کی مار

میں گرا تھا گویا آسمان سے، یہ کیا ماجرا تھا؟

فادر ہرے رام تو پاگل ہیں، مجھے کیا پتہ تھا

مگر فادر تھے خود ایک نا چھوڑ بندے

اس بات سے لاپرواہ کہ میرے کپڑے اور جوتے تھے گندے

رکشا پر اپنے ساتھ بیٹھنے پر کیا مجبور

۔ کھانے کی جگہ ہے یہاں سے بس تھوڑی دور

۔ ہمارا میزبان ہے ایک رئیس گناہ گار

۔ مہربان ماں کی مہمانی کے عوض

۔ ہوا ہے ایک موٹی رقم سے بچھڑنے کے لئے تیار

۔ مگر اس نے ڈنر کی لادی ہے شرط

۔ آفس میں سجانے کے لئے اسے چاہئے ایک تصویر

۔ داتاؤں کے در پر یہ ہرے رام ہے خود فقیر

رکشا پر پیچ گلیوں سے چکراتا ہوا

ایک کشادہ سڑک پر نکل آیا

ایک نیم روشن پھاٹک پر ہمارا ہوا استقبال

مجھے لوگوں نے شبہ اور حیرت سے تاکا

ایک ظروف سے ڈھکی میز پر اکھٹے تھے لوگ

جگہ جگہ رکھے تھے شمعدان

گھڑی پال کس کا تھا وہ چہرا
جس پر لوگ دے رہے تھے خاص دھیان
سارے مہمان صاف ستھرے اور سبھیہ
میں ان پڑھ، پسینہ پھوٹ نکلا میرے ماتھے پر
بوڑھی جھریوں سے ڈھکے اس چہرے نے
کہ ساڑی کے حاشیئے سے ڈھک رکھی تھی پیشانی
کھانے سے پہلے کی اس نے پرارتھنا
۔ سارے دکھوں کا بوجھ اٹھانے والا ایک ماترمانب سنتان
۔ نہیں، ہمارا اپنا نعرہ یہ ہونا چاہئے
۔ سارے مانب ایک کے لئے
۔ اور ایک سارے مانب کے لئے
۔ کہ سب کے دکھوں کا ہو انت، سب کو ملے بھگوان
فوٹوگرافر کہ جھکے پڑ رہے تھے میز پر
ان کی تیز روشنیوں سے میری آنکھیں چکاچوندھ
میرے پڑوس میں بیٹھے بجن نے کھینچی میری آستین
۔ میں نے سنا تھا مادر ٹریسا ہیں بیمار
۔ کیا یہ وہ خود ہیں یا کوئی قائم مقام جنہیں ہم نہیں جانتے
میں نے بیوقوف بن کر ہلایا سر
جس کا مطلب کچھ بھی نکل سکتا تھا
اسی دوران فادر ہرے رام کھڑے ہو گئے تھے میز پر
ان کے لانبے قد کے اوپر آنکھیں روشن تھیں
سنائی پڑ رہا تھا شمعدان کے فلیتوں کا شور

۔ میں ایک معمولی سا گمنام پادری
۔ مادر کی یہ مہربانی کون سکتا ہے بھول
۔ فرشتے کرتے ہیں اپنا کام
۔ کتے اڑاتے ہیں دھول
۔ ہمارے ملک کے سفید فام رئیس زادے
۔ اس ملک کی گندی ہوا سے ڈرتے ہیں
۔ مغرب میں لوگ اپنے ہی طریقے سے مرتے ہیں
۔ میں نے کتنا اپمان سہا تھا ٹیمس ندی کے کنارے
۔ جب چرچ کی طرف سے دئے گئے ایک بھوج میں
۔ میں نے گنگا کو دنیا کا سب سے پوتر ندی کہا تھا
۔ مدر ٹریسا بھی وہی گنگا ندی ہیں
۔ جس میں مانجتا کی گندگی بہہ کر آتی ہے
۔ ہوتی ہے پاک
۔ کسی میں اتنی شکتی ہے کہ شیو کی طرح
۔ کر لے سارا وش پان
۔ کہ جگ کا ہو کلیان
یکا یک مجھے لگا لوگوں نے مجھے کر لیا تھا قبول
اب میں ان میں سے تھا ایک
یہ عورت جسے لوگ مدر ٹریسا کا نام دے رہے تھے
اس نے بڑھایا مری طرف روٹی کا ایک ٹکڑا
ہرے رام کی تقریر اور کیمروں کے چلنے کے شور کے باوجود
مجھے صاف سنائی دی اس کی آواز

۔ اپنی غریبی پر شرمسار نہ ہوں آپ
۔سب پر یکساں درشتی رکھتا ہے مہربان باپ
ان کی آنکھوں نے میرے باطن کو پڑھا تھا کتنا صاف
مجھے لگا اب میرا سر سمان سے اونچا دھرا تھا
فادر ہرے رام کا قصہ چل رہا تھا
۔ ہم کچھ دے کر مہان نہیں بن جاتے
۔ کہ ہم نے لے رکھا ہے اس سے قبل
۔ اگر ہم سب کے ساتھ کر سکیں انصاف
۔ تبھی ہم اس قابل ہوتے ہیں
۔ کہ سر اٹھا کر جی سکیں
۔ صاف ضمیر کے ساتھ ایک جام پی سکیں

ڈیرا سے میرا ٹوٹنے لگا تھا ناطہ
بھا گیا تھا مجھے چرچ کا احاطہ
چرچ، اسکول اور فادر ہرے رام کا رہائشی بنگلہ
چورنگی روڈ کے موڑ پر جادو گھر کے پھاٹک کا جنگلہ
وہاں پہلی بار دکھائی دیا بابا پیٹر
نشہ خوروں کے بیچ
اپنے بال نوچ رہا تھا دیوار سے لگ کر
کئی بار پولس لے جاتی مخدوشوں کو کالر تھام کر
مگر جس طرح بادِ پیا کا رخ ہوتا ہوا کی اور
جہاں ہوتے نشیلی دوا کے بیوپاری وہاں نشہ خور

مجھے شبہ کی نظروں سے دیکھنے لگا تھا من سکھ رام
۔ بھلا کسی ہرے رام گونز الیز سے تیرا کیا کام
۔ گھڑی پال، اپنی جڑوں سے الگ جانے کی کرو نہ بھول
۔ مُروبھومی میں اُگتے نہیں سوائے ببول
۔ اپنے راستے سے الگ ہٹ کر منزل کیا پاؤ گے
۔ کسی انجانی دلدل میں دھنستے چلے جاؤ گے
۔ یاد رکھنا ایک دن بہت پچھتاؤ گے
مجھ پر ہونے لگی تھی تیز من سکھ لال کی پکڑ
میں اسی کے ساتھ زیادہ وقت بتانے لگا تھا
یہاں تک کہ ایک دن میں اس کے ہمراہ
چل پڑا بڑا بازار کی اور
ایک پرانی عمارت کی بیٹھک میں لگے تھے توشک اور گاؤ تکیے
وہاں پہلی بار ملے شعلہ بیان اننت وید
کم گو بال چند اور تیز طرار گرمیت رام
۔ اپنے نئے اتیتھی کو سب کا پرنام
۔ وقت ہے نازک، اٹل فیصلے کا دور ہے
۔ اپنا طریقہ اور ہے، غیروں کا وطیرہ اور ہے
۔ اپنے ہندو جاتی کے منہ پر ہے طمانچہ
۔ ایودھیا پر کھڑا وہ وواد ڈھانچہ
۔ لوگ جا رہے ہیں اجودھیا کی اور
۔ دیش پریم اور دھرم بھاؤنا سے بھور
۔ وہ دن نہیں دور جب پھرے گا بھگوا جھنڈا

- ایک ایک کار سیوک ہوگا ایک مضبوط ڈنڈا
- اپنی ماتر بھومی کی بچار دھارا ہوگی نئی
- ہم کہہ پائینگے اپنے دل کی ساری ان کہی
پنیر پکوڑا اور جلیبی کا ناشتہ
ہر عقیدہ پر بھگوان شری رام کا واسطہ
میرا دل گدگدا اٹھا' کتنا تھا مہان
مجھے اس سے پہلے کہاں تھا اپنے دھرم کا اتنا گیان
انہوں نے کیا کیا خاک جنہوں نے دیا پران
ٹکا ہے ہندو جاتی پر اس دیس کا سمّان
من سکھ لال کہ تھا اپنا یار
اسے اب دل سے کرنے لگا تھا پیار
اپنی فرصت میں پھر سے، ہم نے شروع کی ندی کی سیر
کوک بھرتے لانچ پر ڈالتے نظر
دیکھتے دیکھتے رات کو روشنیاں پانی پر بچھ جاتیں
گھاٹ کے مندروں میں گھنٹیاں بجنے لگتیں
بجروں میں جل اٹھتی لالٹین
اور طوائفیں گاہکوں کے لئے سجنے لگتیں
- ذرا سوچو' گنگا ماں کا کس قدر ہے برا حال
- اب ذرا غور سے میری بات سنو گھڑی پال
- ہمارے کاریہ لئے میں کار سیوکوں کی ہو رہی ہے بھرتی
- وہ دن دور نہیں جب کانپ اٹھے گی اپنی دھرتی
- کیوں نہ تم بھی دو ہمارا ساتھ

۔ بنارہے ہیں ہم شہید جتھا

۔ اپنے خون سے ہم لکھینگے ایک نئی کتھا

۔ اس پوِتر بھومی پر ایک نیا اتہاس رچائینگے

۔ یا تو خود گر جائینگے

۔ یا اس ڈھانچے کو گرائینگے

میری آنکھوں سے نکل پڑے خوشی کے آنسو

کب اس لائق تھا گھڑی پال تُو

اس حقیر سے کیڑے کا یہ سمان

جگ میں سب سے اونچا ہے ہندو جاتی کا استھان

ایک نئے جوش نئے ولولے سے شرابور

میں دنیا کو نئی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا مغرور

اکثر آدھی رات نیند سے جاگ کر بیٹھ جاتا

تاروں کے جال کے نیچے بیڑی سلگاتا

ایک مہان بچار دھارا میں شامل ہو جاتا

ہماری ٹریننگ ہو رہی تھی

ایک بوسیدہ عمارت کے اندر

کیسے دے سکتے ہیں ہم

اینٹ کا جواب پتھر

یہ دیس اپنا ہے، پولس اپنی ہے، اپنی ہے نیا لائے

پھر بھی پھوڑے کی طرح ہماری چھاتی پر کھڑی رہے

بابر کی یہ انیائے

اور جب کہ سارے ملک میں بس ایک ہی تھا شور
میں چل پڑا ایک بس میں بیٹھ کر
کوئلو رندی کی اور
کون جانے میرے بیوی بچوں سے ہو یہ آخری بھینٹ
کتنے سارے سوال کھڑے کر دیتا ہے یہ پاپی پیٹ
پہلی بار زندگی میں میں نے اپنے بچوں کو غور سے دیکھا
میری بیوی کی عمر ڈھل رہی تھی
کسی موم کی طرح وہ اندر ہی اندر پگھل رہی تھی
بلا وجہ اس کی آنکھوں سے پھوٹ پڑتی
گرم پانی کی دھارا
جاڑے کی کہاسے بھری راتیں
ریت کا ٹھنڈا کنارا
میں پل کے نیچے بیٹھا ریت مٹھی میں بھرا کرتا
کاش میں سات بچے پیدا نہ کرتا
اکیلی یہ بوجھ کیا ڈھو پائے گی بیچاری آرتی
وہ ٹھہری دمّے کی پرانی شکار
اس کی جان ہی تو لے لیتی ہے برسات کی پھوار
گاؤں میں شراب کی غیر قانونی دکان کے مالک
دھن راج اور سیتا رام بیراگی
اور ان کے منہ بولے بیٹے گونگا جئے پرکاش
مجھے دیکھ کر خوش ہوتے
دیسی شراب کی بوتل کھولتے

کھاٹ پر میرے سامنے گیلے اخبار پر بھیگا چنار کھتے

۔ گھڑی پال، ہم بھی کارسیوا کو جارہے ہیں

۔ ہمارے مہاجن سیٹھ مٹھائی لال جین

۔ ہمارا سارا خرچ اٹھا رہے ہیں

۔ ہم ایمبسیڈر میں جائینگے

۔ ہوسکا تو پون پُتر کی طرح ایک گنبد ہی اٹھا کر لائینگے

۔ ہمارے ساتھ ہونگے بھاگ سنگھ اور دھنا لال

۔ چاہو تو تم بھی شریک ہوسکتے ہو گھڑی پال

میرے پاس جواب میں تھا کیا بھلا

میں تو خود تھا شرمسار

کارسیوا سے بھاگ نکلا تھا

اپنے بیوں بچوں کی موہ میں آکر

میں نے کتنا بڑا اسمان کھو دیا تھا

اب میں من سکھ لال کو کیا منہ دکھاؤنگا

یا تو ہوگلی ندی میں کود پڑوں گا

یا واپس کلکتہ نہ جاؤنگا

گاؤں کی چوپال پر بوڑھے اور جوان

دکھانے والے تھے کارسیوکوں کو سمان

دھن راج اور سیتارام کی گاڑیوں پر پھول برسائے گئے

تمام جاتریوں کی گردن پر پھولوں کی مالا چڑھائی گئی

سنکھ پھونک کر لوگوں نے کیا جئے جئے کار

اور جب وہ جاچکے تو ہر کسی کی آنکھیں تھیں

اور ٹی وی یا اخبار
جس دن گرا مسجد کا ڈھانچہ
میں کوئیلو ر ندی کے کنارے
اس کی صاف شفاف ریت پر بیٹھا تھا سر جھکائے
اچھا ہوا گر مجھے موت آ جائے
لوہے کے پُل سے بھاری بھرکم لاریاں گزر رہی تھیں
ندی پار کہ تھا میاں بھائی کا ٹولہ
وہاں سے طرح طرح کی خبریں آ رہی تھیں
چوتھے دن لوٹ آئے گاؤں کے ساتوں کارسیوک
چوپال سجائی گئی، دھن راج نے بھاشن دیا
بھاگ سنگھ نے ڈھانچے کا ایک ٹکڑا دکھایا
چوپال کے لوگوں نے جئے شری رام کا نعرہ لگایا
اور کچھ نے تو اس ٹکڑے کو اٹھا کر چوم لیا
چوپال میں بٹ رہی تھی مٹھائی
کہ بوڑھے شیو چرن لاٹھی ٹیکتے ہوئے آئے
اس کی کمانیوں والی غلیظ عینک پر
دوپہر کی کڑی دھوپ بیٹھی تھی
اس نے اپنی انگلی سے کیا اشارا
۔ خوب تو ہو رہا ہے ان چاروں کا سمان
۔ مگر کسے ہے ان کے اصلی روپ کا گیان
۔ یہ سورما ایودھیا تو گئے مگر کوئی ان سے پوچھے
۔ کیا اس ہریجن ناری کا اغوا تھا لازم

- جسے وہ راستے سے اپہرن کرلائے

اٹھ کھڑے ہوئے دیوقد دھنا لال اور بھاگ سنگھ

- اتنے مہان کاریہ کے بعد یہ گھورا پمان

- سورما میدان میں جاتے ہیں

- جو بھی ہاتھ لگے لوٹ کر لاتے ہیں

- اچھا ہے کوئی دے نہ ہمارے ذاتی معاملے میں دخل

- ہم نے گاؤں کی اونچی کی ہے ناک

- ہمیں نہیں بھاتا کسی دوسرے کی یہ تاک جھانک

اس رات گاؤں پر گویا

ایک مرتیو جیسی خاموشی طاری تھی

ہر کسی کی آتما پر یہ رات بھاری تھی

ندی کی اور سے آکر

کہاسے نے پھیل کر ڈھک لیا تھا سارا گاؤں

مگر اپنے پاپ سے کتنا سہا ہوا تھا اپنا گاؤں

ہنومان مندر کے پیچھے، تاڑ کے پیڑوں کے نیچے

جہاں جگنو لگاتے ہیں جمگھٹا

ایک پرانے مکان میں کھڑکی کے سلاخوں کو تھام کر

اس کی بڑی بڑی آنکھیں تاک رہی تھیں دور

جنے پرکاش باہر برآمدے میں کھینی پھانک رہا تھا

اس نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں نچائیں

کھڑکی کی طرف رخ موڑ کر لڑکی کو اندر بھگانا چاہا

پھر اس کی گونگی زبان

بے چینی سے تالو کے نیچے مچلنے لگی

میں نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے اس لڑکی کو دیکھا

اتنی دوری کے باوجود اس کے سرخ ہونٹ

گلابی رنگ اور آنکھوں کی بے پناہ اداسی

گویا پورے ماحول پر یاسیت انڈیل رہی تھی

جانے کہاں سے دھن راج اور سیتارام بیراگی

بھاگ سنگھ اور دھنا لال کے ساتھ دکھائی دیے

جئے پرکاش کی گونگی زبان پھر بھی مچلتی رہی

اس کی آواز سے سناٹے میں لایعنی دراڑیں پڑتی گئیں

لڑکی کی آنکھوں میں ایک ڈر سلگ اٹھا

جو اس وقت تک نمایاں نہ ہو پایا تھا

گویا سلاخیں گرم ہو کر اس کی انگلیوں کو چھو گئے

مگر وہ پھر بھی اپنی جگہ خاموش کھڑی رہی

جئے پرکاش دکھائی دیا گاؤں کے راستے پر

اس نے دھوتی کے انگوچھے میں بیرا کھٹے کر رہے تھے

وہ ان کے بیچ تھوکتا جا رہا تھا

میں لوٹا تو گاؤں میں ہو چکی تھی شام

گلی کوچوں میں تھی فسادات کی خبروں کی بوچھار

لوہے کے پُل سے گزر رہی تھی لاریوں کی قطار

جن میں فوجی بیٹھے تھے چست اور چوکنے

ان کے بیونٹ کے سبب

لاریاں خار پشت کی طرح دکھائی پڑ رہی تھیں
اسی رات میں
آرتی کے ننگے سینے پر رکھ کر ہاتھ
کروٹیں بدلتا رہا
دریا پار سے آ رہی تھیں چلاّنے کی آوازیں
کہیں گولیاں چل رہی تھیں، یا تھا میرا وہم
ہمارے گاؤں میں تھا ہر طرح کا سامان بہم
دوسرے دن چوپال پر تھی بلا کی بھیڑ
لوگ ٹی وی پر پڑھی جانے والی خبروں کے منتظر
برگد کی شاخ پر بیٹھے تھے دو باز
لوگوں نے بہت ہی پراسرار طور پر
کارسیوکوں کے چرچے سے کیا تھا احتراز
اندھے وشنو دیاس نے کہنی مار کر مجھے کیا محسوس
۔ گھڑی، چوکنا رہنا، آس پاس نہ پھر رہا ہو جاسوس
مجھے اس کی بات سمجھ نہ آئی
میں اٹھا اور روانہ ہو گیا ندی کی طرف
میں اونچے راستے پر چڑھا اور پُل پر چلنے لگا
ایک فوجی ٹرک مجھے نظر انداز کرتی گزر گئی
ایک گلہری کہ اپنی دم اٹھائے
سڑک کے بیچوں بیچ بیٹھی تھی
مجھے دیکھتے ہی ڈر گئی
میں نے اسے آخری بار دیکھا

تو وہ پل کے آہنی فریم سے اوپر جا رہی تھی

اسنے آخری بار مجھے مڑ کر دیکھا

تو اس کی آنکھوں میں جانے کیوں

مجھے دکھائی دیں کسی دوسرے کی آنکھیں

جو یاسیت سے بھری تھیں

اور سلاخوں کے پیچھے سے نکل کر

انہوں نے بری طرح مجھے اپنے نرغے میں لے لیا تھا

یہاں تک کہ میرے اندر سکت نہ تھی

کہ اپنے ہاتھ پاؤں ہلا سکوں

اپنی مدد کے لئے کسی کو بلا سکوں

میں کلکتہ واپس لوٹا تو شہر بدل چکا تھا

یا شاید یہ میں تھا جو بدل چکا تھا

یا شاید کچھ بھی نہیں بدلا تھا

مگر اسے ہم سویکار نہیں کر پا رہے تھے

یا شاید سب کچھ بدل چکا تھا

مگر اسے ہم سویکار نہیں کر پا رہے تھے

فادر ہرے رام نے ایک دن مجھے ڈنر پر بلایا

میں نے نارمن جیل سے ہاتھ ملایا

۔ گھڑی، میں ملانا چاہتا ہوں اپنے نئے دوست سے

۔ اسے ایک ساتھی کی ضرورت ہے

اور اس طرح ہوئی بابا پیٹر سے میری ملاقات

پیٹر کہ اسکا دن تھا نہ اسکی رات

ویلسیان چرچ کے باہر فٹ پاتھ پر

ہم کھاتے رہے بیٹھ کر کیک

بظاہر ہم دو بندے تھے کس قدر نیک

مگر ہمارے اندر کیڑے پل رہے تھے

ہماری رگوں میں جوالا مکھی کے ٹھنڈے شعلے ابل رہے تھے

بابا پیٹر کہ لگ رہا تھا یسوع مسیح کی مورت

- گھڑی، میں نے بہت کچھ کھویا

- مگر جو پایا اسکی کس کو تھی ضرورت؟

- تم نیک بندے ہو، میں بھومی پر پھینکی ہوئی گٹھلی

- میرے نصیب میں جوتے کی نوک پر جینا لکھا ہے

- اس شہر کے گٹر کا پانی پینا لکھا ہے

- مجھے اپنا دوست سمجھتے ہو تو یہ ہے تمہاری بھول

- قبر پر چڑھائے نہیں جاتے باسی پھول

میں تیر رہا تھا بابا پیٹر کی سرخ پتلیوں میں

کون سا راز ڈھور رہا تھا وہ اپنی آنکھوں میں

کتنا درد بھرا تھا ان سوراخوں میں

جیسے کوئی پرندہ جس کے جھڑ چکے ہوں پر

کتنا بے بس کتنا لاچار

آنسو کا ایک سمندر تھا بابا پیٹر

جس کی تہہ کا پتہ لگانا تھا دشوار

- ایک لمبی موت کا آنند ہے یہ اپنا جیون

- مگر رات کے گربھ سے ہی پھوٹتی ہے دن کی کرن
- ہم بلاوجہ پاپ اور پنیہ کے جھمیلے میں پڑتے ہیں
- اپنے ہی بنائے ہوئے گڈھوں میں سڑتے ہیں
- مگر پیٹر میں نرا جاہل' شاید میرے پاس نہیں وہ گیان
- متھا مٹی پر ٹیک کر جس کا لوگ کریں سمان
- مگر اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ منشیہ
- نہ اپنے باہر بھاگ سکتا ہے نہ اپنے اندر
- ہم بادلوں میں ٹھکانہ کرتے ہیں تلاش
- مگر زمین کے کیڑے کھاتے رہتے ہیں ہماری لاش

بابا پیٹر کی آنکھوں میں حیرت جاگی
اس نے کانپتے ہاتھوں سے میرے کندھوں کو دھرا

- پال مین' کہو اور بھی کھوٹا یا کھرا
- سچ کسی کے باپ کی نہیں جاگیر
- اور یہ سچ ہے میں کب بننا چاہتا ہوں درد کی تصویر؟
- مگر کیوں مجھے ہر طرف دکھائی دیتے ہیں بھوت!
- مجھے اٹھا کر کیوں نہیں لے جاتا تمہارا یم دوت!

میں نے مسکرا کر پیٹر کی داڑھی میں پھنسائی انگلیاں

- مائی ڈیئر پیٹر
- ہم سب اپنا اپنا بھوت لئے پھرتے ہیں یہاں
- اس سے ڈرتے ہیں' اسے آگ میں ڈالتے ہیں
- اس پر ہتھوڑے برساتے ہیں' اسے گرم پانی میں ابالتے ہیں
- کیلوں سے ٹھونکتے ہیں' اسکا کچومر نکالتے ہیں

۔ مگر بھوت کیسا بھوت اگر مر جائے
۔ یہ تو انسان کے اندر لکھا ہے کہ وہ اس سے ڈر جائے
۔ ہم زیادہ سے زیادہ سیکھ سکتے ہیں
۔ رہنا ان بھوتوں کے ساتھ
۔ اور پیٹر ڈیئر
۔ ان بھوتوں سے گھڑی نہیں کچھ صرف تمہاری ذات
۔ یہ ہے اپنی ماتر بھومی کا کمال
۔ سب کا اپنا اپنا بھوت
۔ سب کی اپنی اپنی رات
بابا پیٹر سے ہماری ملاقات ہو جاتی بلا ناغہ ہر شام
مگر اسی دوران دیس میں چل پڑی تھی
دنگوں کی لہر
جانے یہ کس دیوی کا تھا قہر
محمد پنیر کی آنکھوں نے مجھے کیا تھا اسویکار
لوگوں کو بانٹنے لگی تھی
نفرت اور شبہ کی دیوار
من سکھ لال کی تیوری پر پڑ رہے تھے بل
مگر وہ ہو گیا تھا کم گو اور چڑ چڑا
ہر موڑ، ہرنا کے پر افواہیں پھیل رہی تھیں
نہیں ہو رہا تھا ان کا گربھ پات
بم بنائے جا رہے تھے' اکٹھے کئے جا رہے تھے ہتھیار
۔ بہت ہو چکا اس پار یا اُس پار

میرا کاروبار ٹھپ پڑا تھا

میں مارامارا پھر رہا تھا بیکار

کبھی ڈیرے میں مارتا مکھیاں

کبھی گنگا کے کنارے بیٹھا رہتا گھاٹ پر

پان کی جگالی کرتا بیٹھا کھاٹ پر

دام سنگھ سر ہلاتا پان پر پان چباتا

۔ سارے چیلے چپاٹی جانے کہاں جا مرے

۔ اب تو لگتا ہے بیٹھ کر کروں ہرے رام ہرے ہرے

۔ ٹینگرا میں لوگ جلا رہے ہیں ریفوجیوں کے گھر

۔ لگتا ہے گنگا کے پانی تک کو ڈس چکا ہے ایک ڈر

۔ مسلمان ملاح بجروں میں رکھنے لگے ہیں ہتھیار

۔ اور ڈوم پٹی کے اہیر کھائے بیٹھے ہیں خار

۔ ہر کوئی مرنے مارنے پر تیار

۔ حالت ہر جگہ ایک ہے' اس پار یا اس پار

جب تک شہر میں نافذ رہا کرفیو

ہم ڈیرے میں سڑتے رہے

اس تاروں بھرے آسمان کے نیچے

جانے کتنے گھر اجڑتے رہے

شہر در شہر قتل عام کی خبریں آ رہی تھیں

ہمارے لئے جیت اور ہار کا نسخہ لا رہی تھیں

جانے تھی کیا بات

رام جی پرسادلڑ پڑا امن سکھ لال کے ساتھ

- یہ سب ان لوگوں کے ہیں چونچلے
- جو بیٹھے ہیں سکوں کے انبار پر
- بھیڑ بکری کو لڑا کر دیکھتے ہیں تماشہ
- خود ان کے گھروں میں تو بھرا پڑا ہے مکھن اور بتاشہ
- ہم غریب بھوکے مرتے ہیں، جہنم کو جاتے ہیں
- آپ اپنے گھر آنگن گھی کا دیا جلاتے ہیں

ٹمٹمار ہے تھے اس کے گورے نفیس گال

کیا کرتا بیچارا من سکھ لال

- محمڈن اسپورٹنگ کلب کا وفادار
- کامریڈ رام جی پرساد نمسکار!
- اس بار رمضان میں آپ ضرور کھلائیں حلیم
- اور عجب نہیں جو نام بدل کر رکھ لیں عبدالرحیم
- میں کہتا ہوں کیوں نہ ہو جائے ہندو جاتی کا انت
- کیا کر پائینگے مٹھی بھر سادھو اور سنت
- سب کو تو اپنے اپنے چولہوں چوکوں کی پڑی ہے
- کس کو کیا لینا جو ہندو جاتی پر بپتا آپڑی ہے
- ہزاروں ہزار مندر ڈھائے گئے بنگلہ دیش اور پاکستان میں
- دیکھو تو جوئیں تک نہیں رینگی کسی کے کان میں
- ایک پرانا ڈھانچہ کیا گرا مچ گئی ہاہا کار
- کیا کیا نہ شور مچائے ٹی وی اور اخبار
- ہر روز جھوٹ کا انبار کھڑا کرتا ہے بی بی سی لنڈن
- مگر کون کرے ان خبروں کا کھنڈن

- غیر کیونہ کریں ہمارے خلاف جہاد

- ہماری جھولی میں بس ایک بجن وہ بھی رام جی پرساد

گنگادھر نے تائید میں ہلایا سر

کیا رتیج خارج جگہ بدل کر

- مجھ سے نہیں سہا جاتا یہ روز روز کا بکھیڑا!

- دی جائے ایک بڑی قربانی

- دودھ کا دودھ پانی کا پانی

- کچھ اچھی نہیں لگتی اس دیس کی گتی

- حارون حقاق تو بیٹھ کر پیے حوالات میں چائے

- پولس کی گولی سے مارا جائے سماج پتی

دام سنگھ نے فٹ پاتھ پر ماری پیک کی دھار

- ان سالے غنڈے موالیوں کا کیا بھروسہ

- ایک ہی پات پر کھاتے ہیں ہلدی رام کا سموسہ

- ہر سال کھیلا جاتا ہے یہ کھیل

- مجھے پتہ ہے چٹکی اور داڑھی کا میل

- اب قربانی کے لئے بکرے نہیں پالے جاتے

- دھرم کے نام پر جلوس ہیں نکالے جاتے

غرض تھا وقت کاٹنے کا یہ اچھا وسیلہ

بجھانے کو دل کی آگ

سارے بجا رہے تھے

اپنی اپنی ڈفلی' اپنا اپنا راگ .

جس رات ہوا گنگا دھر کا خون
وہ چاندنی سے ٹیپو سلطان مسجد کی طرف آ رہا تھا
زندگی گنوانے کے لئے راستہ بچا رہا تھا
شہر کی ہوا میں ابھی تک ٹھیک سے آئی نہ تھی سدھار
کہ ہو گیا وہ خود ہی اپنی نفرت کا شکار
جس کا ان دنوں اپنے ڈھنگ سے
کرنے لگا تھا وہ پرچار
جب لائی گئی تھانے کے احاطے میں اس کی لاش
ہم سب اپنے ڈیرے میں کھیل رہے تھے تاش
ہم بھاگے بھاگے پہنچے مگر اسی درمیان
لاش جا چکی تھی مردہ گھر
پولس کی سخت پابندی لگی تھی اس پر
من سکھ لال کی آنکھیں تھیں لال

- عجب دور ہے
- ہم اپنے مردوں پر بھی نہیں رو سکتے
- کاش ہم بھی پتھر ہو سکتے
- ہم سے نہ بھڑکنے کی رکھی جاتی ہے امید
- دوسرے سڑکوں پر منائیں خون کی عید

جاگی تھی لہر نفرت کی پھر ایک بار
اس بار اس میں شامل تھے ہم بندے چار
چلا تھا گروہ جان بازار سے گول تالاب
جن سڑکوں پر مہکتا رہتا تھا سیخ کباب

اب اسکے فٹ پاتھ پر کتے لوٹ رہے تھے
بھکاری ڈرے سہمے کونے کھدروں میں چھپے تھے
دوپہر کی ملائم دھوپ کا کسے تھا احساس
ہم سن پا رہے تھے ایک دوسرے کی سانس
جانے کب ہر ہر مہادیو نعرۂ تکبیر سے ٹکرایا
سب کے کپڑوں میں چھپا ہوا ہتھیار نکل آیا
گلی کوچوں میں چھوٹ رہے تھے بم
اینٹ کا جواب پتھر سے دے رہے تھے ہم
جانے کتنی دیر چلا کیا یہ خونی سوال جواب
کون گرا کون مرا تھا کس کے پاس حساب
ایک نکڑ پر دکھائی دی پولس وین
دوسری گلی کی طرف ہم لوگ بھاگ نکلے
وہ درندوں کی بھیڑ تھی جس سے بھاگ رہا تھا انسان
یا انسان دوڑا رہے تھے ایک درندے کو
اٹھائے بلّم اور بھالے، چاقو اور گنڈاسے
یہ وقت طے کرنے کا نہ تھا کچھ
ہم دوڑ رہے تھے ایک سنسان گلیارے میں
کہ لگی مجھے ٹھوکر میں لڑکھڑایا
گرتے مجھے سب نے دیکھا، کسی نے نہ اٹھایا
میرے داہنے ٹخنے سے خون ہوا جاری
میں کسی طرح اٹھا، چلنے لگا پاؤں گھسیٹتا
جو ہو گیا تھا منوں بھاری

ایک مشنری اسکول کے پھاٹک کے اندر

اپنے بال بچوں کے ساتھ دبکے بیٹھے تھے کچھ بھکاری

وہ پھاٹک کا جنگلہ تھام کر زور زور سے ہلانے لگے

مجھے چلے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے چلانے لگے

رستے ہوئے خون کے ساتھ میں بڑے راستے پر نکل آیا

جسے ڈھک چکا تھا عمارتوں کا سایہ

ہوا چلنے لگی تھی تیز

سردی سے میرے دانت بجنے لگے

چکرا رہا تھا میرا سر' پر میں سنبھل رہا تھا

درد کا ایک جوالا میرے اندر جل رہا تھا

مجھے پتہ نہ تھا کدھر جا رہا تھا میں

شاید جدھر جانا تھا ادھر سے واپس آ رہا تھا میں

نزدیک و دور شور وغل ہاہا کار

لوگ ایک دوسرے سے خوفزدہ نعرے لگا رہے تھے

بالکنیوں اور دریچوں سے تاک رہی تھیں حیران آنکھیں

میرے پاس تھا نہ کچھ چارا

میں تنہا' کمزور' بے سہارا

دشمنوں کی بستی میں پھر رہا تھا مارا مارا

اٹھا ایک دہشتناک غوغا کسی قریب کی گلی میں

میں دہل اٹھا عالمِ بے بسی میں

میں نے ایک دیوار سے چپک کر روک لی سانس

دکھائی دی ہتھیار بند لوگوں کی بھیڑ

لوگ بڑی شاہراہ کی طرف جا رہے تھے
گرچہ میں نمایاں کھڑا تھا اس مقام پر
اور میرا خون لازمی تھا مذہب کے نام پر
ان کی متلاشی آنکھیں کسی اور نشانے پر لگی تھیں
گزر رہا تھا حملہ آوروں کا آخری جتھا
کہ ایک نے کیا میری طرف اشارا
سست ہونے لگے ان کے پیر
وہ تینوں مڑ کر میری طرف آنے لگے
میں دیوار سے لگا پیچھے کی طرف سرکنے لگا
قطرہ قطرہ خون تارکول کی سڑک پر ٹپکنے لگا
بھلا سما پاتا کب میں دیوار کے اندر
جانے کب میں تھم گیا خود مجھے نہ تھی خبر
ہاتھوں میں تھامے تلوار بلم اور گنڈاسا
وہ تین
گویا صدیوں تک دیکھا کیے میرا تماشہ
۔ یہ بھی کوئی سڑک پر چلنے کی تمیز ہے
۔ اس سے پوچھو یہ کیا چیز ہے
۔ ہر طرف منڈلا رہی ہے موت' یہ ہے بے باک کھڑا
۔ لگتا ہے اسکے مرنے کا ارادہ ہے کڑا
۔ ابے کیا نام ہے تیرا' کچھ تو منہ سے پھوٹ
۔ کہ تیری پتلون اتار کر پکڑ لوں تیرا جھوٹ
آہ' میں نے نے ٹھنڈی سانس لی' بتایا اپنا نام

وہ لوگ واپس جانے لگے آپس میں کرتے کلام
میں لنگڑاتا ہوا چل پڑا
کہ ایک گلی میں ایک ہاتھ نے مجھے اندر کھینچا
۔ بیوقوف گھڑی پال
۔ تجھے کیا معلوم ان گلی کوچوں کا حال
میں نے سامنے بابا پیٹر کو کھڑا پایا
وہ بہت دیر سے میرے پیچھے تھا' اس نے بتایا
میں اس کے ساتھ ایک دوسری گلی میں داخل ہوا
جسے دیکھ کر میں رہ گیا دنگ
جانے وہ گلی تھی یا سرنگ
گونجی اس سرنگ میں بابا پیٹر کی آواز
۔ ہم کیوں نہ کریں اپنی درندگی پہ ناز
۔ یہاں پر الگ الگ خداؤں کے الگ الگ راستے
۔ انسان جئے تو کس خدا کے واسطے

بابا پیٹر کے گھر میں نے گزارے
تین دن اور دو رات
میرے زخم پر اسنے کی تھی شاندار مرہم پٹی
پلایا تھا مجھے گرم گرم ٹماٹر سوپ
خالی پنجروں میں بیٹھی تھی جاڑے کی دھوپ
یہ بالکونی کافی تھی مجھے کرنے کے لئے حیران
ان پنجروں میں کہیں نہ تھا کسی چڑیا کا نشان

پھر بھی پنجڑے کتنی بڑی تعداد میں لٹک رہے تھے؟

بابا پیٹر نے میرے تجسس کو سنی ان سنی کی

وہ گھنٹہ دو گھنٹہ کے لئے باہر جاتا

ہر بار مجروح و مفتوح واپس آتا

آرام کرسی پر گر کر طنز سے مسکراتا

۔ پہلے تو پاگل پن کا دور چلا

۔ اب کر دیا گیا ہے کرفیو نافذ

۔ جیسا کہ انھونی انکل کہتے ہیں

۔ اس ملک کا اب تو خدا ہی حافظ

۔ شاید تمہارا ارادہ کتے کی موت مرنا تھا

۔ گھڑی پال تمہیں اس جانب رخ نہ کرنا تھا

۔ دھرم ذات پات اور رنگ

۔ یہ سارے کے سارے بہانے ہیں

۔ اس شہر کے گلی کوچے، خاص دنوں میں

۔ اپنے ہی ڈھنگ کے پاگل خانے ہیں

لاجواب بیٹھا میں لیا کرتا چائے کے گھونٹ

بڑے کام کے نکلے تھے

میری جیب میں جو پڑے تھے چند نوٹ

بابا پیٹر جانے کہاں سے خرید لایا ووڈکا کی ایک بوتل

۔ گاڈ المائٹی نے صحیح سمئے پر ہُن برسایا ہے

۔ گھڑی پال کچھ بلا وجہ ہی اس طرف نہیں آیا ہے

جاڑے کی رات مگر دھندلے چاند تارے

آسماں جڑا تھا کہیں کہیں بادلوں کے سہارے

سارا شہر خاموش، تارے چپ

عظیم الشان گنگا کے دونوں کنارے چپ

ہمیں گرفت میں لے چکا تھا نشے کا پہلا سرور

جا چکی تھی نفرت و غلاظت دور

جیسے ہم اندر سے شراب کے ذریعے

دھل کر ہو رہے تھے پاک

ہماری بھاؤناؤں کی مٹی سے

نئی شکلیں ابھار رہی تھی ہمارے دل کی چاک

۔ میرے ٹیچر جوسف جیکب کہ جا بسے ہیں کناڈا

۔ اکثر آتے رہتے ہیں ان کے خطوط

۔ کئی بار انہوں نے میرے لئے ویزا کا کیا انتظام

۔ مگر میں بھی ہوں اپنے ڈھنگ کا کپوت

۔ جس شہر نے مجھے توڑ کر کیا ہے چکنا چور

۔ تم ہی بتاؤ گھڑی پال

۔ بھلا اس شہر سے میں کیسے رہ سکتا ہوں دور

میں نے اپنے پیر لوہے کی کرسی پر پھیلایا

کیا پنجڑوں کی طرف اشارا

۔ ہم اپنے پنجڑوں میں قید وہ پنچھی ہیں

۔ جو کہیں نہیں جاتے

۔ اچھا ہوتا جو پنچھی

۔ خود ہی اپنے پنجڑے اڑا لے جاتے

بابا پیٹر ڈھیر سارے انڈے تل کر لایا
اس نے آملیٹ بڑی نفاست سے میز پر سجایا
۔ بند نہیں ہوتا کبھی خدا کا کارخانہ
۔ مرغیاں انڈے دیتی رہتی ہیں
۔ بقدرِ خواہش بھرتا رہتا ہے پیمانہ
نیم شب ایک عجیب میٹھی آواز نے مجھے جگایا
کھڑکی سے اندر گر رہا تھا چاند کا سایہ
جس نے دھار لیا تھا شیر کے سر کا روپ
بابا پیٹر نے پیانو پر ایک موم بتی جلائی تھی
اور چھیڑ رہا تھا اس کی چابیوں کو
ماحول میں عجیب اداسی چھائی تھی
پڑا جو میرے سر کا سایہ سامنے کی دیوار پر
بابا پیٹر نے مجھے دیکھا سر موڑ کر
مسکرایا اپنے آنسوؤں کے اندر
انگلیاں اونچی کیں، مجھ سے کچھ کہا
مگر پیانو کی آواز کمرے میں پھیلا کی
میں نے پیٹھ دیوار سے ٹکا کر
باندھ لئے سینے پر دونوں ہاتھ
پاؤں کی انگلیوں کو مروڑتے ہوئے
اس کے فن سے محظوظ ہوتا رہا
میرے اندر ٹوٹتے رہے تارے
میری آنکھوں میں ابھرتے رہے فاصلے

جانے کب میرے رونگٹے ہو گئے کھڑے

مجھے بہالے جا رہا تھا اس کی انگلیوں کا طوفان

مجھے لگا بالکنی میں پنجرے ہل رہے تھے

سارے دروازوں اور کھڑکیوں کے لب سل رہے تھے

میں بابا پیٹر کے باوجود گرا جا رہا تھا پاتال میں

کیا مرنے کی بھی طاقت نہ تھی گھڑی پال میں

یہ کس ویرانے کی طرف ہم اڑے جا رہے تھے باہم

جانے کس کا جادو تھا یہ

یقیناً بابا پیٹر ایک مہرا تھا

جانے کب گیت فرد ہو گیا

پیٹر دکھائی دیا سرہانے

اسکے لمبے بال چہرے پر بکھرے ہوئے تھے

- گیانی تو چلا چلا کر بے انصافی کا اٹھاتے ہیں ترک

- اپنا غم پی جاتے ہیں چپ چاپ دیوانے

میری پیشانی پر اترا

اسکے ٹھنڈے ہاتھ کا کنول

جیسے کسی نے میری آتما پر چھڑک دی ہو گنگا جل

دھیما پڑنے لگا تھا شہر کا پاگل پن

دھند کی چادر سے عمارتیں باہر آ رہی تھیں

دھند جو ہمارے اندر بھری تھی

اور گرچہ شہید مینار کے ارد گرد

چلنے لگی تھیں بسیں اور ٹرام
اور کھل گئے تھے ہوٹل اور رستوران
ٹھیک سے شروع نہ ہو پائی تھی میری دکان
اور میں معمول کی طرح دریا کنارے بھٹک رہا تھا
دریا کو بہتے دیکھتا تھک رہا تھا
کہ مجھے دوڑتے دکھائی دئے رام جی پرساد
وہ ایک گھاٹ پر کھڑے اپنا ہاتھ ہلا رہے تھے
اس کے ساتھ تھا دام سنگھ
پان کی گلوری سے ابھرا ہوا داہنا گال
۔ تمہیں کچھ پتہ بھی ہے گھڑی پال
۔ وہ کل کا چھوکرا جھبّو
۔ ٹوٹے نہیں جس کے دودھ کے دانت
۔ ہے پولس کے لاک اپ میں بند
۔ یہ اسی کا کارنامہ تھا
۔ کاٹ ڈالی تھی اس نے گنگا دھر کی آنت
۔ کر بھی چکا ہے وہ اقبالِ جرم
۔ مگر بہتر ہے کہ ہم تھانے سے رہیں دور
۔ جانے شیطان کی نیت میں کیا ہو فتور
۔ کون جانے کس کا لے بیٹھے نام
۔ ایسے پاگل کو دور سے سلام
۔ اس سے پہلے کہ بلی کرے میاؤں
۔ بہتر ہے کہ ہم کچھ عرصہ کے لئے سدھاریں گاؤں

رام جی پرساد کہ تھا جنم سے کاٹر

دوسرے ہی دن اپنے گاؤں کے لئے روانہ ہو گیا

میں نے کچھ عرصہ کے لئے ہوٹل گرانڈ کا پھاٹک کیا ترک

جاڑے کا دھندلا میدان

پڑا تھا سنسان

اس کا سناٹا پھیل کر میرے اندر چونے لگا

میں تھا اور سرگوشی کرتے پیڑوں کا سائبان

گھوڑوں پر بیٹھے بیزار سپاہی

فورٹ ولیم کے اندر سے آتیں گولیوں کی آواز

یوں یہ مشق سالوں سے چلتا آ رہا تھا

مگر شہر کی غیر معمولی خاموشی کے سبب

میں انہیں پہلی بار سن پا رہا تھا

سارے اسٹیڈیم، سارے کلب،

ٹریفک پولس کے رنگین ڈرم، سنتریوں کے نوکیلے گھر

سڑکوں کے کنارے رکھے ٹینک اور توپ

مجھے لگ رہا تھا میں تھا دنیا کا آخری انسان

جسے جانے کس چیز کی تلاش تھی؟

میں اکثر گھاس پر لیٹ کر

نیلے آسمان میں نظریں گاڑ دیتا

اور کبھی آنکھیں کر لیتا بند

اور اپنے آپ کو بھولنے کی کرتا پریتن

دیکھتے دیکھتے ہو چکا تھا میرا اپتن

اب میں اپنی جھوٹی کہانی لئے گھوم رہا تھا
کاش بادلوں سے دو ہاتھ نیچے آئیں
مجھے سالم اٹھالے جائیں
اور جب کہ میں یہ کر رہا تھا پرارتھنا
پھٹ گئے بادل' دو ہاتھ مجھ تک آئے
میں نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی
کہ گونجی میرے کان میں ایک سرگوشی
۔ پاس ہی ایک سجن نے کرلی ہے آتم ہتیا
۔ ابھی پولس ادھر آئے گی
۔ تم خواہ مخواہ اپنی گردن پھاندے میں ڈال رہے ہو
میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا
تھا یہ چورنگی (اس وقت یہ نام مجھے کیا پتہ تھا)
جو مجھ پر جھکا'
اپنی معصوم آنکھوں سے مجھے تاک رہا تھا
ہم دونوں پیڑ کے جھنڈ میں چل رہے تھے
گڈھوں نالوں کے مطابق راستہ بدل رہے تھے
تھا کدم' اشوک اور بادام کے پیڑوں کا ایک گھنا جنگل
نیچے روشن زمین پر گیلے پتے بچھے تھے
آباد تھی کیڑوں مکوڑوں کی ایک پراسرار دنیا
ہمارے پیر ملائم مٹی سنبھال نہیں پا رہی تھی
اچانک ایک کھلی جگہ پر
جو اوپر نیلے آسمان

اور چاروں طرف کے پیڑوں سے تھی گھری
دکھائی دیں برگد کے ایک قدیم پیڑ کی لٹکتی جڑیں
اسکے تنے کے نچلے حصے پر بندھے تھے رنگین دھاگے
تھیں سیندور کی لکیریں
پتھر کے شیولنگ پر کچھ تازہ پھول پڑے تھے
اوپر ایک مضبوط شاخ سے لٹک کر
آتم ہتیا کر چکا تھا پروہت ہری شنکر
پیڑوں سے آرہی تھی دھوپ چھن چھن کر
کوئی پرندا اوپر کسی ڈال پر چہک رہا تھا
دور وکٹوریہ میموریل موتی کی طرح چمک رہا تھا

کلیسا

عورت پیدا نہیں ہوتی ' عورت بنائی جاتی ہے۔

دوسری جنس (سیمن دی بوار)

کلیسا

گاؤں کے باہر تھیں بانس کی چٹائی کی خاکی دیواریں
مٹی کے اوسارے اور پنکھ تاڑ والے چھپر
اینٹ کی ایک پرانی بوسیدہ مسجد
لیکن جہاں اونچے اٹھتے تھے ناریل اور سپاری کے پیڑ
وہاں تھی کسی قلعے کی ایک تباہ شدہ فصیل
انگریز جس کے کنگوروں پر توپ رکھ کر داغتے تھے گولے
جب پوری طرح سے آنہ پائی تھی
ان کے ہاتھ بھارت کی نکیل
جب سراج الدولہ نے ان کو کلکتہ سے باہر کا راستہ دکھایا تھا
اور بچے کھچے انگریزوں نے یہاں اپنا ٹھکانہ بنایا تھا
مگر یہ بات تھی اس دور کی
جب پرتگالی، فرانسیسی اور انگریز
اس سرزمین پر کرنے میں لگی تھی اپنی پکڑ تیز
گذر چکا تھا تاریخ کا وہ عبوری دور
اب گنگا کے کنارے تھا ماجرا کچھ اور
تاریخ نے لی تھی پھر ایک اور کروٹ
دم توڑتے مشرقی پاکستان سے ہو رہا تھا
مظلوم و ناچار سرنارتھیوں کا انخلاع
جو بنگلہ دیش کی پیدائش کے ساتھ فوری طور پر

جا نہ سکے واپس اپنا وطن
وہ لوگ جو سندر بن تک بکھر گئے
اینٹ کے بھٹوں اور مچھلی کی بھیڑیوں میں ہو گئے جذب
کچھ کو بڑے بڑے شہر پی گئے
کچھ کہ بوڑھے لاغر تھے کسی نہ کسی طور جی گئے
لیکن ایک نسل جو ہو رہی تھی جوان
جس کے سر پر تھا کھلا آسمان
اسنے جوڑ لیا تھا مٹی سے ناطہ
ان ٹیڑھی میڑھی بوسیدہ فصیلوں کے آس پاس
جن پر کھڑے ہو کر دیکھا جا سکتا تھا
بنگال کی کھاڑی کا آبی لباس
بانس کے جھنڈ کے پیچھے، کھلی کشتیوں پر
کھلے بدن مچھیرے دکھائی پڑتے
مچھلیوں کو پکڑنے والے بانس کے قفس کے ساتھ
جو بانس کی پھچیوں سے چھوٹے چھوٹے جال لٹکائے رہتے
اور دکھائی پڑتا کبھی کبھار کوئی رنگین بجرا
کہ ان کے بارے میں بہتر ہے کہ نہ کیا جائے تذکرا
غرض تین اطراف سے پانی سے گھری تھی یہ زمین
ایک راستہ کہ کھلتا تھا شہر کلکتہ کی طرف
اس راستے پر نکالتے تھے پر
ناپائدار جھونپڑیوں کے ممنوع مکین

تھے گھنگھریالے بجرل کے سینے کے نیم سیاہ بال
ان میں تھی پیوست مکھانی بیگم کی پانچوں انگلیاں
مکھانی کہ تھی چست بدن فربہ اندام
۔ جانے کب تک رہے گا وہ بوڑھا جاں بلب
۔ وہ قبر کو سدھارے میں بجرل کی بنوں جان
بجرل نے مارا قہقہہ
۔ اے مالک دونوں جہاں تیری بھی عجب شان
۔ اکثر مجھے رگیدتے ہیں تبلیغی جماعت والے
۔ انہیں کیا پتہ جنت کے متوالے
۔ ارے مکھانی کا جسم ہے وہ استھان
۔ کہ اس میں جنم جنمانتر کے لئے ڈوب جائے انسان
۔ وہ بوڑھا جانے کب دم توڑ دے
۔ مکھانی تجھے بجرل کی قسم
۔ آخری سمئے میں اس کا رکھیو خیال
۔ قائم کر سکتی ہو تم ایک فرمانبردار بیوی کی مثال
مکھانی کہ اس کے دانت تھے مسّی سے سیاہ
۔ باقی کا سمئے کیا ہے
۔ جب اتنے سالوں تک کیا نباہ
۔ کیا کیا نہ کیا میں نے گنڈا اور تعویذ
۔ ڈال نہ سکا میری کوکھ میں مگر وہ بیج
۔ تم سے ڈرتی ہوں، تم ہو بلا کے زرخیز

۔ آئندہ احتیاط ضروری ہے

۔ آخر میں ٹھہری ایک عورت

۔ میری بھی تو مجبوری ہے

کونے کی کھڑکی کھول کر اس نے اپنے کپڑے پہنے

سنے ہوئے بستر کے سرہانے پڑے تھے

بجرل کے لائے ہوئے نقلی گہنے

مکھانی کی بڑی آنکھوں میں چمکا ایک تارا

اس کھڑکی سے دور نہ تھا دریا کا کنارا

۔ دیکھ لینا نکلے گی چھنال وہ کم عمر کلیسا

۔ لگتا ہے گھر میں لگتا نہیں اس کا دل

۔ اس ہرنی پر جال پھینکنا ہے مشکل

بجرل نے کھجائی ٹھوری

عضوِ تناسل کو سہلایا

۔ اچھا ہوا تمہیں کلیسا کا خیال آیا

۔ اگر ایک پل کے لئے تم بھول جاؤ سوتیلا پن

۔ تمہیں نظر آئے گا کلیسا کا جوان ہوتا ہوا بدن

۔ تم نے اس کے لئے کچھ تو کیا ہوگا فیصلہ

۔ ایک بوڑھے کی بیوی بننے کا کچھ تو ہوگا صلہ؟

مکھانی نے ہنس کر بجرل کو پھٹکارا

۔ لگتا ہے بچوں پر دل آنے لگا ہے تمہارا

۔ یہی حال رہا تو کسی دن ہتھکڑی لگواؤ گے

۔ خود تو جہنم جاؤ گے

۔ ساتھ میں مجھے بھی چکّی پسواؤ گے

بجرل نے کہ سر کے نیچے باندھ رکھے تھے ہاتھ

۔ سالی چپ ہوتی ہے کہ جماؤں لات

۔ میں تو کر رہا ہوں دھندے کی بات

۔ تم اور ہی راگ الاپ رہی ہو

۔ مگر یہ کلیسا کا نام مجھے لگتا ہے عجیب

مکھانی نے آہ بھری

۔ ایک چرچ کے احاطے سے اٹھائی گئی تھی وہ غریب

۔ بوڑھے کی پہلی بیوی نے اس واقعے کا کر کے لحاظ

۔ رکھ دیا اس کا کلیسا نام

۔ یوں بھی نام سے بھلا ہم عورتوں کو کیا کام

۔ یہ دنیا اسی کے ساتھ ہے جس کی صورت ہے بھولی

۔ ادھر حال کے برسوں میں کلیسا ہو گئی ہے کالی

۔ پھول کیوں نہ مرجھائے جب اپاہج پڑا ہو مالی

گاؤں کی جل پری تھی وہ، کلیسا تھا اس کا نام

ایک تتلی کی طرح منڈلاتی رہتی صبح تا شام

کیچڑ بھرے پانی میں ٹخنوں تک غرق

کنول کے نیلے پھولوں کو لانبے ڈنٹھلوں پر کھینچتی

سورج کی تیز کرنوں سے بچنے کے لئے

اپنی خوبصورت آنکھیں بھینچتی

بانس کے جھنڈ کے نیچے

ہوتیں جہاں سانپوں کی کینچلیاں
ہری گھاس کی نمی سے لاپرواہ
پیٹ کے بل لیٹی رہتی
اپنے پیروں کی قینچی سے آسمان کا نیلا پارچہ کاٹتی رہتی
کیلے کے تنوں کی چکنی چھال پر پیٹھ رگڑتی
جب بھی آتا کوئی بجرا یا دکھائی دیتی کشتی
کلیسا حرامزادی کی بڑھ جاتی مستی
اسکا بانس کے جڑ تختے پر دکھائی پڑنا تھا لازمی
ایک بار بھٹ بھٹی پر سوار تھے
تبلیغی جماعت کے سربراہ حاجی قطب الدین کاظمی
اسنے کلیسا کو تنبیہہ کرنا ضروری نہ سمجھا
مگر بار بار جڑ تختہ پر کلیسا کو پا کر
اس کی لانبی داڑھی کے اندر کچھ خواب پلنے لگے
بوڑھا ہو چکا تھا وہ اسے ایک کنیز کی ضرورت تھی
بڑھیا کہ بن چکی تھی ایک دائمی مریض
اس کی دیکھ بھال کے لئے بھی تھا یہ ضروری
اس دن اسنے بطور خاص کیا گاؤں کا دورا
اسکے بڑے کام کی نکلی موذن کی بیوی زمین خاتون
سنّی میاں نے جب دیکھا اتنے مقدس مہمان
اسکی جھونپڑی کے آنگن پر براجمان
اپنے انگوچھے سے کھٹے پسینے صاف کرتا
اپنی عرق ریز بیمار آنکھوں سے کیا ان کا استقبال

- خدا ہمارے گناہ معاف کرے
- کیا خدمت کر سکتا ہے آپ کی یہ کنگال
- میری ہڈیاں تک چوس گئے ہیں میرے برے اعمال
- مجھے نہیں پتہ میں کیا منہ لے کر مسجد جاؤنگا
- اگر گیا تو بہت پچھتاؤنگا

مولانا کاظمی کہ تھے پیشے سے پارچہ فروش
حافظِ قرآن، ماہرِ حدیث، عادتاً خاموش
اپنے نقلی دانتوں سے مسکرائے

- ارے ہاں، یہ تو واقعی ہوا خراب
- مگر سنی میاں، بالکل سیدھا ہے، ہم اہلِ ایمان کا جواب
- خدا دل میں ہے نہ کہ پیشانی پر
- خدا کی لعنت ہو اس کھینچا تانی پر
- ہماری نجات کا دوسرا کیا راستہ ہے
- مگر تمہیں خدا کا واسطہ ہے
- زمین خاتون نے پیغام تو ضرور پہنچایا ہوگا
- کوئی نہ کوئی فیصلہ تمہارا ذہن میں آیا ہوگا

بہت پراسرار ہو گئی سنی میاں کی مسکراہٹ
وہ پڑھ چکا تھا مولانا کاظمی کی ہوس کی لپٹ

- ہم غریب کے پاس کیا ہے، جو کچھ ہے خدا کا دیا
- کلیسا تو بس ایک نازک پھول ہے
- اور یہ قدرت کا ایک دائمی اصول ہے
- کسی ایک پھول پر

۔ آتا نہیں بار بار بہار کا موسم

۔ مگر سب سے عظیم تر ہے انتظار کا موسم

مولانا کاظمی مسکرائے

نکلی ان کی جیب سے نوٹوں کی گڈی

۔ سنی میاں تم ہو ایک بدبودار چڈی

۔ یہ رہی تمہارے حصے کی ہڈی

۔ مزید تین ہزار کے لئے رہنا تیار

۔ مگر کسی بھی وعدہ خلافی کے تم ہو گے ذمہ دار

۔ جس دن پہلی بار حیض آئے

۔ اس کے ایک ماہ کے اندر

۔ اسے ہونا ہے میری منکوحہ

۔ مگر ہم آج ہی کلیسا کا بدلتے ہیں نام

۔ مجھے بھاتی ہے تسمینہ بی بی' آگے تمہارا کام

مکھانی بیگم تلملاتی نکلی جھونپڑی سے باہر

کھینچ کر الگ لے گئی بوڑھے سنی میاں کا بازو تھام کر

۔ اس نازک سی بچی کا کر رہے ہو سودا

۔ تمہاری غیرت کو کیا ہوا

۔ تم بھکاری کے لئے بڑی ہے پانچ ہزار کی رقم

۔ کلیسا کے لئے میں چھتی ہوں دس ہزار

۔ صرف کرلو تم پہلی حیض کا انتظار

سنی میاں نے نوٹوں کی گڈی لہرائی

مسلے مکھانی بیگم کے ملائم گال

۔ حاجی کے لئے تم بھلا کیا کم ہو
۔ اگر راضی ہو جاؤ تو بنا لوں اور بھی کچھ مال
۔ ہوس کا پجاری ہے یہ خانہ بدوش
۔ گنگا سے سوا ہے مولانا کاظمی کا جوش

تھا یہ مون سون کا آغاز
مرجھانے لگے تھے کوئل کے بول
تاڑ پنکھ تیز ہوا میں اٹھانے لگے تھے سر
آسمان پر تھے بادل یا بدمست ہاتھیوں کے غول
اس دن مٹی کی دیوار پر جاگ اٹھا ایک بھنورا
جب سنّی میاں پر پڑا دل کا دوسرا دورا
غیر سند یافتہ ڈاکٹر نے بھیجا پی جی اسپتال
سنّی میاں نے خوب اڑایا سرکاری مال
ایک ماہ بعد جب وہ لوٹا گھر
حاجی قطب الدین کاظمی بیٹھے تھے دروازے پر
مکھانی بیگم اس کی ٹانگوں کو پلا رہی تھی تیل
ثواب بٹورنے میں مصروف تھی' بجرل کی رکھیل
قطب الدین کاظمی نے نکالی جیبی گھڑی
۔ میری نماز کا وقت ہو رہا ہے' ذرا بڑھاؤ میری چھڑی
۔ سنّی میاں' اچھا ہوا تم آ گئے' بہت دے چکے ڈھیل
۔ ضروری ہے تسمینہ پر ڈالو نکیل
۔ راستہ کے کنارے کھل جائے اگر پودے پر پھول

۔ بہتر ہے کہ ہو یہ پودے کا اصول

۔ اسے پتوں میں چھپا کر اس کی کرے رکھوالی

۔ کون جانے کب نکل آئے کوئی راہگیر موالی

۔ اسے مسل ڈالے کر دے خاک

۔ امانت کی رکھوالی نہ کرنے والے پر

۔ رحم نہیں کھاتا اللہ پاک

سنّی میاں کی طرف پھینکی گئی ایک اور گڈی

کتے کو کیا چاہیے سوکھی ہڈی

اس رات کلیسا کے کولہے ننگے کیے گئے

کی سنّی میاں نے کچے چابک کی بارش

۔ ایسی چمڑی کو کھا جائے کتے کی خارش

۔ ادھر میں موت کے منہ میں، ادھر چل رہا ہے عیش

۔ کلیسا پھر سے نہ دے مجھے طیش

۔ تجھے خانہ نشین چاہتے ہیں حاجی قطب الدین

۔ اسکا حکم کیسے ٹال سکتے ہیں ہم مسکین

۔ بہت ہوا میرے لئے پانی کر گرم

۔ صوم وصلات کی پابند رہا کر بے شرم

کلیسا کہ ایک تتلی تھی نچ گئے اسکے پر

ذرا سہا وجود، بجھی آنکھیں، جھکا ہوا سر

وہ جو پیدا نہ ہوئے تھے بن گئے تھے اس کے ہم سفر

وہ توڑے گئے مٹائے گئے

وہ اندر ہی اندر دفنائے گئے

آہ وہ گیت جو ویرانے کھا گئے

وہ جو گئے تھے بہت آگے، پچھلے پیروں لوٹ کر آ گئے

مکھانی بیگم کہ گھر سے رہنے لگی تھی دور

گھر لوٹتی تو بھی دکھائی دیتی دور

سنی میاں نے جب ایک عرصے کے بعد

اسکے سینے کو سہلانے کے لئے بڑھایا ہاتھ

ہاتھ جھٹک کر مکھانی بیگم نے لی دوسری کروٹ

پھر اٹھ کھڑی ہوئی، تاڑ پنکھ کے جھنڈ میں سما گئی

چاند کے گرد ایک چکر لگا کر واپس آ گئی

۔ اگر جینا ہے تو ڈاکٹر کا مشورہ نہ بھولو

۔ ابھی باقی پڑا ہے کلیسا کا نکاح

سنی میاں نے دانت پیس کر کیا خارج ریاح

مکھانی بیگم کو بستر پر گرایا

۔ تجھ پر خدا کی لعنت ہو

۔ مگر میں کیا کروں اگر مجھے عورت کی ضرورت ہے

۔ مکھانی تیرا ابجرل سے ملنا مجھے نہیں بھاتا

مکھانی ہنسی، گہرے ہو گئے اسکے گال کے گڈھے

۔ کیا کریں اگر نہ کریں شک

۔ جوان بیوی پر بڈھے

۔ جانے وہ گھڑی تھی کون جب تجھ سے بیاہی گئی

۔ لٹک رہی ہیں تیری ٹانگیں قبر کے اندر

۔ پھر بھی اتنا طمطراق اپنی جورو پر

سنی میاں نے چپ چاپ سنی ساری بات
دن سے زیادہ بڑی ہوتی ہے انسان کی رات
اب مکھانی بجرل سے ہوگئی تھی زیادہ بے باک
اکثر سنی میاں کر رہے ہوتے کسی پیڑ کے نیچے مسواک
کہ لوٹتی مکھانی
تھکی ہاری نشیلی آنکھیں، چال مستانی
تھا وہ فروری کا معتدل مہینہ
سست پڑنے لگا تھا سورج کا آسمان پر سفر
بڑھنے لگی تھی حاجی قطب الدین پر
سنی میاں کی مانگ
نئے لوگ دکھائی دینے لگے تھے گنگا کے کنارے
رنگین بجروں میں تھیں راتیں رنگین
جس شام سنی میاں نے کیا مکھانی کا تعاقب
اور اسے بجرل کے ساتھ داخل ہوتے دیکھا
ایک مخدوش بجرے میں
کلیسا نے اپنے باپ کی آنکھوں میں دیکھی وہ نفرت
کہ ڈری سہمی وہ دبک گئی گھر کے اندر
جیسے ایک پر کٹا پرندہ پنجرے کے اندر
مگر سنّی میاں نے اسے جھنجھوڑ کر جگایا
اسے سینے سے لگایا
اس سے ہم بستر ہونے کی کوشش میں
ہوگئیں اس کے دل کی دھڑکنیں تیز

۔ ختم ہوا وہ دور جب بیوی ہوتی تھی کنیز
۔ ایثار و محبت کا ہوتی تھی پُتلا
۔ اب تو عورتیں جسمانی پیاس مٹاتی ہیں
۔ شوہر کہیں اور ہوتا ہے
۔ اپنا حسن وہ کہیں اور لٹاتی ہیں
کلیسا نے چیخ کر باپ کو پیچھے ڈھکیلا
مگر وہ کمزور نازک لڑکی
جلد ہی مفتوح، آنکھیں اشک ریز
بن گئی تھی بوڑھے سنی میاں کی کنیز
بوڑھے سنی میاں کا دل جانے کب تھم گیا
کلیسا نے محسوس کیا اسکا جسم ہو گیا تھا بھاری
اس کی آنکھیں، کہ ان میں ہوس کا نشہ تھا طاری
اب پتھرا گئی تھیں، ہو گئی تھیں بے جان
کلیسا کی جان میں آئی جان
بجرل نے سنی میاں کے کفن دفن کا کیا انتظام
اور جب عدّت کا دور ہوا تمام
کھدیڑا اپنی بانجھ بیوی کو گنگا پار
مکھانی کو نکاح میں لیا، چھوڑا اپنا گھر
مکھانی کہ دل کی مراد بر آئی تھی
قدرے مہربان دکھائی دینے لگی تھی کلیسا پر
تتلی پھر بگیا میں لوٹ آئی تھی

ان کھاڑیوں میں کہ جمع ہوتا تھا

سارے شمالی ہندوستان کا پانی

یہاں کے باشندوں کو نصیب نہ تھی تن آسانی

سندر بن کہ تھا یہاں سے تھوڑی دور

یہاں انسان کی رگوں میں بہتا

خلیج بنگال کا کھارا سرور

کلیسا کہ دریا کے کنارے کنارے بھاگتی رہتی

اکثر رات رات بھر جاگتی رہتی

جانے تھے وہ کس کے انجانے ہاتھ

جو کھیلتے رہتے اس کے جسم کے ساتھ

اسکی ٹانگوں کے بیچ آتے' اسکا سینہ سہلاتے

اور اکثر رات کی خاموشی میں

کلیسا اپنے کانوں میں ڈالتی انگلیاں

کہ ڈوبتی ابھرتی سانسیں بتاتیں ایک ننگی داستان

بجرل کی آنکھیں ناپتی کلیسا کا سراپا

- تمہارے ساتھ خوب کٹے گا حاجی قطب الدین کا بڑھاپا

- مگر کلیسا مجھے پتہ ہے تم ہو کیا چیز

- میں تمہیں بننے نہ دونگا بوڑھے کی کنیز

- دن تو تمہیں صاف کرنے پڑے گا

- بڑھیا کا بلغم اور تھوک

- رات مٹانی پڑے گی

۔ بوڑھے کی جہنمی بھوک
وہ اکثر کلیسا کے ہمراہ دریا تک آتا
جڑ تختے پر کھڑا اپنے بال کھجاتا
۔ کلیسا کیا کہتا ہے تجھے دریا کا پانی
۔ لوٹ کر آتی نہیں کسی کی جوانی
جس دن پہلی بار اس نے کلیسا کو سینے سے لگایا
کلیسا کی ہڈیوں میں دوڑ گئی کپکپی
اس نے رد کرنا چاہا بجرل کا بوسہ
کہ اسکے پیٹ پر پڑا ایک زبردست گھونسا
۔ حرامزادی کسی دن دبا دونگا تیرا ٹٹوا
۔ مکھانی کا بھاری بدن تو صرف ایک بہانہ تھا
۔ مجھے تو اپنے نازک پھول تک آنا تھا
۔ تجھے ایک دن بجرل کے ہاتھوں کھلنا ہے
۔ ہوگا وہ کوئی حسین دن
۔ جب ہمیں اسی ہریالی میں ملنا ہے
دھیرے دھیرے کلیسا کی دور ہونے لگی جھجھک
اکثر اسے ہنسی آتی بجرل پر
اس کی للچائی آنکھیں دیکھ کر وہ لوٹ پوٹ جاتی
اس سے اپنا ناڑا چھڑاتی
اسکی لائی ہوئی مٹھائیاں کھاتی
اسکے رخساروں پر مچلنے لگا تھا
ایک مکار تبسم

بجرل ایک کتے کی طرح ہلاتا رہتا دُم
اسکے لئے لایا کرتا کپڑے گہنے اور سنگار کا سامان
کبھی جو دکھائی دیتا کشتی پر سوار وہ پاجی
مہندی سے رنگی داڑھی لٹکائے قطب الدین حاجی
بجرل جڑ تختہ پر کرتا اس کا استقبال
حاجی کی آنکھیں اس پر چمکا تیں بجلی
بجرل بھی وصول کرتا اپنے حصے کا مال
اس نے بھی حاجی پر تان رکھا تھا کلیسا کا جال
اکثر وہ کلیسا کو چھیڑنے کی خاطر
چھیڑ دیتا حاجی کا تذکرہ
۔ ارے تجھ پر تو جان دیتا ہے وہ سر پھرا
۔ گن رہا ہے تیری ماہواری کے دن
۔ وہ کہاں کھوسٹ تو کہاں کمسن
۔ دیکھ لینا ایک دن اسکا جنازہ نکال دونگا
۔ اس کی آنکھیں اکھاڑ کر اسکے مقعد میں ڈال دونگا
کلیسا کھلکھلا کر چمکاتی اپنے موتی کے دانت
اسے بھی دکھائی دینے لگی تھی بجرل کی ذات
جس دن نمودار ہوا دریا پر
بجرل کا جانا پہچانا مخصوص بجرا
اسکے اندر رنگین چینی لالٹینیں روشن تھیں
تینکے کے چھپّر کے نیچے
گاؤ تکیہ کے سہارے لیٹے تھے دو فربہ اندام شریف زادے

انہیں طوائفیں پنکھے جھل رہی تھیں
کھلا رہی تھیں گلوریاں اور بتاشے
بجرے کا مالک کہ تھا لانبا اور سیاہ جیسے ہنٹر
کہ نام تھا اس کا عبدالرب لشکر
اس نے سر سے پاؤں تک کلیسا کو غور سے دیکھا
۔ کتنی عجیب ہے اس کے بدن کی ریکھا
۔ مجھے نہیں لگتا یہ کبھی جوان ہو پائے گی
۔ یہ خاک عورت بن کر دل بہلائے گی
۔ بجرل تم نے اچھا خاصہ ایک باغ اجاڑا
۔ پیٹ میں ڈال کر بچہ
۔ نکھانی کا کر دیا کباڑا
بجرل نے پان کی پیک کی پچکاری
ڈولتے خاکستری پانی پر ماری
۔ کیا کرتا میں
۔ اس سالی پر گرہستن بننے کا بھوت ہے طاری
۔ مگر لشکر، کلیسا پر منڈلانے لگا ہے خطرہ
۔ اس سے پہلے کہ اڑا لے جائے وہ حاجی
۔ سمئے آ گیا ہے کہ ہم دونوں کچھ پیسہ بنا لیں
لشکر نے شراب کا گلاس بھر کر بڑھایا
۔ ابے بجرل تُو تو جگ کی پلٹ دے گا کایا
۔ ابھی سے اسکا کرنے لگا ہے سودا
۔ من ہی من کھانے لگا ہے رس گلا

۔ ویسے ایک عجیب وغریب بیوپاری ہے کفی اللہ

۔ کلیسا کے لئے دے سکتا ہے بیس ہزار تک کی رقم

۔ کفی اللہ ہی کیوں'

۔ اور بھی دوسرے اس بیوپار میں ہیں

۔ مگر تجھے جھیلنا پڑے گا اسے کھونے کا غم

بجر ل نے گلاس کیا خالی' اسکا گلا بھر آیا

اس نے نقلی آنسو سے آنکھوں کو سجایا

۔ ہم بھلا کب رکھ پائینگے گھر جمائی

۔ ہمارا کیا ہے' ہم ہیں لاچار باپ

۔ کسی نہ کسی طرح ہو جائے بیٹی کی بدائی

چاند تھا آسمان پر روشن

بجرا گہرے سمندر میں جا رہا تھا

کلیسا ریلنگ کے سامنے بیٹھی

تاک رہی تھی بڑی بڑی آنکھوں سے دور

جہاں ٹوٹ رہے تھے تارے

تیرگی میں پرندے پر مار رہے تھے

کلیسا کی آنکھوں سے ٹوٹ کر گرے کچھ موتی

لوٹتے ملاح کشتیوں پر ایک دوسرے کو پکار رہے تھے

لالٹین ڈول رہیں تھیں' بادبان پھول رہے تھے

کلیسا نے سر ریلنگ سے ٹکرا کر ایک چیخ ماری

اسکے اندر سے ہو رہا تھا خون جاری

حاجی قطب الدین نے لکھنؤ کا دورا کیا منسوخ

پڑا نکاح کا دن مورخہ نو ربیع الثانی

ان دنوں حاجی کی حمایت میں

منہ کھولنے لگی تھی مکھانی

اکثر نشے میں، بجرل مکھانی کی کرتا پٹائی

۔ بجرل حرامی' تو تو نکلا بالکل قصائی

۔ تُو کسی دن بچے کی لے کر رہے گا جان

۔ آنکھ کھولنے سے پہلے ہی لوٹ جائے گا میرا مہمان

اس نے کلیسا کا گھر سے نکلنا کر دیا بند

۔ تری شادی کو رہ گئے ہیں ہفتے چند

۔ بڑے گھر جائے گی' بنے گی حاجی کی جورُو

۔ اب تو کہاں کھائے گی سڑی مچھلی اور گورو

۔ تیرے نصیب میں لکھا تھا کھسّی کا گوشت' مرغے کی ران

۔ جانے تیرا پیٹ سہہ بھی پائے گا

۔ اتنے بڑے گھر کی پکوان

کلیسا نے جب ستر سالہ حاجی کو ٹھیک سے دیکھا پہلی بار

نقلی دانت نکال کر مسواک کر رہا تھا اپنا یار

حاجی نے اسے قریب بلایا

اسلام کے ارکان کا دیا درس

دوسرا کلمہ سکھایا

بجرل دور کھڑا پیتا رہا دانت

اس پر بجلی گرا رہی تھی پوپلے بوڑھے کی گھات

اسنے بوسیدہ فصیل پر کھڑے ہوکر

کھائی قسم

۔ گئے وہ دن کہ انسان تھا نرم

۔ اب تو نئے قانون سے یہ دنیا چلتی ہے

۔ یہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی ہے

جیسے جیسے شادی کا دن قریب آرہا تھا

گھر کے اندر پھیلنے لگا تھا عجیب تناؤ

کلیسا کی کبھی کبھی آدھی رات کھل جاتی نیند

دوسرے کمرے سے اسے سنائی دیتی

میاں بیوی کی تکرار

۔ وہ بوڑھا' کیا کلیسا کا ڈالے گا اچار

۔ کھوسٹ کی کمر میں اب کہاں دم

۔ کہ مباشرت کے لئے ٹھیک سے کر سکے خم

مکھانی کھلکھلا کر ہنس پڑتی، کبھی پیستی دانت

۔ اب بس بھی کرو' اسے جہنم جانے دو

۔ کلیسا کی شادی سے ہماری قسمت سدھر جائیگی

۔ مکھانی بڑے گھر کی ساس کہلائے گی

بجرل نے جس رات کلیسا کو نیند سے جگایا

ٹھنڈی ہوا تار پنکھوں میں سنسنا رہی تھی

اس نے کلیسا کو ننگا کیا'

اسے شادی کا جوڑا پہنایا

جز تختہ پر تھا منتظر
وہی پراسرار رنگین و روشن بجرا
استقبال کے لئے تھا عبدالرب لشکر کھڑا
اس نے کلیسا کو بجرا کے لکڑی کے گھر میں چھپایا
بجرا کو دھیرے دھیرے کنارے سے بیچ کی طرف سرکایا
جز تختہ کے ساتھ دور ہوتا گیا بجرل کا سایہ
بیٹی تو ہوتی ہی ہے دھن پرایا

جانے کب رات کے آسمان میں نور جاگ اٹھا
جاگ اٹھی کمبل سے لپٹی کلیسا
اس نے بجرا سے پانی کے ٹکرانے کی سنی آواز
وہ پنچ رنگ مینا سچ تھی یا خواب
جسے وہ دیکھتی رہی تھی ساری رات
لالٹین کہ ڈول رہی تھی، اسکی روشنی پڑ گئی تھی دھیمی
اس ناقص روشنی میں دکھائی پڑ رہی تھیں
کاغذی پھولوں کی لڑیاں
تھیں دونوں طرف کی دیواروں پر فحش تصویریں
کونوں کے طاق پر رکھے تھے مٹی کے ظروف
ہوئی جب وہ کشتی کے عرشے پر نمودار
آسمان پر تارے بچے تھے دو چار
وہ بھی تیزی سے پڑ رہے تھے ماند
پورے چاند پر اوندھا پڑا تھا آسمان

بجرا کھڑا تھا پانی کے اوپر چپ چاپ

کہ اسے سنائی دی قدموں کی چاپ

تھا یہ بجرے کا مالک عبدالرب لشکر

۔ اگر جانا ہے فراغت کے لئے

۔ تو انتظام ہے کشتی کی نوک پر

۔ صرف یہ یاد رکھنا مت تاکنا نیچے

۔ بجرے کے موٹر میں تھوڑی ہو گئی ہے خرابی

۔ سورج نکلنے سے پہلے ہم اسکی مرمت کر لینگے

۔ کسی انجینیر سے کم نہیں ہے اپنا بوڑھا ایمان

۔ قدرے سنکی ہے وہ مگر ہے بلا کا ذہین

۔ اور اس کی آنکھیں تو بالکل ہی خوردبین

کلیسا کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا

مگر دیکھتے دیکھتے آسمان ہونے لگا روشن

دھند پانی کے اوپر سے چھٹنے لگی

اور اس کے اندر سے ایک عظیم شہر ابھر آیا

کلیسا کے دیدے پھیل گئے

پہلی بار دیکھ رہی تھی وہ کلکتہ شہر

اس کی اونچی عمارتیں، دریا کے آر پار پُل

اتنی دوری کے باوجود جاگتا شور وغل

۔ کلیسا ضروری نہیں کہ اس شہر سے ہو جاؤ خوفزدہ

۔ اس میں گزارا کر سکتے ہیں دونوں

۔ کیا انسان کیا گدھا

۔ مگر اس لشکر چچا کی بات گانٹھ میں باندھ لو
۔ جینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مرنا جان لو
۔ اس کا صحیح مصرف جان لو جب تک ہے جوانی
۔ کہ بدبو چھوڑنے لگتا ہے، بہت دنوں تک بند پانی
دکھائی دیا کالکھ اور کراسن میں لت پت
کبڑا ایمان
دو گھنٹے کی کڑی محنت کے بعد
بجرے کا موٹر شور کرتا جاگ اٹھا
بجرا چل پڑا دریا کے بیچوں بیچ
شہر کے اندر جب وہ پہنچے بابو گھاٹ
ایک سپاہی نے لشکر پر پھینکا طعنہ
۔ عبدالرب تو ٹھہرا پاپی پرانا
۔ پیسے کمانے کی دھن میں کیا کچھ نہ کرے گا تو
۔ کسی دن اسی کشتی میں جل کر مرے گا تو
عبدالرب لشکر نے لگایا قہقہہ
کیا کلیسا کو سامنے
۔ ہیم چندر، تجھے کہیں کا نہ رکھا تیرے کام نے
۔ کشتی والوں سے بٹورتے ہو ہفتہ
۔ پھر بھی نصیحت کا جام پلاتے ہو
۔ ارے جاؤ بھی، کیوں ہمیں ستاتے ہو
ہیم چندر نے کھینی بناتے بناتے ریلنگ پر تھوکا
۔ یہ زمانہ دن بدن ہوتا جا رہا ہے بدن کا بھوکا

- جاؤ تمہاری راہ دیکھتے ہونگے

- ثیث محمد اور شیخ طوطا

- کافی پھیلا رکھا ہے تم لوگوں نے حسن کا کاروبار

- ارے اس کمسن کو بھی نہ بخشا

- تم سالوں پر بھگوان کی مار

چاندنی کی ایک گلی سے چلاتے تھے کاروبار

دونوں ساجھے دار

ثیث محمد اور شیخ طوطا

بلیک میں ٹکٹ بیچنے کے لئے

عورتیں چھوڑ رکھی تھیں سینما ہالوں پر

پالتے تھے جیب کترے

مسخ بھکاری پھیلا رکھے تھے ہر چوک ہرنا کے پر

شیخ طوطا نے حقارت سے کلیسا پر نظر ڈالی

- اتنی بڑی رقم کے بدلے کیا اٹھا لایا موالی

- اس غریب کو نچوڑ کر لوگ کیا پائنگے

- گاہک کتے نہیں کہ سوکھی ہڈی چبائینگے

- فالحال اسے کرزن پارک میں کام پر لگا دو

- خوب کھلاؤ پلاؤ، کرو تندرست

- مجھے چاہئے اسکا بدن چست

- اتنا رکھنا ہے خیال

- اسکے کنوارے پن پر نہ آئے آنچ

۔ آجکل گاہک نہیں جھجکتے کروانے سے ڈاکٹری جانچ
جلد ہی کلیسا پر حاوی ہو گئیں
شیث محمد اور شیخ طوطا کی بھاری بھر کم بیگمات
دن بھر تو گھر کے کام کاج میں
کلیسا کو کرنی پڑتی جی توڑ محنت
شام کو سجا سنوار کر کرزن پارک لائی جاتی
اس کے بدن کو چھونے کے لئے لگتی قطار
کیسے کیسے لوگ آتے
ڈرائیور، دوا فروش، کلرک اور عطار
اس کی طرف سے پیسے وصولتا عید محمد
جس کا ایک بڑا حصہ لے جاتے پولس والے
۔ اللہ انہیں ان کی وردیوں سمیت اٹھالے
۔ اس نازک سی جان کی بے حرمتی ہوتی ہے شدید
۔ تب کہیں دو روپے بنا پاتا ہے یہ عید
۔ پھر بھی سالے آدھی رقم اٹھالے جاتے ہیں
۔ وہ دن دور نہیں جب طوطا اور شیث
۔ دونوں خبیث
۔ مجھے زندہ باگماری میں چنوائینگے
کلیسا اس زندگی کے لئے تھی نہ تیار
مگر وہ کیا کرتی لاچار
قدم رکھتے ہی اس نے دیکھ لیا تھا
شہر کا غلیظ چہرا

اتنی بھیڑ بھاڑ کے گھبرا جائے دل

ایسا شور کہ قوتِ سماعت ہو جائے باطل

آہ' مردوں کی غلیظ انگلیوں کی تفتیش

صرف چھو کر دل کو تسکین پہنچانے کی کاوش

کبھی جب عید محمد کا صحیح ہوتا موڈ

وہ اسے فلم دکھانے لے جاتا

کسی ہوٹل میں کباب پراٹھا کھلاتا

اور خود شراب پی کر میز پر ڈھیر ہو جاتا

اکثر کلیسا اسے رکشا پر لاد کر

لے جاتی گھر

شیخ طوطا عید محمد کے بے حس کولہے پر

ٹھوکر لگاتا

ڈالتا اس کے سر پر پانی

۔ تیرے ذمے دی گئی ہے کلیسا کی جوانی

۔ اگلے تین سال تک رکھنا ہے اسے کنواری

۔ ورنہ یاد رکھ تو اور تیری باگماری

کلیسا کے آنسو اکثر آدھی رات کو ہوتے جاری

جانے کیوں رات کی خاموشی میں

بڑھ جاتی اس کی بے قراری

وہ بستر پر کروٹیں بدلتی

سنتی کلکتہ کی دہلا دینے والی سرگوشی

جیسے کسی ہزار منہ سانپ نے اسے چنگل میں لے لیا ہو
یاد آتا اسے دریا کا وہ سنسان کنارا
ٹوٹی پھوٹی فصیل پر بیتا ہوا بچپن
وہ ہرے بھرے میدان، پیڑ اور گھریلو جانور
کیا ملا تھا اسے یہاں آ کر
مگر اب وہاں لوٹنا بھی تھا کہاں نصیب
ننگے پیروں وہ بہت دور نکل آئی تھی
اب تو اسے آگے ہی بڑھنا تھا
تھی یہ شہر ایک دوسری فصیل
جس پر کسی بھی قیمت اسے چڑھنا تھا
چاہے گر کر وہ ہو جائے چکنا چور
اب کیا ملنے کا لوٹ کر دریا پور

بھٹا چارج

جب زرتشت اکیلا ہوا تو اس نے اپنے آپ سے کہا، کیا یہ ممکن ہے؟
کیا جنگل میں بھٹکتے ہوئے اس بوڑھے درویش کو نہیں معلوم کہ خدا مر چکا ہے!
زرتشت نے یوں کہا (نطشے)

بھٹا چارج

ٹرام کی پٹریوں سے تھوڑی دور
تھی اس گلی میں وہ اونچے ستونوں والی عمارت
جس کی کھڑکیوں کی جھلملیوں سے
میں نے دیکھا تھا اپنا بچپن
میں بھلا بھول سکتا ہوں کبھی
پرانے کلکتہ کی وہ چھبی
جو میرے دادا کی گفتگو میں جھلکتی
جب وہ پرانے دنوں کو یاد کرتے
جب بھشتی مشکیزوں سے سڑکیں دھوتے
جب سڑکوں اور ناکوں پر پھرا کرتے فٹن اور تانگے
اب بھی اکثر جب میں کسی لمپ پوسٹ کے نیچے ٹھہرتا ہوں
تو لگتا ہے یہ مجھے حیرت انگیز
عجیب رہا ہوگا پچھلی صدی کا وہ دور
جب برسوں تک کھیلی گئی لاٹری
تب بنی سڑکیں، نالے اور پارک
کھڑی کی گئیں سرکاری عمارتیں، کھودے گئے تالاب
میرے دادا اکھیمل بھٹا چارج تھے کتنے نادان
انگریزوں کی تعریف میں رہا کرتے رطب اللسان

ضابطے کا پابند کڑک وکیل، حقہ اور ہیٹ
ان کے دربار میں پانی بھرتے بڑے بڑے سیٹھ
عرصہ تک ان کی بارعب شخصیت
اس سنہرے فریم کے اندر سے تاکتی رہی
آنکھوں میں لئے غضب
جو کھو گیا بہت ہی پراسرار طور پر جانے کب
اور دیوار پر بنا گیا ایک مستطیل خانہ
اہلِ وطن دینے لگے تھے انگریزوں کو چل چلاؤ کا حکم
مگر اس وقت تک آزادی کا تصور تھا بکواس
کہ نمودار نہیں ہوئے تھے موہن داس
بنگال کی زمین میں آگ کی لپٹیں تھیں سوئی
جب کہ بقول میرے پتا دلال بھٹا چارج
دادا اُبھیمل کر چکے تھے پیشن گوئی
۔ اس ملک کی ہمیشہ سے رہی ہے یہ تقدیر
۔ کہ غیر ملکی اس پر کریں راج
۔ ہمارے کسانوں کو چاہئے دو وقت کا اناج
۔ باقی کے معاملات میں وہ اپنا سر کھپاتے نہیں
۔ بھارتیہ اتہاس میں راجہ، بادشاہ اور نواب
۔ اپنے محلوں میں دادِ عیش کے لئے پیدا ہوئے
۔ یا انہوں نے کیا لوٹ مار یا لڑی جنگ
۔ طپنچہ، توپ، تلوار، تیر اور تفنگ
۔ شیر شاہ کے بعد پہلی بار

۔ انگریزوں نے حکومت کا صحیح ڈھنگ اپنایا
۔ تعلیم پھیلائی، اسکولوں کی بنیاد ڈالی
۔ بنائے اسپتال، سڑکیں، نالے اور پارک
۔ نہ صرف بنائے قانون
۔ بلکہ انہیں گاؤں گاؤں تک پہنچایا
۔ مگر وہ دن نہیں دور
۔ جب ہمارے مغز کے اندر کیڑے کلبلائینگے
۔ ملکہ وکٹوریا کو ایک لعنت کی طرح گردن سے ہٹائینگے
۔ پھر اس ملک کے ہونگے ٹکڑے ہزار
۔ سب لوگ اپنے اپنے حصے کی بولی لگائینگے
۔ پہلے کی طرح کرینگے آپس میں لوٹ مار
میرے پتا دلال بھٹا چارج تھے الگ طرز کے انسان
انہیں بھاتے تھے کھیت اور کھلیان
انہیں جب یونیورسیٹی سے ملتی چھٹی
وہ آباد کرتے جاکر رانا گھاٹ کا مکان
دادا کی طرح وہ بھی پڑھ رہے تھے قانون
وحشت انگیز سیمیں چیتل مچھلی کے شوقین
ان کو بھاتے تھے
بانس کے جھنڈ، مٹی کے گھر
ندی کے کیچڑ بھرے کنارے
ٹوٹی پھوٹی مساجد اور پرانے منادر
کشتیاں اٹھائے چٹائی اور بانس کا چھپّر

اسٹیمر کو کتے سائرن

جس میں بیٹھے وہ پڑھا کرتے شیلی، کیٹس اور بائرن

سفید، سرخ کنول اور آبی پودے

کیلے کے جھکے پنکھ پر پھدکتی مینا

ادبی رسالوں میں چھپی ان کی شاعری

اور تھی انہیں چیزوں سے بھری

ان کی کرم خوردہ ڈائری

کسی کو بھی پتہ نہ تھا

میری ماں سے ان کی ملاقات ہوئی تھی کس حال میں

مگر میرے دادا کا تھا خیال

ایک انقلاب پسند لکچرر نے پھانسا تھا انہیں اپنے جال میں

عجیب وغریب بچاردھاراؤں سے

پھیر دیا تھا ان کا دماغ

میں تھا محض ایک برس کا

جب دادا آئے مرشد آبا

کرائے پر لگائے کھیت اور آم کے باغ

مجھے اپنی تحویل میں لے کر کلکتہ لوٹ آئے

ایک عرصے تک دادا دادی رہے میرے ماتا پتا

میرے پتا گاؤں میں ہو گئے تھے ٹیچر

میری ایک بہن پیدا ہوئی جو مرگئی ایک سال کے اندر

پھر وقت نے لی ایک نئی کروٹ

کلکتہ کی سڑکوں سے اٹھی آگ کی لپٹ

بھاری بھر کم ستون' عالیشان دریچے
دیوہیکل دیوان' حقہ اور غالیچے
مسہری سے لیس چھپرکھٹ کے آس پاس
چابھیاں جھنجھناتی پھرتیں بہویں اور ساس
مگر مجھے تھا سب سے عزیز باورچی خانہ
مجھے بھاتا نوکر نوکرانیوں سے گپیں لڑانا
اور جب دادا کے لئے رکھا جاتا گرم حقہ
میں سب کی نظریں بچا کر گڑگڑالیا کرتا اکا دکا
اس کی میٹھی خوشبو اور عجیب آواز
میرے سامنے کھولتی
ایک غائب ہوتے ہوئے زمانے کا راز
دادا دھیرے دھیرے یوں دکھائی دیتے
جیسے ابھی وہ کسی دیوہیکل فریم میں سما جائینگے
اپنی گھنی بھوؤں اور موچھوں سے غرائینگے
بدل رہے تھے جس تیزی سے ملک کے حالات
پژمردہ ہونے لگے تھے ان کے جذبات
اکثر گونجتا بیٹھک میں بحث مباحثے کا شور
وہی چلا تا سب سے زیادہ
جو ہوتا استدلال میں سب سے کمزور
دادا کے سب سے قریبی امرائے پردھان
جن کے بلند بانگ قہقہے بنتے محفل کی جان

شیام بازار سے آتی ان کی ذاتی گھوڑا گاڑی

اسکے بھورے داغدار گھوڑوں کو کھلاتا چارا

ہمارے گھر کا دائمی دربان گوتم پہاڑی

ہمادری بھوشن، تیر تھنکر اور گنو موئے چٹیو پادھیائے

سب کا سماج میں تھا ایک مستحکم مقام

اور ہر معاملے پر ایک مخصوص رائے

بیٹھک میں چائے اور حقہ کے لئے مخصوص کا نارام

جس کا داہنا کان اس قدر ہو گیا تھا نیلا

کہ چبا گئی تھی ہمارے گھر کی گائے ارمیلا

ہمارے باورچی خانے کا انچارج نانو مہاراج

جو اتنے تقدس کے ساتھ ابالتا اناج

جیسے سوئم دیوتا بھوجن کے لئے پدھارنے والے ہوں

جُھمکی کہ تھی گھر کی منہ چڑھی ماسی

بدن پر چڑھا چکی تھی چربی اچھی خاصی

پنا کی بہو کہ تھی پڑھی لکھی اور منہ پھٹ

اس پر برس پڑتی بے لاگ لپٹ

۔ تجھ سے تو ہلا تک نہیں جاتا رے جھمکی بہو

۔ تجھ سے کیا ہوگا گھر کا کاج، جا سو رہ تو

۔ اسے تو بھنڈار خالی کرنے کے لئے رکھ چھوڑا ہے گھر

۔ ماں شتیلا کی نظر ہو اس پر

جھمکی ماسی اپنے مستحکم کولہوں پر جم جاتی

تصوراتی بے عزتی سے تلملاتی

دادی دیب جانی کے پاس آنسو کا بھنڈار لے کر جاتی
چلمچی میں دادی پیک مارتی کرتی حلق صاف
دن بدن بڑی ہوتی جارہی تھی ان کی ناف
- چار چیلے ساتھ ہوں تو کھڑ کنا ہے لازمی!
- کیا ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھڑ کنا ہے لازمی؟
دادی پیٹ کے بل مجھے گھٹنوں پر جھلاتی
کبھی کبھار عجیب وغریب لوری اٹھاتی
- ایک چھوٹی سی ندی کیا کرے کہاں جائے
- کوئی تو اسے ساگر کا پتہ بتائے
وہ چپ ہوجاتی، دور کہیں کھو جاتی
ان کی سرمئی آنکھوں سے نمکین نیم سیاہ قطرے
میرے ننگے کولہوں پر گرتے ٹپ ٹپ
میں دادی کی ناف کے اندر منہ چھپا لیتا
سوجاتا گہری نیند
دور بیٹھک سے آتی آوازیں
میری سماعت کی دیوار میں لگاتی رہتیں سیند

- آزادی کے لئے ہم ابھی نہیں ہیں تیار
- اس سے پہلے کہ ہم تھامیں حکومت کی باگ ڈور
- ضروری ہے ایک بڑا سماج سدھار
- نئے بھارت کے لئے میرے تو یہ ہیں بچار
مگر ہمادری بھوشن کھڑکی سے پلٹ کر

دادا کی طرف اپنی انگلی کرتے لانبی

۔ جس کی گردن پر ہو غلامی کا جوادھرا

۔ وہ کیا سوچ سکتا ہے اچھا یا برا

۔ کھلی ہوا میں جینے والے پودے ہی

۔ سب سے حسین پھول کھلاتے ہیں

تیر تھنکر چودھری نے حقہ گڑگڑانا کیا بند

۔ مگر جس تیزی سے پھیل رہی ہیں نئی بچار دھارائیں

۔ وہ دن نہیں دور جب سناتن دھرم کا ہوگا پتن

۔ نئی دشا میں ضروری ہے

۔پھونک پھونک کر رکھیں قدم

امر رائے پردھان کا بلند بانگ قہقہہ

باہر سڑک تک رات کو چونکا گیا

۔ کیوں بلا وجہ لوگ سر کھپاتے ہیں

۔سچ کیا ہے اسے کون جانتا ہے

۔ اور کیا ضروری ہے کہ ہم اسے جان ہی لیں

دبیز عینک میں دھندلے پڑ چکے گنو موئے چٹیو پادھیائے

زیادہ تر اپنے خیالات میں غرق

اکثر محفل کا حصہ نہیں ہوتے

جب تک انہیں کھینچ کر شامل نہ کر لیا جائے

وہ تھے دادا کے بچپن کے ساتھی

مگر زیادہ تر ان کی پشت رہتی دادا کی طرف

۔ ہم باہر کی زنجیریں تو دیکھتے ہیں ضرور

۔ ہمارے اندر کی غلامیوں کا خاتمہ نہیں ہوتا

۔ کسی کے پاس گناہ زیادہ کسی کے پاس تھوڑا ہے

۔ وقت پڑنے پر کب کس نے کس کو چھوڑا ہے

۔ اصل انسان تو ایک واہمہ' ایک خیال ہے

۔ ہر لمحہ ہمارا ہوتا ہے نیا جنم

۔ انسان ہر لمحہ ایک نیا سوال ہے

۔ ہم وہ بہروپئے ہیں

۔جو ساتھ لئے پھرتے ہیں سو چہرے

۔ بھلا چہروں کا یہاں کیا کال ہے

وہ راتیں کلکتہ کی تھیں کچھ بھی نہ عجیب

اس وقت بھی خاموشی کتوں کے بھونکنے سے ہوتی چھلنی

رات کے سناٹے میں رکشے والوں کی گھنٹیاں خلل ڈالتیں

دادی لیتی خرّ اٹے'

چوہے چھپر کھٹ کے نیچے دوڑ لگاتے

اکثر جب مجھے نیند نہ آتی

میں آدم قد کھڑکی کے لانبے سلاخوں سے پرے

دھاری دار آسمان میں گنتا تارے

اور سوچتا اپنی ٹانگیں چادر پر پسارے

ان ہی ان گنت تاروں کے سلسلوں کے نیچے

کہیں کسی گاؤں یا قصبے میں

سو رہی ہوگی میری جننی

کیوں ایک بار بھی انہوں نے میری لی نہ خبر

جہنم میں جائے
مجھے تو ماں کا چہرا بھی یاد نہیں
اور پتا جی بیٹھک میں لگی تصویر میں
اپنی باریک موچھوں کے ساتھ
صرف ایک کمسن لڑکا ہی دکھائی دیتے ہیں

ٹرام کی پٹری سے گیند اٹھا کر
بھاگتے بچے
اکثر خواب میں مجھے بلانے آتے
مگر ہمارے عظیم الشان ڈھلواں لوہے کے پھاٹک پر
تھا قائم ناقابل عبور گوتم پہاڑی
مجھے اسکول سے رکھا گیا تھا دور
گھر پڑھانے آتے ٹیوٹر مراری موہن
صاف شفاف، دھوتی پوش، نازک بدن
مگر ان کی میٹھی مسکراہٹ کا مجھے رہتا انتظار
وہ کتنی آسان بنا دیتے میرے لئے پستکوں کو
میرے پتا کی چھپی ہوئی کویتا وہ دکھاتے کبھی کبھار
۔ چوکتا نہیں میں کوئی رسالہ
۔ جس میں دلال دا کا کوئی لیکھ ہو آنے والا
۔ کسان تحریک کے روحِ رواں ہیں تمہارے پتا
۔ ایک دن دیکھ لینا جلا ڈالے گی
۔ ان کی تحریک زمینداری کی چتا

پھر وہ سہم کرتا کتے چاروں اطراف

۔ اس سے انکار نہیں

۔ بڑے ٹھاکر کا دل ہے بالکل صاف

۔ مگر اصولوں کی لڑائی میں اپنے پرائے نہیں دیکھے جاتے

۔ کسی کو کیا نہیں جاتا معاف

میں کچھ نہ سمجھ کر سر ہلاتا

پستکوں کے اندر اپنی ناک ڈال کر

لمبی نیند سو جاتا

وہ الماریوں سے موٹی موٹی کتابیں نکالتے

گرد اور کافور کی مہک کمرے میں پھیلاتے

غرض خود زیادہ پڑھتے مجھے کم پڑھاتے

مگر یوں تو ناپسند نہ تھے مجھے ٹیوٹر

میرا من بھاگنا چاہتا

موٹی مضبوط دیواروں کے باہر

جہاں گلی کوچوں میں کھڑے تھے روشنیوں کے کھمبے

جہاں گھوڑے اپنے کھر زمین پر مارتے

اور تھی گاڑیوں اور رکشوں کی بہار

میرا جی چاہتا میں بڑی شاہراہ سے گزر کر

گلی کوچوں سے ہوتے ہوئے ندی کے کنارے جا پہنچوں

جہاں کھڑے ہونگے بادبان اٹھائے دیس بدیس کے جہاز

کیا یہ مجھے ان سب چیزوں سے لے جا سکتے نہیں دور

مگر ٹرام کی پٹریوں سے دور

ایک کم کشادہ گلی میں

وہ اونچے ستونوں والی عمارت

میرے لئے تھی وہ قید خانہ

جس کے باہر ممکن نہ تھا پر پھڑ پھڑانا

جاڑے میں ہم باورچی خانے کی آگ تاپتے

مراری موہن عجیب وغریب کہانیاں الاپتے

اور ان کے گیت کا نشانہ ہوتی

ہمارے گاؤں سے آئی نوکرانی پاپیا

جھمکی پاپیا کے کہنی لگاتی

ہمیشہ کی طرح پان خوردانتوں سے کھلکھلاتی

- اس کمھلائے ہوئے پودے کے لئے

- تم بن گئی ہو کھاد

- مگر ان پڑھے لکھے بابوؤں کا کیا

- یہ سیدھی سادھیوں کو کرتے ہیں برباد

مراری موہن جھمکی کے بلاؤز میں انگلی ڈالتے

کاٹتے اسکے گال پر چیونٹی

- جھمکی بہو، زیادہ نہ بھر یو اڑان

- تجھے یاد کر رہا ہے

- نکڑ کا پنواڑی صراف پردھان

- زیادہ نہ منہ کھلواؤ ورنہ کردونگا بلا

- کیا تم اسکے ساتھ نہیں جاتی اسٹار تھیٹر اور مانک تلا

سیدھا سادا بھودن رام

اپنے گالوں پر تھپڑ لگاتا
اور جب اسکی سمجھ میں کچھ بھی نہ آتا
وہ حقہ اٹھا کر گڑگڑاتا
اکثر دادی کے ساتھ شام ڈھلے
میں بھی محلے کی سیر کو جاتا
مجھے حیران کر دیتی گونا گوں عمارتوں کی دلفریبی
قدیم یونانی طرزِ تعمیر کی
کورِنتھن، ڈورین اور ازمنہ وسطیٰ کے
گاتھی طرز کے ستون
ہشت پہلو عمارتیں، دندانے دار کنگورے
کروی چھت والے گرمائی گھر
کیا ہمارا رئیس بلدیہ بیمار تھا؟
یہ اس ملک پر کس طرح کا یلغار تھا؟
مجھے بھاتا سب سے زیادہ جوڑا شیو مندر
جسے دو مختلف طفیلی پودوں نے رکھا تھا جکڑ
مگر تھی نہ مندر کے دونوں دروازوں پر
ان کی پکڑ
اندر مجھے پتھر کے شیولنگ سے لگتا خوف
احترام کا جذبہ جاگتا
میں گھنٹی بجا کر بھاگ آتا
صحن پر کھڑے برگد کے طفیلی پیڑوں کو تاکتا
دادی کا انتظار کرتے کرتے ہو جاتا اداس

سیڑھی کے چبوترے پر بیٹھا رہتا
بدنام زمانہ اپنچی گدادھرداس
مجھے اشارے سے قریب بلاتا، ہنستا کھوکھلی ہنسی
۔ ارے، ان دونوں درختوں پر حیران نہ ہونا کھوکا
۔ سورگ لوک سے اڑکر آئے تھے دو بگلے
۔ اور مندر کے اطلسی کلس کے نیچے انہوں نے کیا تھا بیٹ
۔ پھر کیا تھا، دونوں نکل آئے پھاڑ کر اینٹ
۔ ان کی جڑیں اندر اور باہر پھیلتی گئیں ساری
۔ اور اب یہ دونوں مندر لگتے ہیں جٹا دھاری
مجھے تو وہ خود بھی مندر کا حصہ لگتا اٹوٹ
کیونکہ مندر کی دیواروں کا جتنا تھا برا حال
اس کے بھی دانت سڑ گئے تھے
اور مسوڑھے تھے لال
مگر گلیوں میں تھیں چھوٹی چھوٹی دکانیں
اور ہر دکان سے لگی کسی رئیس کی بیٹھک
ان صراف کی دکانوں پر چلتی رہتی
دن رات ٹھک ٹھک
ہماری بھارتیہ ناری کے لئے ہیں چھاؤں اور دھوپ
خاندان کا پرانا سنار
اور بھگوان شیو کے ان گنت روپ

اب جو حافظے پر ڈالتا ہوں زور

تو سارے مناظر ہو جاتے ہیں کچھ اور
کتنی تیزی سے کلکتہ نے بدلی ہے اپنی شکل
کہ دنگ رہ جائے انسان کی عقل
کتنے سارے انقلابات گزرے اس شہر سے
کتنی بار ہوا اس کا عروج و زوال
یہ تو ہے کلکتہ میں رہنے والوں کا کمال
کہ آج نہیں وہ آثار قدیمہ میں شامل
آج بھی سب زندہ ہیں، زخمی ہیں، مسکراتے ہیں
اپنا پاپ دھونے گنگا کی اور جاتے ہیں
گرچہ اب گرہستنیں
پالکیوں کے ساتھ ڈبکیاں نہیں لگاتیں

- کلکتہ کا ہوا تھا پہلا زوال
- جب تقسیم ہوا تھا اپنا بنگال
- دوسری بار ہوا اس کا قتل
- جب دار الخلافہ ہوا دلی منتقل

دادا کے حافظے پر تھیں چوٹیں گہری
جیسے دُم سے پکڑا جائے کوئی گلہری

- میں نہیں ڈرتا، مجھ پر لگے کچھ بھی الزام
- ابھی کتنے برس گزرے ہونگے
- جب ڈلہوزی اسکوائر بم کے دھماکوں سے گونج اٹھا
- اب تو گہوارۂ علم میں بھی خونی رویئے دکھائی دیتے ہیں
- کیا گورنر جیکسن پر غلط نہ تھا حملہ

۔ کل تک ہم جلیان والا باغ کے قصے دہراتے تھے
۔ آج ہم نے خود جنرل ڈائر کا نقشِ قدم اپنایا ہے
ہمادری بھوشن کہ تلملا رہا تھا
تھوک کے گھونٹ پی رہا تھا' اپنا غصہ چبا رہا تھا
۔ ایمل تم واقعی ہو غلامی کے اصلی حقدار
۔ کیا تمہاری عقل گھاس چرنے گئی ہے میرے یار
۔ اس کلکتہ میں ذرا صاحبوں کا کلب جا کر دکھاؤ
۔ کچھ عجب نہیں اگر اپنے کولہوں پر جوتے کھاؤ
۔ کیا ان کا رویہ تمہیں پھر بھی ہے منظور
۔ کتنی حقارت سے رکھتے ہیں ہمیں دور
۔ گوری چمڑی ہونا کافی ہے
۔ صلاحیت کی انہیں کیا ضرورت ہے
۔ اور ہمارے طالب علم بس کلرک بنائے جاتے ہیں
۔ زندہ رہنے کی کیا یہی صورت ہے؟
گزر چکا تھا دہشت گردی کا پہلا دور
انگریز ہو گئے تھے کچھ اور بھی شہ زور
ہو چکی تھی بنگال میں قانون ساز اسمبلی کا نفاذ
اور پچھلے سال ہی سبھاش چندر بوس کا
ہو چکا تھا کانگریس سے نکاس
(میں نو برس کا لڑکا
دادا کی بیٹھک سے میں نے سیکھا تھا کتنا کچھ
جنہیں سمجھنے کے لئے مجھے لگے برسوں)

غرض کلکتہ کی سڑکوں پر
تیزی سے واقعات پیش آرہے تھے
کہ یکا یک بنگال کے گاؤں اور دیہات
آئے بھوک اور قحط کی لپیٹ میں
اچانک دن پر اتر آئی بھیانک رات

کون تھے وہ لوگ
اتنی تعداد میں کہاں سے آرہے تھے
وہ اپنی بھوکی نگاہوں سے ہمیں کیا بتا رہے تھے
کیا وہ تھے انسان جن یا بھوت
جو اپنے ساتھ لئے پھر رہے تھے اپنا یم دوت
بھوک کہ انسان کا ازلی دشمن ہے
اور بیماری کہ دونوں ہیں گہرے دوست
نوچ نوچ کر کھانے لگی تھیں
زندہ انسانوں کا گوشت
گاؤں کے کھیت اور کھلیان ہو رہے تھے خالی
کلکتہ بن گیا تھا روٹی کی ایک بڑی تھالی
وہ نیم جان آدھے ننگے لوگ
رینگ رہے تھے مکوڑوں کی طرح کلکتہ کے راستوں پر
خالی جگہوں کو بھرتے جا رہے تھے
جتنی تعداد میں اندر آرہے تھے
اس سے زیادہ تعداد میں مرتے جا رہے تھے

گاندھی نے بھارت چھوڑو کا لگایا تھا نعرہ

مگر جاپانی فوج رنگون تک آ ٹپکی تھی

دادا کچھ اور بوڑھے دکھائی دینے لگے تھے

جیسے دیکھ رہے ہوں اپنی موت

اب تو بیٹھک کی نشست بھی ہو گئی تھی فوت

مراری موہن بہہ گئے تھے اس سیلاب میں

گرچہ اب بھی وہ دکھائی دیتے خواب میں

سناتے مجھے میرے پتا کی کویتا

تھوڑا بہت میں لائبریری کے بڑے کمرے کو جاننے لگا تھا

کتابوں کی دھندلی الماریوں کو پہچاننے لگا تھا

یہ لائبریری میرے پتا کی اپنی تھی

میں کتابیں کھول کھول کر پڑھا کرتا ان کے عنوان

دل کو بھا جانے والے مصنفوں کے نام

کارلائل، والٹائر، روسو

ٹالسٹائی، لینن، کارل مارکس

میں ڈر کر انہیں رکھ دیتا واپس

کچھ اور ڈراؤنا ہو جاتا میرے اندر کا تمس

میں جاگ کر آتا او سارے میں

شاگرد پیشے میں غپیں لڑاتا

یا کبھی چھت پر، کبوتروں کے ساتھ

چپ چاپ کھڑا رہتا

کلکتہ کے آسمان پر نظریں دوڑاتا

گنگا کی طرف سے چل رہی ہوتی ٹھنڈی ہوا
جانے کب میری آنکھیں بھیگ جاتیں
کہاں ہونگے پتا جی، ماتا جی
(سنا تھا ان کا پریم تھا اتھاہ!)
کیسے ہونگے وہ لوگ
جنہیں اپنے خون کی نہیں پرواہ
چھتوں کے اس سیلاب سے پرے
جانے کیا کر رہے ہونگے
گاؤں میں مزے سے کاٹ رہے ہونگے زندگی
لکھ رہے ہونگے کویتا کسی ناؤ میں بیٹھ کر
دونوں اطراف کے پیڑوں سے
ٹھنڈی ہوا آ رہی ہوگی
جو خود بھی پتا جی کی کویتا گا رہی ہوگی

تھا یہ میری زندگی کا ایک یادگار سفر
جس سے تا مرگ شاید مجھ کو ملے نہ مفر
ٹرین دوڑ رہی تھی اجاڑ ویران کھیتوں کے درمیان
میں کھڑکی کے سامنے بیٹھا تھا متجس اور حیران
پیڑ اور کھمبے ہمارے ساتھ لگا رہے تھے دوڑ
ایک استخوانی سیلاب تھا ہر گام ہر موڑ
کتنا اداس، خاموش اور مغموم، البتہ
ہر قافلہ کا رخ تھا ہمارے مخالف سمت، جانب کلکتہ

دادا! بیمل دوسری سیٹ پر خاموش بیٹھے تھے
کبھی کبھار نکالتے نسوار کی ڈبیا
واپس کرتا کی جیب میں ڈال لیتے
کانارام نے کیا تھا تیسری بار حقہ گرم
جواب اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ میں پڑا تھا نم
ڈبّے میں مسافر تھے بس برائے نام
ٹکٹ چیکر گزر چکا تھا ٹھونک کر سلام
مجھے پتہ نہ تھا میں کیوں تھا بے چین
باہر کے مناظر یوں تو مجھے بھا رہے تھے
مگر یہ بھوکے ننگے لوگ کہاں سے آ رہے تھے
کھیتوں میں کہیں بھی تھی نہ ہریالی
مگر دھوپ میں جو ننگے کھڑے تھے پیڑ پودے
کہیں کہیں ان پر کوئی رنگین چڑیا دکھائی پڑتی
جو عجیب منظر پیش کرتی
ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر اترے ہم تین
ٹرین کا انجن گاڑھا دھواں اگلتا چل نکلا
گارڈ کی ہری جھنڈی میرے سامنے سے گزر گئی
پٹریوں کی دوسری طرف' مخالف پلیٹ فارم پر
تھا ایک بار وہی ہجوم
جو ڈاؤن ٹرین کا کر رہا تھا انتظار
اسٹیشن کے باہر کھڑے تھے ہمارے لئے
ایک بیل گاڑی اور ایک دھوتی پوش جوان

اس نے دادا کو پیر چھو کر دیا سمان
ہم لد گئے بیل گاڑی میں وہ چرمراتی چل نکلی
ایک عجیب خاموشی کے طلسم کو بڑھاتی چل نکلی
بیلوں کے مقعد پر تھی مکھیوں کی بھرمار
جنہیں بھگانے کے لئے وہ ہلا رہے تھے دُم
کھیتوں اور کھائیوں میں دن دہاڑے
لومڑیوں اور لکڑبگھوں کی سنائی پڑ رہی تھی پکار
جگہ جگہ مویشیاں مری پڑی تھیں
جن کے پیٹ کھول رہے تھے گدھ اور چیل
ہمیں زندگی سے دور کرتا جا رہا تھا ہر سنگِ میل
کیا مٹی بھی ہو سکتی ہے اس قدر بھوکی
کہ اجنموں کو بھی ڈکار لے
جانے کہا تھا کس نے دکھوں کا نہیں کوئی انت
وہ انسان ہو یا جانور، ڈاکو ہو یا سنت
سارے ابدیت کے خوف سے دہل جاتے ہیں
مگر ایک ذائقے دار نوالے سے بہل جاتے ہیں
کبھی تو آندھیاں چل پڑتی ہیں تیز
کبھی عام سے واقعات ہو جاتے ہیں حیرت انگیز
آدھی نیند کے عالم میں تھا میں جب، کھل گئی آنکھ
بیل گاڑی میں میں بیٹھا تھا اکیلا
نزدیک و دور کھڑے تھے خیمے
لوگ آ جا رہے تھے

میں نے بیل گاڑی سے اترنا چاہا

کہ دکھائی دیا کانارام

اس نے میرا بازو لیا تھام

۔ تھوڑا انتظار کرو بابا

۔اندر پدھارے ہیں سرکار

۔ یہاں تو ہر طرف مچی ہے ہاہا کار

خیمے کے رخنے سے پھوٹی تھی ایک کرن

جو تیر کی طرح برس رہی تھی اندر

چھو رہی تھی وہ پیلا بے حس بدن

میرے پتا دلال بھٹا چارج

کمپ کی چارپائی پر لیٹے تھے نیم جان

نگران کے داڑھی دار چہرے پر تھی عجیب مسکان

۔ پتاجی کے پاؤں چھوؤ بندنا

۔ میں تو ہوں بس دو ایک دن کا مہمان

۔ باقی کے جیون کے ہونگے یہ تمہارے انّ داتا

۔ کاش میں کچھ اور سمئے جی پاتا

دادا انیمل کہ پتاجی کا ہاتھ تھام رکھے تھے

آنسو روکنے کی جدوجہد میں

سینہ پھول رہا تھا ان کا

سینے کی تیلیوں پر پڑ رہا تھا دباؤ

پتاجی نے ان کا ہاتھ گرم جوشی سے تھام رکھا تھا

کوشش تو کی تھی انہوں نے

مگر ان کی ذات تھی کمزور

تے بھاگا تحریک پکڑ نہ سکی زور

ان لوگوں نے یہ ریلیف کمپ لگوائے تھے

غریبوں کی بھوک مٹانے کو

فوڈ کارپریٹیو بھی بنائے تھے

ان کی سیاسی آنکھوں میں

یہ قحط ایک جھوٹ ایک سازش تھی

اس میں انگریزوں کی

کسان تحریک کو مٹانے کی خواہش تھی

یہ کسان جنہوں نے کبھی پیٹ بھر نہ کھایا

انہیں ہر دور میں راجاؤں، زمینداروں نے ستایا

ہم کمپ میں رہ گئے چار دن

میں پتا جی کے قریب نہ سکتا تھا پھٹک

دور سے میں نے دیکھی تھی ان کی جھلک

ان کی حالت اتنی ہو چکی تھی خراب

کہ اب باتوں کا وہ دے نہ سکتے تھے جواب

بیماری اور بھوک کی لپیٹ میں تھے جو گاؤں

پتا جی ان میں بہت اندر تک سما گئے تھے

مگر آخر کار انہیں خود چاٹ گیا تھا ہیضہ

اس سوکھے نالے کے کنارے

ان کی چتا کو میں نے دی آگ

ماں نے نہ مجھے سینے سے لگایا نہ آنسو بہائے
بس ان کے سر پر پلو اور زیادہ بڑا ہو گیا
واپسی کا سفر ایک مسئلہ بن کر کھڑا ہو گیا
ہم اپنے اپنے کونے میں چپ چاپ
ٹرین کی بھیانک بھیڑ میں گویا اکیلے تھے
وہاں تو ہر ڈبّے میں انسانوں کے میلے تھے
ہر کوئی بچے کھچے سامان کے ساتھ جا رہا تھا کلکتہ
ہر کوئی تھا اداس
ہر کسی کی آنکھوں میں تھا جینے کا سپنا
اور ایک روٹی کی آس
زندگی اپنے آپ میں بن چکی تھی ایک کوری بکواس

ماہ و سال کسی طرح پر لگا کر گزرتے گئے
ماں ایک خاموش مورتی بنی جانے کب ٹوٹ گئی
دادا جی نے کچہری جانا چھوڑا
دوستی یاری سے ناطہ توڑا
اپنی آرام کرسی پر بیٹھے حقہ گڑگڑایا کرتے
آدھی رات کو اٹھ کر کانارام کو بلایا کرتے
جو کب کا مرکھپ کر نیم تلا کے گھاٹ پر جل چکا تھا
میرے اسکول کے دن ختم ہونے کو آرہے تھے
جس دن میں نے پڑھا چیخوف کا وانکا
اچانک کلکتہ میں اصلی چہرہ کھل گیا انسان کا

دیکھتے دیکھتے پھوٹ پڑے، فرقہ وارانہ فسادات
ہر طرف قتل و خون، شور و غل دن رات
میں پتا جی کی لائبریری میں سب سے دور
ایک دوسری جیت کو دریافت کرنے میں تھا مسرور
کیا واقعی تھا یہ سچ کہ انسان ابھرا
دس لاکھ سال قبل سطح زمین پر
تو چھ ہزار برس کے پیچھے کا وہ عرصہ ہو گیا گم کدھر؟
مصر کی نو آبادیات، چین کی تہذیب
خود اپنی سرزمین پر سندھو سبھیتا
پپائرس سے چھاپے خانے تک کا سفر
قیصر روما، دیوار چین، غلاموں کی فروخت و خرید
الف لیلیٰ کی ہزار راتوں والا ہارون الرشید
جہاد، کبلائی خاں، ولایت کا پلیگ
انگلینڈ کے خلاف آئرلینڈ کی بغاوت کا اعلان
بنگال کے نواب کا کلکتہ پر قبضہ
پلاسی کی جنگ، میر جعفر کے خاندان کا عروج
جیمس واٹ کا ظہور، صنعتی انقلاب
مگر انقلابات اور جنگ کے چہرے کتنے تھے جدا
ہٹلر کے منصوبے کے تحت
ساٹھ لاکھ یہودیوں کا کیا گیا تھا قتلِ عام
مگر تھی یہ وہی کہانی
جو دہرائی گئی تھی ہر دور میں مدام

نکالے گئے تھے مصر کے گھیٹوز سے کبھی یہودیوں کی شکل
کبھی نبوکدنزر کے ذریعے قیدی بنائے گئے
کبھی ٹائٹس نے کیا یروشلم تاراج
کبھی انگریز لوٹ کر لے گئے ہندوستان کا تاج
مگر یہ تاریخ کب یک طرفہ لڑائی تھی
انسانوں نے ظلم کے خلاف ہمیشہ آواز اٹھائی تھی
کبھی روم کی خانہ جنگی کی شکل
جو لڑی گئی سولا اور مارس کی رہنمائی میں
کبھی اسپارٹاکس کے ذریعے
ساٹھ ہزار غلاموں کی بغاوت کے روپ
کبھی ونڈال کے ذریعے روم کی تاراجگی
کبھی روبرٹ بروس کے ذریعے اڈورڈ کے خلاف بغاوت
وٹ ٹائلر کا محصول کے خلاف کسانوں کو تحریک پر اکسانا
مارٹن لوتھر کا پوپ کے خلاف آواز اٹھانا
کیتھولک کی گن پاؤڈر سازش
ولیم پین کا کوئکرس کے لئے پنسلوانیا کو بسانا
بوسٹن ٹی پارٹی اور جارج واشنگٹن کی لڑائی
شاعر بائرن کی یونان کی جنگِ آزادی میں شرکت
ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف غدر کی لڑائی
ابراہیم لنکن کی غلامی کے خاتمے کے لئے قربانی
اروِل اور ولبر بھائیوں کا انسان کو عطا کرنا پر
زار کا بے رحم خاتمہ، وہ اس وقت کا مہان روسی انقلاب

مگر خود اسپین میں بایاں مخاذ کے خلاف فوج کا جواب
غرض میرے اندر بنتا گیا ایک نظریہ
جب بجا آزادی کا بگل
میں اداس بیٹھا تھا، گویا ایک بجھی ہوئی مشعل
آزادی ملک میں کسی طور آئی تو تھی
مگر طاقت جن ہاتھوں میں گئی تھی
اس میں کیا رعنائی تھی
میرے اور میری طرح لاکھوں دلوں میں تھے جو اندیشے
زیادہ وقت نہیں گزرا کہ چلانے لگے تیشے

کالج اسٹریٹ کے کافی ہاؤس میں تھا ہمیشہ کا انتشار
چھل رہے تھے شانوں سے شانے
کچھ نئی تعلیم کے دیوانے
ایک کونے میں پھونک رہے تھے چار مینار
لانبی وردیوں میں ملبوس، پگڑیاں سر پر سنبھالے
بیرے کر رہے تھے احکامات کی تکمیل
۔ آپ سے ملئے، آپ ہی شریمان اندرنیل
۔ نئے نئے پریسیڈنسی کالج میں آئے ہیں
۔ ان کے دادا ہیں مشہور وکیل
منٹو دیب ناتھ نے پائپ منہ سے نکالا
کرایا میرا تعارف، میں نے سب کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالا
سمیر شیکھر، شرد گوتم اور تپن کو لے

گوتم نے ٹوٹی ہوئی گفتگو کا سرا اٹھایا

۔ خروشچیف کو نہیں بھاتا اسٹالن کا انقلاب

۔ مرے ہوئے شیر پر کوئی بھی کر سکتا ہے پیشاب

۔ کچھ بلاوجہ پولینڈ اور ہنگری میں نہیں چل پڑی ہے

۔ گندی سرمایہ داری کی لہر

۔ اس امریکی سازش پر ماں کالی کا قہر

منٹو دیب ناتھ نے پائپ کی راکھ جھاڑی

۔ اکثر اس بحث میں لوگ نکلتے ہیں اناڑی

۔ جن میں معلومات کا ذخیرہ نہیں ہوتا

۔ وہی بھڑکتے ہیں سب سے زیادہ

۔ پھر بھی تسلیم ہے مجھے

۔ شروع ہو چکی ہے جنگ

۔ محنت کشوں اور سرمایہ داروں کی

۔ شاید وقت آن پہنچا ہے بلند بانگ نعروں کی

میں نے کہنی رکھی میز پر، چائے کی پیالی کے اندر تاکا

جانے کہاں سے میرے اندر جوش بھر گیا بلا کا

۔ چین کی سرزمین سے جاگا ہے سرخ سویرا

۔ زیادہ دن نہیں ٹکنے کا

۔ مغرب کا پھیلا ہوا اندھیرا

۔ ادھر جرمنی میں لوہے کی کھڑی کرلیں دیوار

۔ یا شمالی کوریا کا روک دیں قدم

۔ فرانس میں جگال کی بڑھی ہے طاقت

۔ اور بستر کا تختہ کاسٹرو نے دیا ہے الٹ

۔ لازمی تھا ہمارے ملک میں حکومت

۔ محنت کشوں کو سونپی جاتی

۔ شاید تب ملتی، ہمیں صحیح آزادی

سمیر شیکھر نے میرا ہاتھ گرم جوشی سے تھاما

۔ دیکھ لینا اپنا بندھو کرے گا ہنگامہ

۔ اس کے اندر میں پا رہا ہوں وہ آگ

۔ جو پگھلا ڈالے گی شکیوں کا دماغ

۔ اس کھوکھلی حکومت کی بنیاد ہلا ڈالے گی

تپن کولے نے چہرا کیا چھت کی طرف، مسکرایا

اور پھر جانے اس کے جی میں کیا سمایا

کھڑے ہو کر اس نے مجھے دی سرخ سلامی

۔ مجھے تو منظور ہے اپنے نئے بندھو کی غلامی

۔ ہم اسکے بتائے ہوئے راستے پر چل نکلینگے

۔ دیواروں پر اپنے خیالات لکھنے کل نکلینگے

دیکھتے دیکھتے میں ہو چکا تھا

گرم سیاست میں ملوث

میرے ساتھیوں کو جھلنے لگی تھی

میرے اندر کی تپش

جتنی تقریریں، بحث مباحثہ اور آپس کا شور

اتنی ہی میٹنگوں میں بمباری

منطق اتنا ہی شبہ زور

میں پنشکل یونین کی تقریروں میں ہونے لگا تھا شریک
پڑھائی کی کوئی وقعت ہی نہ تھی میرے نزدیک
مگر جب لوٹتا گھر تو دیر رات تک لائبریری میں
عظیم دانشوروں کی صحبت اختیار کرتا
فیثا غورث' سقراط اور ارسطو
میکاوٗلی' ڈیکارٹ برکلے اور ہیوم
کانٹ' ہیگل اور شوپنہار
نٹشے' کارل مارکس اور برگساں
وہ ایک سمندر تھا جس میں میں تنہا رواں
یوں تو روسو اور والٹیئر نے جلائی تھی آگ
مگر کارل مارکس اور اینجلس تھے میرے نزدیک
کائنات کے صحیح پیغمبر سب کے دکھوں میں شریک
وقت آ گیا تھا کہ تاریخ کو نیا موڑ دیں ہم
وہ پرانا ڈھانچہ ہمیشہ کے لئے توڑ دیں ہم

شام کی نیم تیرگی میں میں اور تپن کو لے
امہرس اسٹریٹ کے چوراہے سے ہری سن روڈ کی طرف مڑے
۔ جب قانون تمہیں پڑھنا تھا
۔ تو اندر نیل تمہیں لکچرر نہ بننا تھا
۔ چلو یہ بھی اچھا ہوا سنسکرت کالج سے جڑ گئے
۔ ورنہ یوں بھی ہو سکتا تھا
۔ پیسہ کمانے کے لئے

۔ تم عزت ماب عدالت کی طرف مڑ گئے
ایک سنسان گلی میں، ہم قدم ملاتے جا رہے تھے
گیت انقلاب کا زیر لب گاتے جا رے تھے
میں نے کولے کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے روکا
۔ میں اپنے دادا کی طرح نہیں دے سکتا خود کو دھوکا
۔ مگران کی موت کے بعد جب آج ڈالتا ہوں نظر
۔ ہر طرف ان کا ہی کہا سچ نکلتا ہے
۔ اپنے ملک کا نظام عجیب ڈھنگ سے چلتا ہے
ایک پرانی عمارت کی دیوڑھی پر تھے کچھ افراد کھڑے
ہم جب بیٹھک میں آئے تو پہلی بار
میں نے کیا چارودا کا دیدار
وہ دبلے پتلے لاغر و ہراساں انسان
مگر ایک عجیب چمک آنکھوں میں
کندھوں کی عجب شان
ہمارے لئے چند کم عمر کے جوان
کرسیاں چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے
دیوار سے کچھ اور لگ کر
چارودا نے جاری رکھا اپنا بیان
۔ ہمیں توڑ ڈالنا ہے یہ کھوکھلا ڈھانچہ
۔ وقت آگیا ہے
۔ سرمایہ داری کے منہ پر پڑے زور کا طمانچہ
۔ یہ پولس جو کہ علامت ہے اس ظلم و استبداد کی

- اسے توڑنا ہے اکھاڑ پھینکنا ہے اسے
- جلا ڈالنا ہے آگ میں جھونکنا ہے اسے
- بڑھے، بچار دھارا جاگ اٹھے بچہ اور جوان
- آخر کب تک ظلم سہے سیدھا سادا انسان
- ماؤ نے دکھایا ہے چین سے ہمیں جینے کا طریقہ
- آج امریکی طاقت اس سے دہل گئی ہے
- روس محض ایک رجعت پسند قوت میں بدل گئی ہے
- ہمارے ساتھی بند ہو کسان اور مزدور
- آج کا جوان طبقہ پڑھا لکھا سماج باشعور
- ہر کوئی ہمارے ساتھ ہے ابل اٹھی ہے آگ کی لہر
- ہمیں انصاف کے لئے بہانا ہے خون کی نہر
- ایک مہان انقلاب کی خاطر
- کام کرنا ہے شام اور رات
- چاروں دھام اور چاروں پہر

ایک عجیب سی سرگرمی تھی، عجیب سا جوش
تیقن سے خالی ہو گیا تھا تعلیم کا نظام
ضروری تھا کہ حکومت کا ہو کام تمام
شہروں شہر بکھر گئے ہم نکسلواد
پاک وصاف باطن کے طلباء تھے ہمارے ساتھ
میں نے شہر پورولیا کو لیا تھا اپنے ذمے
جہاں ہو چکی تھی پولس سے پہلی ٹکر

اور پولس نے اپنارویہ کیا تھا جارحانہ
بس اسے گولی مارنے کا چاہئے تھا بہانہ
کتنی معصوم ہستیاں آدھی رات گھروں سے اٹھائی گئیں
کتنے کمسن، نہتے، میدان میں دوڑا کر
ان پر گولیاں برسائی گئیں
کھنگالنے کے لئے سچ اور جھوٹ
لڑکوں کے فوطوں پر رکھے گئے بھاری بوٹ
لڑکیوں کی شرم گاہوں میں
ڈالی گئی سخت آئس کریم
ان کے ساتھ کیا گیا سدومت کا ارتکاب
جس دن مجھے ایک مال گاڑی کے اندر سے گرفتار کیا
پولس نے مجھ سے پیچھا چھڑانے کا نسخہ تیار کیا
مگر پھر حالات بدلے میں رہ گیا زندہ
میں جیل کے اندر پھڑ پھڑاتا پرندہ
کتنے برس گزرے، کیا کیا الزمات ہوئے عائد
سڑتا رہتا تمام عمر میں جیل میں شاید
اگر اچانک عدالت ایک دن جاری نہ کرتی
میری آزادی کا پروانہ
جب میں باہر آیا
مغربی بنگال لکھ رہا تھا
ایک اور ہی افسانہ
اچانک انقلاب کو مل گیا تھا طاقت کا بہانہ

ہمارے روشن خیال اور پاک وصاف کامریڈ
لے رہے تھے فیصلے غریبوں کے نام پر
اور دھیرے دھیرے اسی سمت جا رہے تھے
جس کے خلاف کل وہ نعرے لگا رہے تھے
میں جب لوٹا ہاتھی بگان
میرے دادا کا وہ پرانا مکان
آ چکا تھا غربت کی لپیٹ میں
اس کے زیادہ حصے کرائے پر لگا دئے گئے تھے
میرے کمرے اور برآمدے پر اب بھی تھا میرا قبضہ
جہاں کی میں نے پھر سے زندگی کی شروعات
مگر اب میں پھر رہا تھا آوارہ عمر دراز
کرائے پر میرا حصہ تھا اتنا قلیل
کہ شاید اپنے دادا جان کا چغہ چڑھا کر
میں بھی بن جاتا وکیل
کہ میں نے تھامی زندگی کی نکیل
میں اپنے آپ میں دادا کو دہرانا نہیں چاہتا تھا
مجھے مل تو گئی معلمی کی نوکری پارٹ ٹائم
مگر یہ سہارا کچھ ایسا نہ تھا دائم
کہ میں زندگی کو دیتا کوئی ٹھوس شکل
یوں بھی ماری گئی تھی میری عقل
اب میں ہر چیز سے بھروسہ گنوا چکا تھا
واپس اپنی موٹی کھال میں آ چکا تھا

- فیاض میرے یار میرے دوست میری جان
- وقت کے سیلاب میں بہہ گیا سارا ایمان
- ہم بنگالی ہوتے ہیں بڑے انا پرست
- ہم سمجھتے ہیں ہم سارے ملک کو راستہ دکھاتے ہیں
- شاید یہی سبب ہے
- کہ ہم لوگ جہنم میں جاتے ہیں
- ہم اپنی زبان پر رکھتے نہیں قابو
- ہمارا سب سے بڑا سپنا ہے سرکاری بابو
- ہم بھی اتنے ہی سڑے گلے اور بیکار ہیں
- جتنے کہ ہیں اور دوسرے سارے
- اس مہان ندی کے کنارے

ہاں یہی ہے وہ تماشہ گاہ
جس میں میں نے رچایا زندگی کا کھیل
اور کھائی مات
اب بے معنی تھے میرے دن رات
وہ لوگ جن کا قد تھا کل اونچا
اب جھک کر خود اپنے جوتے چاٹ رہے تھے
سرکاری مراعات آپس میں بانٹ رہے تھے
اور جنھوں نے لڑی لڑائیاں، کھائی گولی
وہ لگا نہ سکتے تھے اپنے ایثار کی بولی
وہ چپ چاپ اپنے سائے میں سما گئے
جانے انہیں زمین پی گئی

یا آسمان کھا گئے

بالڈر، وہ عظیم، خوبصورت، خالص دیوتا
جس کی حفاظت کو نکلی تھی ماں فریگا
ہر چیز سے جب وعدہ لے چکی
کہ بالڈر کو نہ پہنچائے گزند
اس نے مسٹلٹو کو بھولنے کی کی غلطی
اور جب تمام دیوتا منا رہے تھے تقریب
بالڈر کے ناقابلِ تسخیر ہونے کی خوشی میں
اسی مسٹلٹو نے بالڈر کے دل میں گھس کر
کیا اسے تاراج

- میرے پیارے فیاض
- آج جو کچھ ہو رہا ہے
- کیا لوگ اِس کھیل کو گئے ہیں بھول ؟
- جانتے ہیں وہ کس سازش میں مشغول !
- انہیں کٹتے کناروں کا بھی نہیں ہے ڈر
- اب جنگل میں جھاڑیاں
- ضرورت سے کچھ زیادہ ہی اگ آئی ہیں
- وہ وقت دور نہیں
- جب آگ لگے گی سارا جنگل جلا ڈالے گی
- ان نقاب پوشوں سے اپنا بدلا لے گی

ایک بدروح کی طرح میں پھرنے لگا تھا ادھر ادھر

کبھی کالج اسٹریٹ کے سوئمنگ پول کے کنارے
کبھی پھرتا آوارہ ہگلی ندی کے پشتے پر
کبھی جانکلتا میں کسبا
میری لڑائی کا شریک رام ساگر رائے
ان دنوں لکھ رہا تھا
اپنی زندگی کی آخری ادھیائے
رام ساگر کو چھوڑے عرصہ ہوا تھا نوا کھالی
مگر نفسیاتی طور پر اس نے اسے
کیا نہ تھا قبول
مگر اب کہ کینسر نے اسکا حلق کر دیا تھا بند
اسکی آنکھیں عجیب ڈھنگ سے کرتیں اظہار
اس کی اکلوتی لڑکی بینا، سدا کی بیمار
اس پر رک رک کر ہسٹریا کے دورے پڑتے
اس گھر کی دیواروں پر ان کی پرچھائیاں
جیسے ہمیشہ کے لئے گھُٹ کر رہ گئی تھیں
تھا یہی رام ساگر
جس نے کئے تھے حیرت انگیز کارنامے
اس عظیم کازکی لڑائی کا بانکا جیالا
بن چکا تھا اب ایک غیر مستعمل شوالا
جسے تارے کی طرح جل کر مٹ جانا تھا
اس کے سنگی ساتھی وقت کے ساتھ چل پڑے تھے
کسی کے پاس اس کے لئے فرصت تھی نہ طبیعت

میں کڑھتا، اپنے آنسو اپنے اندر ہی اندر پی جاتا
- جو انقلاب کی راہ پر ہو گئے شہید
- اچھا ہی ہوا ان کے ساتھ
- ورنہ ان کا بھی حشر ہوتا قابلِ دید
- یوں میری طرف کیا دیکھ رہے ہو ساگردا
- میں تو خود جنگل سے نکالا ہوا درندا
- خود اپنے بے مصرف ہونے سے پریشان ہوں
- آج میرے پاس نہ کوئی آئیڈیولوجی ہے
- نہ جینے کا کوئی بہانہ
- پھر بھی چونکہ ممکن نہیں مر جانا
- کسی طور زندہ ہوں
- اپنے ہونے پر شرمندہ ہوں
مگر ساگردا کی آنکھوں کی بیچارگی
میرے خواب کے اندر بھی دکھائی دینے لگی تھی
میں پھرنے لگا تھا بے چین اور بدحواس
کیا کچھ بھی نہیں اسے دینے کے لئے میرے پاس
کیا ساگردا کے سوالات پیاسے رہ جائینگے؟
یا یوں ہی وقت کے سیلاب میں بہہ جائینگے؟
کیا سورج کبھی اترے گا نہ اسکے آنگن
کیا یہ چاروں پہر کی تیرگی ہوگی اسکا درپن
جوان کی موت کے بعد مینا کو گھیر لے گی
اور میں نے کیا آخر کار وہ فیصلہ

جس نے ساگردا کی آنکھوں میں بھر دئے آنسو
(کیوں پرلوک میں خاموش بیٹھا ہے بھگوان تُو ؟)
ہماری شادی کے ماہ بھر بعد ساگردا گزر گئے
اس شادی کی اطلاع تھی بس چند دوستوں کو
مگر جس دن مینا آئی ہاتھی بگان کی حویلی
بیمار، اداس، خاموش اور اکیلی
کسی کو یقین نہ آیا کیا کسی نے نہ سوال
مگر یہ تھا گزرتے وقت کا کمال
مینا کی بیماری اور اسکا پاگل پن
بن گئے اس حویلی کا ایک اٹوٹ حصہ
پھر تو میرے لئے مرنا تھا روز کا قصہ
مینا کا درد اور اس کے شور نے مجھے اس طرح توڑا
کہ ایک بے معنی انسان بنا کر چھوڑا
گرچہ میں تھا ذہنی طور پر اس کے لئے تیار
پھر بھی میں اپنی جڑوں تک ہل گیا
میرے خدا،
کیا عورتیں اتنے دکھ جھیل سکتی ہیں
روک سکتی ہیں اتنے آنسو
کہ نمکین ہو جائے سارا سمندر
انسان کی ساری نسلیں ڈوب جائیں
ہم مردوں نے ان سے چھین تو لیا ہے سب کچھ
مگر کیا دیا ہے

کب سچے دل سے ان کے زخموں کو سیا ہے
ہم جو باہر دنیا سدھارنے نکلے تھے
کیا ہم نے اندر سے خود کو کیا تھا پاک
پھر یہ آنکھیں ہیں کیوں اس قدر نمناک !

خاموش رات کے سینے سے
ٹرام کے پہیے گزرتے ہیں
اس شہر میں رات کو فرشتے لیتے ہیں جنم
دن کو انسان مرتے ہیں
ہم جو دراصل صفر ہیں
اپنے ہونے کا اعلان
کتنی شدومد کے ساتھ کرتے ہیں

فادر ہرے رام

میں خود پتوار چلا کر تمہیں کنارے کی طرف لے چلونگا تا کہ لوگ دیکھ سکیں
کہ خدا اور شیطان کتنے ہم شکل ہیں اور دونوں ایک دوسرے کی صحبت میں
کس قدر خوش ہیں۔

انجیل بمطابق عیسیٰ مسیح (ہوزے سارا ماگو)
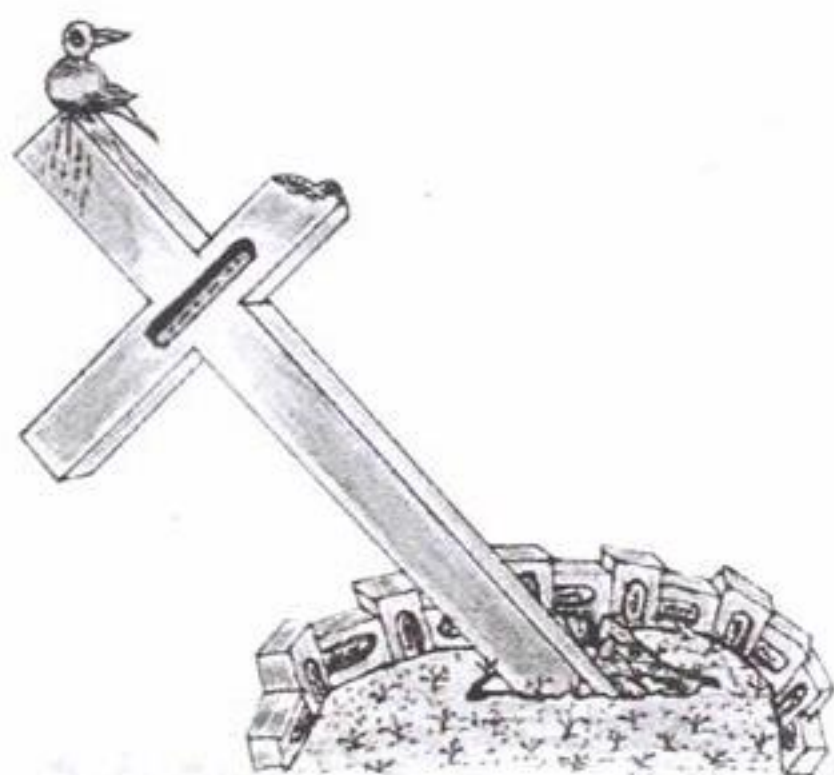
فادر ہرے رام

ظہورِ عیسیٰ مسیح سے یوں تو روشن ہوا تھا بیت الحم
مگر سنسان ہی پڑا رہا انسان کے اندر کا یروسلم
ہم اپنے گرد کرتے ہیں دیواریں کھڑی
اور ستاتے ہیں ان کے اندر گھڑی دو گھڑی
پھر اوروں کی دیواروں میں سیند لگانے نکل پڑتے ہیں
اوروں کے پھل کھانے نکل پڑتے ہیں
اور اپنے ہی اندر ان کے بیج تھوکتے جاتے ہیں
انسان کو کیا بیان کر پائے بیتسہ کار جسٹر
کہ عشائے ربانی کی میز ٹوٹی پڑی ہے ہمارے اندر
جہازی عرشے پر کھاتے پیتے ہیں جشن مناتے ہیں
بندرگاہ پر اکیلا ڈولتا رہتا ہے ان کا بیتھل
شاید میرے سلسلے میں ناکام ہوئی تھی
میری مذہبی تربیت گاہ
وہ پرانے گوا میں بادام کے پیڑوں سے ڈھکی سیمیناری
جہاں سے واپس روانہ ہو چکا تھا میرا پرتگالی باپ
اور جا بسا تھا لاگوس، بحر او قیانوس کے کنارے
مگر میری ماں کہ ڈونا پاؤلا کے قبرستان میں دبائی گئی
اس نے میرے سینے پر صلیب رکھ کر لی تھی قسم
میں لڑتا رہوں گا اور پالوں گا وہ یروسلم

جو ساری دنیا کے لئے ہے

کالینگوڈ کے ساحل کی تیز دھوپ

ریت پر بھاگتے ننگے سیاہ فام بچے

پرانے گوا کی بستیوں میں پلتی بے حسی

منڈوی ندی کے کنارے بھٹکتے سیلانی

میرے لئے سارے کے سارے قصہ ماضی ہو چکے تھے

اور میں نے دوبارہ لیا تھا جنم کلکتہ کی غلیظ سڑکوں پر

جہاں زندگی اور موت ہم نام تھی

اور مستقبل کے بطن میں کالے بادل پل رہے تھے

ماں ڈورا گونزالیز نے قبول کیا تھا

دھرم تلہ کے لاریٹو میں انگریزی ٹیچر کا عہدئہ

سیمیناری میں اس کے خطوط کا شدت سے کرتا انتظار

عید نصاریٰ میں جب ماں گوا لوٹتی

تو ہم عشرہ عید کی خوشیوں میں ہوتے شریک

جاڑے کی شدت کہ گوا کے ساحلوں میں کم دکھائی دیتی ہے

کسی طور شجر کرسمس کی عزت کم نہ کرتی

ہمارے بڑے پادری سڈرک ڈیسوزا

رسمِ عشائے ربانی کے دوران ہمارے دلوں میں وہ نور جگاتے

کہ رات ہم قافلے کی شکل میں نغمہ طرب میں ڈوب جاتے

مگر میں اکثر تنہائی میں ہوتا ایسے سوالوں کے روبرو

کہ یہ اندر ہی اندر منجمد کر دیتے میرے لہو

گرچہ کچھ کم نہ تھی اس سرزمین کے لئے ہماری چاہت

ماں ڈورانے کھوئی نہ تھی پرتگالی شہریت
اس نے مجھے جنم دیا تھا جب وہ گئی تھی پرتگال
انسان کو لوٹنا پڑتا ہے اپنی جڑوں کی طرف اسکا تھا خیال
اکثر وہ ماں مریم کی مقدس شبیہہ کے سامنے دوزانو ہو کر
جانے کس بات کے لئے کرتی پرارتھنا' کیا بڑبڑاتی
اور مراقبے میں چلی جاتی
میں چرچ کی عظیم الشان دیواروں اور دروازوں سے پوچھتا
کیا جذبۂ ایثاریت کے اندر ہم دنیا کو نہیں پا سکتے؟
کیوں سدا پھیلے رہتے ہیں ہمارے ہاتھ
اور ہم سے ہی وعدے لئے جاتے ہیں
وقت گزرتا رہتا ہے
اور ہم اپنی خود غرضی کے جام پئے جاتے ہیں
کیا ضروری نہ تھا کلیسا کے ضابطہ اخلاق میں یہ روا رکھنا
کہ حمد میں ہمارے آنسو ہی شامل ہوتے
کیوں انسان کو اصطباغ مسیحی کی پڑتی ہے ضرورت
مسیحا مثل بننے کی یقیناً یہ نہیں صورت
مگر میرے لب سل چکے تھے پادری کا منصب عطا ہونے تک
گرچہ میں کچھ کچھ سمجھنے لگا تھا
نظریۂ وجودیت اور مظہریات
جب میں بڑے پادری کے عصائے اسقف کو
جھک کر بوسہ دیتا
کچھ اور ہی امنڈ پڑتے میرے اندرونی جذبات

میرا جی چاہتا میں جالی دار اوٹ کو تھام کر
کروں ان گناہوں کا اقبال
جن کی شکلیں تھی غیر واضح
مگر ڈپٹ پڑتا میرے اندر کا ناصح
اکثر چرچ میں خطبہ کے دوران
میرے خیالات میں آتی وہ اٹھان
جو مجھے ایک کورے ساحل پر چھوڑ جاتی
اور میں انگلیاں ریت میں گاڑ کر
اپنے لانبے گیلے بالوں سے ٹپکتے نمکین قطروں سے بے نیاز
اس پکار کو سنتا جس سے بج اٹھتے میرے کان
اکثر میسر ہوتے مجھے بھی توضیحی اشارے
جب میں اکیلا گھومتا رہتا سمندر کے کنارے
یا چرچ کے حجروں میں کبوتر کی غٹرغوں سنتا
سنِ عیسوی میں اپنی طرز کی تاریخ بُنتا

برادر انجیلو میرانڈا کہ نصرانی تنظیمِ نو کے کارکن تھے
اپنی طبیعت کی کسی ترنگ میں آ کر
انہوں نے کیا تھا گوا کا رخ
لیا تھا بگا کے ساحل پر ایک یونانی طرز کا مکان
۔ ناتھن، بڑے بڑے گزرے ہیں دھرتی پر عالمِ دین
۔ اور کسی کسی پر ہوا بھی ہوگا الہام نزول
۔ مگر یہ ہم انسانوں کی ہے بھول

- ہم مبارک گوئی کے لئے صفیں لگاتے ہیں
- مگر ہمارے اندر اگتے رہتے ہیں ببول
- چرچ کے عدالتی نظام سے پرے بھی ہے ایک انصاف
- اگر ہم نے اوروں کی بھوک نہیں محسوس کی
- دوسروں کا درد نہیں سہا
- کرتے رہے اپنے ہی حصے کا ماتم
- ہمارے پاس رہے گا کیا
- ہم ریگستانی دریا کی طرح شور تو مچائینگے
- مگر دیکھتے دیکھتے خشک ہو جائینگے
- ہمارے پیندوں میں سانپ اور کیڑے مکوڑے کلبلائینگے
- جو خود بھی مر جائینگے
- نئے جراثیم بن کر بکھر جائینگے

جہاں سمندر کھیلتا رہتا ہے چین اور فیروزی
میں اور ناتھن، براؤن، ٹام اور سوزی
جذبۂ ایثاریت کی بحث اٹھاتے
کلیسائی سچ پر سوالیہ نشان لگاتے
کُل انسانی برادری کی نجات کا راستہ ڈھونڈتے
مگر پیاسے ہی رہ جاتے ہمارے اندر کے سوالات
سوکھی پڑی رہتی ہمارے اندر کی دوات
کبھی ہم اتحاد کے نعرے لگاتے
شرقی، راسخ العقیدہ اور کلیسائے انگلستان
اس بازار میں سب کی اپنی اپنی دکان

مگر زمین تھی ایک اور ایک تھا آسمان

ٹام کہ مختلف مذاہب میں قدر مشترک ڈھونڈتا

اور اپنی فرصت کے لمحات میں تھا فینی کا شوقین

تھا وہ بھی امریکہ کا مکین

مگر کم گوسوزی کی آنکھوں میں تھا وہ اتھاہ ساگر

کہ مونگے کی چٹانیں جل اٹھتیں اسکے اندر

تھی وہ ایک غیر معمولی متمول خاندان کی فرد

جسے ایک معمولی انسان بننے کی چاہ ہندوستان لائی تھی

(بعد میں جب اس نے اسکون سے ناطہ جوڑا

کلکتہ میں ہماری ملاقات ہوتی رہی

جب وہ اسکون کی ایک فعال ممبر بن چکی تھی)

یہ تھے میرے وہ دوست جنہیں

چنا تھا میں نے گوا کے ساحلوں سے

جہاں سمیناری کے فرصت کے اوقات میں

میں گھومتا رہتا آوارہ

اٹھا تا رہتا انسانی تضاد کا وہ نظارا

جو میرا ذہن قبول نہ کر پاتا

کیا سچائیاں بانٹی جا سکتی ہیں اتنے خانوں میں

یا وہ ایک ہی سچ ہے

جو روپ بدل کر زندہ ہے انسانوں میں

شاید میں الجھا رہتا انہیں نظریاتی بحثوں میں تا حیات

اگر میں دیکھ نہ پاتا کلکتہ کے دن رات

اسکے گلی کوچوں، راستوں چوراہوں پر
وہ لافانی سچ
جس کے آئینے میں
ہم اپنے ردِ عمل کو صحیح دیکھ پاتے ہیں
جس طرح ہندوستان کی غلاظت کی نکاسی
ہوگلی ندی میں ہوتی ہے
کلکتہ بھی ہے وہ سمندر
جس میں بھارت ماں
اپنے چیتھڑے دھوتی ہے
مگر وہ خوبصورتی جوان کے نیچے ہوتی ہے
اس تک پہنچ پانا
شاید یہی نجات کی واحد صورت ہے

کلکتہ کی کشادہ سڑکوں پر رات اترتی ہے
اور تنگ گلیوں میں سورج نہیں جھانکتا
انسانی آنکھیں اپنے دائرے میں سوتی ہیں
لیکن وہ آنکھیں
جو اندر کی طرف روتی ہیں
جن کے آنسو خاکستری گالوں پر
موتی کی طرح روشن نہیں ہوتے
بلکہ کالکھ کی لکیریں کھینچتے ہیں
کیا ہم وہ آنسو روک سکتے ہیں

اتنے عظیم ہو سکتے ہیں
ماما ڈورا کے ساتھ کلکتہ کے گرجوں کی کرتا سیر
مگر مجھے بھاتے کلکتہ کی سڑکوں پر چلتے راہگیر
قدرت کا یہ بھی تھا عجیب انتظام
نت نئے چہرے دکھائی دیتے صبح و شام
گرجوں کے پادری صادر کرتے رہتے .
عہد نامۂ جدید کے دفتروں سے مسیحی احکامات
مگر مسیحی تعلیم کا مقصد تھا اگر مغلوب کی حمایت
کیا سماج کے اس غیر واجب ڈھانچے کو
بدلنے کی نہیں ضروت
جہاں سماج کے حاشئے پر زندہ ان گنت لوگ
وہ عظیم اکثریت
جس کے لئے نہ تعلیم ہے نہ حفظانِ صحت کے اصول
جو ایک نیم بشری کیفیت میں زندہ ہے
شاید ان تمام امراض کا ہے واحد علاج
ایک منصفانہ سماج
ماں ڈورا سدا کی کم گو اور صاف طینت
جس نے اپنی رہائش کے لئے چنا تھا ایک پرانا مکان
جہاں سے ہم سن سکتے تھے
ایلیٹ روڈ پر ٹرام کے پہیوں کی گڑگڑاہٹ
اکثر میرے سوالات سے گھبرا جاتی
۔ ناتھن، دل میں ہرگز نہ کسی شک کو جگہ دینا

۔ تم ایک عظیم راہ پر چل نکلے ہو

۔ مسیحی مشن بھول نہ جانا

۔ خدا اپنے ڈھنگ سے چلاتا ہے دنیا کا کارخانہ

مگر میں گوا واپس لوٹتا

تو بھی ایک عجیب احتمال کا شکار رہتا

یہ کیسا بحران تھا جس کے روبرو میں تھا کھڑا

کیا مجھے ادا کرنا چاہئے کفارا

اگر چرچ کا مرکزی نظریہ ہے خطاناپذیری

تو ہم اپنے اس شعور کا کیا کریں

جو ہمیں اندر تک جھنجھوڑ ڈالتا ہے

بے رحمی سے گیلے کپڑے کی طرح نچوڑ ڈالتا ہے

اور اپنی اس بے چینی سے گھبرا کر

میں کرنے نکلا برادر انجیلو کے ساتھ ایک بحری سفر

مگر میرے نقشے پر تھے زیادہ تر وہ جزیرے

جن پر نئی تہذیب نے ڈالے نہ تھے پوری طرح ڈیرے

جو ایک عجیب تناؤ کے شکار ہو چکے تھے

الہا فرموسا کی راجدھانی تائی پی

مگر وہاں کے کنٹونیز رکشے والے مجھے یاد دلاتے کلکتہ کی

برما کے نعل اسپ نما پہاڑوں کی وہ تہذیب

جسے مٹا ڈالا تھا بے رحم وقت کے بل ڈوزر نے

پرتگالی نام والے ماہی گیر

جو سراندیپ کے ساحلوں پر پام بردار ریت کے

رہتے آس پاس
(کیا وہ کیرالا کے مچھیروں سے کسی طور الگ تھے؟)
بحر چین پر فشنگ ٹرالر بھیجتے
ملایا کے مچھیرے، عورتیں چٹائیاں اور ٹوکریاں بُنتیں
بنگ کاک کے پانی پر بہتے ہوئے بازار
جہاں گاہک کشتیوں پر آتے سوار
دنیا کے کسی بھی گوشے میں جایا جائے
زندگی کی وہی ایک دائمی شکل
اس میں نہیں دورائے
یقیناً خدا نے انسان کو اپنی شکل کی ہے عطا
اور کہ انسانوں سے میں پیار کرنے لگا تھا
شاید اس میں میری کوئی تھی نہ خطا
ہم پیانگ کے مشرقی ساحل پر تھے لنگر انداز
کہ برادر انجیلو نے اٹھائی ایک عجیب بحث
- بھائی ناتھن، ہم جو مختلف کشتیوں پر ہیں سوار
- مگر ایک ہی موج ہمیں ساحل سے رکھتی ہے ہمکنار
- مجھے ڈر ہے میرے ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے رسی کا سرا
- ان دنوں میں گھومتا رہتا ہوں ڈرا ڈرا
- سچائی تک پہنچنے کے لئے
- یہ ضروری ہے کہ مکالمہ رہے جاری
- مگر کیا اس سے بہتر نہیں کہ خاموشی رہے طاری
- رکھ دیں ہم اپنے پتوار

- کشتی کا رخ طے کرے موج کی تیز دھار
- بلکہ بہتر ہے کہ مستول ہی توڑ دیں

ہم نے گزارا تھا سارا دن ساحل پر
تپتی دھوپ میں شہر تک ہو آئے تھے
کی تھی دیر تک چہل قدمی
گداموں کے درمیان اور ذیلی راستوں پر
ساحل کے پام کے درختوں کی لی تھی تصویر
اور اب ایک ڈولتے عرشے پر ریلنگ کے سہارے
پھر کرید رہے تھے اپنے زخموں کو

- انجیلوؔ ہاں زندگی میں ایسے بھی لمحے آتے ہیں
- جب ہم بلا وجہ کھوکھلے ہو جاتے ہیں
- ہمارے پاس سوالوں کی طاقت نہیں ہوتی
- ہم دماغ پر یہ بوجھ لے کر سو جاتے ہیں
- میں مسیح کی خون آلود صلیب کے نیچے کھڑا ہوں
- کیا ہم آنکھیں موند سکتے ہیں
- جب معصوم زندگیاں کی جا رہی ہیں زیر
- ایک عجیب بے رحمی اور سفا کی کے ساتھ
- ہمیں یقیناً ایک ایسے چرچ کی ضرورت ہے
- جو صرف غریبوں کے لئے ہو
- مسیحیت نے ہمیں دی ہے تعلیم
- کہ نفرت اور موت سے کسی نتیجے کا حل نہیں نکلتا
- ورنہ روم کی نا قابل تسخیر سرزمین پر

- سورج کب ڈھلتا
- مگر کیا ہم اسکے مجرم ہو سکتے ہیں
- کیا ان سب کے باوجود ہم چین سے سو سکتے ہیں

بحر ہند پر بادلوں نے کر رکھا تھا سایہ
کہ مجھے ایک واقعہ یاد آیا
جسے میں نے برادر انجلو کو سنایا
میں ایک دن کلکتہ کی سڑک پر چل رہا تھا
سورج فلک بوس پیڑوں کے نیچے ڈھل رہا تھا
کہ ایک عورت نمودار ہوئی سر تا پا برہنا
یقیناً تھی وہ پاگل لیکن بلا کی جوان
مگر برادر انجیلو یہ بھی ہے ایک عجیب داستان
بے ستر ہوتے ہوئے بھی وہ ننگی نظر نہیں آ رہی تھی
میں نے اسے اپنا ٹفن کا بکس تھمایا
جسے کھول کر اس نے برائے نام کھایا
ڈبہ کیا میرے حوالے
اور میرے پیچھے پیچھے آنے لگی
مباشرت کے لئے مجھے رجھانے لگی
اور جب چلا نہ کچھ بھی زور
مچایا اس نے کچھ اتنا شور
کہ راہگیر اور دکاندار مڑ مڑ کرتا کنے لگے
وہ مغلظات بکتی بھاگ کھڑی ہوئی
میں نے ٹفن کا ڈبہ کھولا

اس میں بچا ہوا تھا آدھا سنڈوچ
جسے میں نے کھایا
خدا کا شکر بجالایا
اور میرے آنسو ہو گئے طاری
اس کے پاگل پن کا کیا ہو علاج
ایک بے حس ملک میں
اسکے لئے مانگوں میں کس سے انصاف
- آج بھی میں ایسے سوالوں سے دہل جاتا ہوں
- ایک ایسے دور میں جب منشیات
- اور اتفاقیہ جنسی تعلقات
- اپنے جبڑے کھولے کھڑے ہوں
- جب دن بدن بڑھتی جارہی ہو
- خردسالوں کی شرح اموات
- کیا ہم پتوار توڑنے کی عیاشی کر سکتے ہیں؟
- ہم کہ جن کے پاس آنکھیں ہیں
- کیا کھلی آنکھوں سے ہم سو سکتے ہیں؟

وہ جزیرہ نمائے ہند پر میرا راہبانہ سفر
جیسے گوا سے چلا تھا میں ساحل تا ساحل
اور ایک دن مجھے پہنچنا تھا کلکتہ
مگر گزریں کتنی دہائیاں
ماں ڈورا اپنے عہدے سے مستعفی ہو کر

ڈونا پاؤلا کے مکان میں ہوگئی تھی پناہ گزیں

ارنا کولم، کوچن، کوٹائم

کوڈئی کنال، کوئلان، تری وندرم

تھنجاور، مدراس،

بحرِ ہند تا خلیج بنگال

وہی فیروزی سمندر، وہی سمندر کا لافانی سوال

مالابار کے ساحلوں پر کلبلاتے حیوانات

لہلہاتی نباتات

نیلگری کے پہاڑوں پر ناشپاتی کے پیڑوں کی سرگوشی

کنیا کماری کے پرتگالی چرچ اور مچھیروں کے گاؤں

مرداب پر ڈولتی کشتیاں

مگر چاہے وہ کوئلن میں

مقدس لیڈی ویلم کانی کا روضہ ہو

یا تری وندرم میں سنٹ جارج کا کلیسائے کبریٰ

یا کنیا کماری کے ساحل پر استادہ لاٹ پادری کا چرچ

جس سے لگے ساحل پر خوفناک موجیں

جانے کیوں اتنی گرجتی ہیں

ہر جگہ ہر مقام تھا میرا ایک ہی تجسس

آسمانی باپ کو ہم کیا بتانا چاہتے ہیں

ان روضوں مقبروں اور گرجوں سے کیا سمجھانا چاہتے ہیں

ہر بار میں روحانی طور پر لوٹتا زخمی

ماں ڈورا کے پاس

وہ میرے زخموں پر پھاہا لگاتی
میرے لئے گھٹنوں پر گر کر آنسو بہاتی
ان کے دل میں میرے لئے بس گیا تھا وہ بھیانک خوف
کہ وہ نیم شب اٹھ اٹھ کر
ماں مریم کی شبیہہ کے آگے موم بتیاں جلاتی
مقدس کتاب با آواز بلند پڑھتی
اچانک ان کی آنکھوں کے گڑھے سیاہ ہو گئے تھے
وہ ہو گئی تھی اور بھی کم گو
ڈونا پاؤلا کے راستے پر کھڑی رہتی
وہ ایک بھٹکی ہوئی آتما تھی جو ادھر چلی آئی تھی
نیچے ساحل پر ناریل کے خمیدہ پیڑوں کے نیچے
موجیں ساحل پر یلغار کرتی رہتیں
جس دن ملا مجھے ان کا عجیب سا خط
میں ایک ہفتے سے بے خوابی کے مرض میں مبتلا تھا
اور گرچہ میں مدعو تھا حیدر آباد
اور تھا ایک مذہبی اجتماع میں شریک
میں نے سنی اپنے دل کی چیخ
حیدر آباد سے بمبئی اور بمبئی سے گوا تک
یوں تو زیادہ طویل نہ تھا طیارے کا سفر
مگر مجھے لگ رہا تھا' میں لوٹ رہا تھا وہ ترچھا گھر
جو اب ڈونا پاؤلا کے ساحل پر مٹ چکا تھا
۔ ناتھن ڈیئر' خط میں لکھا تھا

۔ میں نے دیکھا ہے خواب میں

۔ مقدس کنواری رو رہی ہے خون کے آنسو

۔ مجھے نہیں لگتا میں جیونگی زیادہ دن

۔ ممکن ہے تم لوٹ کر مجھے نہ پاؤ

۔ مگر میری انتم اِچھا ہے تم کلکتہ جاؤ

۔ تم جو منطقی سوالوں کے جال میں ہو قید

۔ شاید تمہیں وہاں اپنا جواب مل جائے

۔ تمہارا دائمی زخم سل جائے

طیارا بادلوں کے اوپر تھا محوِ پرواز

میں نے جھانک کر کھڑکی سے دیکھا

نیچے زمین پر چمنیاں دھوئں کی لکیریں چھوڑ رہی تھیں

۔ فادر، ایک ایئر ہوسٹس میری پشت پر جھکی تھی

۔ میں اپنی ننھی بہن کو بیمار چھوڑ کر آئی ہوں

۔ اس کے لئے پرارتھنا کریں آپ

میں حیران سا اسے دیکھتا رہا

کیا تھے میرے پاس اتنے آنسو

کہ اوروں کے لئے رو سکوں

یا پرارتھنا ہے ایک اضافی شئے

مگر یہ بات تو ہے طے

کہ اس کائنات میں، ہم صرف دعا ہی مانگ سکتے ہیں

شاید انسان کے درد کا علاج صرف خدا کے پاس ہے

وہی انسان کی پہلی اور آخری آس ہے

۔ اگر انسانی برادری کی نجات کا کوئی شعار مقدّس ہے

۔ تو وہ ان معصوم بے سہارا آنکھوں میں ہے

۔ جن کی روشنیاں ہیں حقیقی معنوں میں

۔ ہماری عبادت گاہوں کی وہ روشنیاں

۔ جو ہماری آتماؤں کو جگمگاتی ہیں

۔ مجھے نہیں معلوم یہ خط لکھ کر

۔ میں نے گناہ کیا ہے تمہارے ساتھ یا بے انصافی

۔ مگر میرا مقصد نیک ہے، میں ہوں قابلِ معافی

میں نے اپنی آنکھوں کو مسل کر آنسوؤں کو روکا

اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا

ائیر ہوسٹس کی بہن کے لئے کی پرارتھنا

کہ میرے پڑوس میں بیٹھے

گجراتی سجن نے سرگوشی کی

۔ فادر، آپ کے ملک میں تو کافی ہوتی ہوگی ٹھنڈ

۔ حیرت ہے، آپ کو بھی ٹیننگ کی پڑتی ہے ضرورت

۔ تبھی سرخ ہو رہی ہے آپ کی صورت

میں مسکرایا،

۔ میرے بیٹے، تم کرو یا نہ کرو یقین

۔ میرا تو بس ایک ہی ملک ہے، یہ خدا کی سرزمین

۔ جہاں بٹورتا ہوں اپنے حصے کا گناہ اور ثواب

۔ کچھ عام انسان سے الگ نہیں میں جناب

ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی

جب میں گزرا منڈوی ندی کے اوپر سے

ٹیکسی پنجی کے بازار سے گزری

میں نے خریدا گرم کیک اور ٹھنڈی شراب

مگر ڈونا پاؤلا میں ختم ہو چکی تھی

ماں ڈورا کی زندگی کی کتاب

کیک اور شراب فریج کے کونے میں ہو گئے گم

پل بھر کے لئے مجھ پر روشن ہوا

ماں ڈورا کی آنکھوں کا تبسم

اس نے کانپتے ہاتھوں سے رکھا میرے سینے پر

چاندی کی صلیب

۔ قسم کھاؤ ناتھن

۔ تمہارے رشتہ دار ہونگے دنیا کے نادار و غریب

۔ قسم کھاؤ ناتھن

۔ ان کے نام پر جو ہوئے تصلیب

اس نے دیوار کی طرف چہرا موڑا

لی آخری سانس

تیز بارش میں شرابور لوگوں نے

قبر میں اتاری ان کی لاش

جس کے بعد بھی جانے کتنی دیر تک میں تنہا کھڑا رہا

جانے کب بارش تھم گئی، سورج نکل آیا

چڑیاں جھاڑیوں سے نکلیں

بدن جھاڑنے اور چہچہانے لگیں

ایک کوئل کسی قریب کے پیڑ سے کوک لگانے لگی
کھڑے کھڑے میرے پاؤں برف ہو گئے تھے
میں نے ایک بڑا سا سیاہ پتھر چنا
اس پر بیٹھ کر سر کو دونوں ہاتھوں سے تھاما
سورج ڈوبنے سے قبل نکل آیا تھا چاند
گرچہ وہ اپنی جگہ پڑا تھا ماند
۔ اگر انسانی برادری کی نجات کا کوئی شعارِ مقدسہ ہے
۔ تو وہ ان بے سہارا آنکھوں میں ہے
۔ جن کی روشنیاں ہیں حقیقی معنوں میں
۔ گرجے کی وہ روشنیاں
روشن چاند کے نیچے جب کہ گیلی ڈھلواں سڑک پر
پیڑوں کے سائے بکھرے پڑے تھے
میں نے ایک دوا کی دکان کا فون استعمال کیا
۔ فادر ڈمیلو، کیا میں کل آپ سے مل سکتا ہوں
۔ مجھے کرنا ہے کنفیشن
۔ اور اپنی ماں کی آخری خواہش بتانی ہے
دوسری دوپہر جب کہ فادر ڈمیلو
سفید چغہ اور ریشمی پٹکا کے ساتھ تھے کھڑے
میں جالی دار اوٹ کو تھام کر رو پڑا
۔ فادر مجھے ایک کٹھن سفر پر جانا ہے
۔ جس کے بغیر میری زندگی ایک بے معنی افسانہ ہے
۔ میں نے ان گناہوں کا کیا ہے اقبال

- جو کرتے ہیں مجھے اندر ہی اندر پائمال
- شاید وقت آ گیا ہے کہ میں صحیح دشا میں چلوں
- شمع کی مانند گہری تیرگی میں جلوں

بعد میں فادر ڈمیلو نے گرجا کے باغ میں ٹہلتے ہوئے

میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا

- انسان کو چاہئے کہ سنے دل کی پکار
- کہ وہی آسمانی باپ کی مرضی ہے
- خدا کی شکل میں ڈھالے گئے ہیں ہم انسان
- بھیڑیں کیوں کریں فکر جب ساتھ ہو گلہ بان

میرا نیا یروسلم

دنیا کے نقشے پر وہ عظیم شہر

جسے جانتی ہے دنیا خدا کا قہر

جس کے بطن میں پھوٹتے ہیں وہ بیج

جو صرف گھنی کٹیلی جھاڑیاں اگاتے ہیں

مگر ان جھاڑیوں میں جو پھول کھلتے ہیں

وہ کسی دوسری جگہ کہاں ملتے ہیں

کلکتہ نے کتنے عجیب ڈھنگ سے مجھے بدلا تھا

کل تک جو سوالات کے تپتے صحرا میں چلا تھا

آج اس کے پاس تھیں وہ سچائیاں

جنہوں نے اسے زندگی کا صحیح محور کیا تھا عطا

یوں میں ریکٹر کے عہدے پر تھا فائض

اور گر چہ میرا ایک پتہ تھا جائز
مگر میرا وہاں کب تھا ٹھکانہ
کلکتہ کی نیم تاریک گلیاں اور شاہراہیں
تھیں میرے لئے وہ آستانہ
جہاں میں پناہ لیا کرتا، گھوما کرتا اکیلا
مجھے بھانے لگا تھا انسانوں کا میلا
اکثر میں پوچھتا خود سے یہ سوال
جب میں کھڑا دیکھتا ہوگلی ندی کا زوال
تھام کر دستی ریلنگ، کبھی چست کبھی نڈھال
شب پور کی طرف جہاں کبھی ڈوبا تھا جہاز سماترا
اس پر جمی کیچڑ پر جو کیڑے مکوڑے پلتے ہیں
کیا وہ کسی طور ہم لوگوں سے بدتر ہیں
جو کلکتہ کی سڑکوں میں دو ٹانگوں پر چلتے ہیں
برما کی طرف سے یلغار کے بعد
ایک جہاز جو کنگ جارج ڈک سے ہوا تھا داخل
اور بھلا دیا گیا تھا، بنا تھا
پوربی بنگال کے سرنارتھیوں کی عارضی پناہ گاہ
اس سے نمودار ہوئے تھے واٹ گنج کے دو دلال
نمائی جوگی اور جوگین کھتال
جو ریفوجی لڑکیاں چکلوں میں پہنچایا کرتے
جنہوں نے مجھ سے کیا تھا وعدہ
اور ایک اچھی زندگی جینے کے بہانے

اچھے گڑھے تھے دونوں نے افسانے

صدر اسٹریٹ پر اچھے لباس میں ہوتے نمودار

۔ ناتھن! میں خود سے مخاطب ہوتا

۔ دونوں کے گناہوں کا کچھ بوجھ سنبھال لوں

۔ یہ دنیا بنائی گئی ہے کب فرشتوں کے لئے

۔ اسے بسائی گئی ہے انسانوں سے

۔ اُنہیں سے کام نکال لوں

۔ انسان کی مٹی میں خیر و شر کے تمام عناصر ہیں موجود

۔ شاید اسی لئے ہمارے گناہ معاف کئے جاتے ہیں

۔ صلیب سے مقدس خون صاف کئے جاتے ہیں

وہ کیا رشتہ تھا جو مجھے جوڑتا

ان مشکوک کردار کے لوگوں سے

وہ جیب کترے جو زخموں سے چور آتے

طوائفیں جن کے پاس دوا دارو کے پیسے نہیں ہوتے

اور بلیک میں ٹکٹ بیچنے والے نیم انسان

جن کے چہروں پر ہوتے پولس کے جوتوں کے نشان

کیا خبر تھی اسے جب چارنک نے کیا تھا اعلان

کہ لوگ اس کے شہر میں آ کر کریں رہائش اختیار

کہ ریفوجیوں، چور اچکوں، رشوت خوروں کی

ہوگی اس شہر میں بھرمار

بیشتر لوگ تقدیر پرستی پر ہونگے مائل

اپنی لاچاری اور ناگزیر شکست سے گھائل

اپنے کمزور لمحوں میں خدا کے آگے سر جھکائینگے
مگر دوسرے ہی پل نئے چہروں میں ڈھل جائینگے
جو گین کھٹال کی قسمت میں لکھا تھا
سرکاری اسپتال میں سڑ کر مرنا
اور نمائی جوگی کے لئے، اپنی بے رونق آنکھوں کو
چکلا کے ڈان مہاجر مصطفیٰ کے ہاتھوں
اپنی بیٹی کے چھن جانے سے
پچھتاوے کے آنسوؤں سے بھرنا

یوں تو چورنگی کی شاہراہ پر کھلتا ہے صدر اسٹریٹ
جس پر کھڑا ہے ہمارا چھوٹا گرجا
اسکے پیچھے ہے متولّی کی رہائش گاہ
اور کچھ ہٹ کر مشن اسکول
جہاں پچاس فی صد دی جاتی ہے غریبوں کو مفت تعلیم
اور یوں تو اس سے ملحق ذیلی راستوں پر
ہیں بڑے بڑے فلمی تھیٹر
دکانیں بازار اور ڈپارٹمنٹل اسٹور
مگر اس کے ایک طرف کھڑی ہے جادو گھر کی فصیل
اور سرکاری اور غیر سرکاری عمارتیں
جو سڑک کے اس پار سے دکھائی دیتی ہیں خاموش
ان کے پھاٹکوں پر دربان بے جان بت کی طرح نظر آتے
یہاں تک کہ جب سورج ڈوبتا اور رات آتی

تو لگتا نہیں یہ راستہ کلکتہ کا حصہ
بلکہ اسکے کشادہ فٹ پاتھ
اور ڈھلوان لوہے کے متعدد قدیم پھاٹک
جن پر جھومتے رہتے انگریزوں کے وقت کے قدیم گھنے پیڑ
کسی خواب کی دنیا سے باہر آتے دکھائی دیتے
یہاں چرچ کے احاطے کے باہر
صاف ستھرے کشادہ فٹ پاتھ پر
کھلتا ہے ایک اور چرچ
جہاں عشائے ربانی کا عمل جاری رہتا ہے
مگر یہاں کے کرداروں میں شامل ہے جو پاستور
وہ ناتھن گونزالیز کے اندر ہوتے ہوئے بھی ہے کوئی اور
یہاں کے کردار بظاہر رکھتے نہیں مطابقت
انسانی شائستگی کی کسی بھی معقول تعریف سے
مگر جس سماج میں ہو انصاف کا فقدان
اس سے ہی یہ کردار ڈھل کر آتے ہیں
میں نے یہاں اٹھایا تھا چاند کی دھندلی روشنی میں
جادو گھر کی دیوار کے سائے میں
نجار سے تپتے بابا پیٹر کو
خدا کا وہ فرشتہ
جس کی آنکھوں میں مقدس شبیہہ جاگتی ہے
یہی وہ جگہ تھی جہاں دیکھا تھا میں نے
انسانی شکست و لاچارگی کا وہ نظارا

جسے بھٹا چارج نے پیش کیا تھا

خدا کی بنیادی تردید کی صورت'

بھٹا چارج کہ اس نے لڑی زندگی بھر

ایک منصفانہ سماج کے لئے جنگ

جس کے سینے پر برسائے گئے تیر وتفنگ

مگر جس سے یہ جنگ چھین لی گئی

جسے اس کی خودساختہ صلیب پر لٹکایا گیا

چورنگی کہ فٹ پاتھ پر اگا تھا کُکرمتے کی طرح

جسے وراثت میں ملا تھا نہ خدا نہ سماج

جس کے پاس زندہ رہنے کے لئے تھا صرف آج

۔ فادر' جب سے میں نے آنکھیں کھولی ہیں

۔ شام ڈھلے آپ کو جادو گھر کے باہر ٹہلتے پایا ہے

۔ جانے آپ سر جھکائے خاموش کیا تاکتے رہتے ہیں

۔ آپ کے دل میں کیا سمایا ہے

۔ اگر زمین کے اندر کچھ کھو گیا ہو

۔ تو میں سر گاڑ کر خبر لا سکتا ہوں

۔ کہ زمین کے اوپر کی سب چیز تو

۔ تھانہ کے بڑے بابو کی پراپرٹی ہے

فیاض کہ بہہ کر آیا تھا کلکتہ

خس وخاشاک کی شکل

مگر جس کی خاموشی کتنا کچھ کہتی ہے

اس چٹان کی طرح

جو صدیوں کا دکھ سہتی ہے

اور جاتی ہے تڑخ

مگر اتنی آسان بھی نہ تھی فیاض کی پرکھ

گھڑی پال

کہ اسکا وجود تھا ایک دائمی سوال

کیا کلکتہ تھا وہ بندر گاہ

جہاں اسکا جہاز ہو سکے لنگر انداز؟

کہ کہیں اور چلا جانا ہے اسے

یوں ہی زندگی گنوانا ہے اسے

کلیسا کہ جسے میں نے کانسٹبل اشرفی رام سے بچایا تھا

جانے وہ کیا پاگل پن تھا

میرے من میں کیا سمایا تھا

اور جب سلاخوں کے پیچھے کھڑا تھا اشرفی رام

تو تھانے کا افسر ہوا تھا مجھ سے ہم کلام

- فادر آپ کے کارنامے ہمیں نہیں بھاتے

- سارے چور اچکے آپ کے احاطے

- آپ کے مرتبے کی نہیں یہ شان

- کہ آپ کا نام لے ہاتھ کٹا قربان

مگر اس میں تھا کب میرا قصور

اگر میں ہوتا نہ اس قدر مجبور

یقیناً اپنی دکان کہیں اور لگاتا

مگر خدا کی زمین ہے چرچ کا احاطہ

۔ ہاتھ کٹا قربان سے کبھی کوئی پوچھے

۔ کس نے اس کا یہ حال بنایا

۔ جب دو ہاتھ والے اتنے گناہ کرتے ہیں

۔ تو اسے آدھے کا تو حق ہے ضرور

۔ آپ تو خواہ مخواہ بپھرتے ہیں حضور

دیوقد پولس افسر بیچارا رام چٹرجی

پولس کا سارا قانون تھا جس کی مرضی

جو ایک گینڈے میں بدلتا جارہا تھا رفتہ رفتہ

جسے دیتا ہر ریستوران، ہر ہوٹل ہفتہ

جس نے حکومتِ وقت کے لئے کئے تھے چند ایسے کارنامے

کہ نامزد ہوا تھا صدرِ مملکت کے میڈل کے لئے

۔ بہتر ہوگا آپ چرچ کے انتظامات کو سوچیں

۔ ہمارے لئے پیدا نہ کریں سردرد

۔ اپنے اندر ایک مجرم چھپائے ہوئے ہے

۔ اس سماج کا ہر فرد

۔ ہم کسی کو جانے نہیں دیتے اپنی گرفت سے پرے

۔ ہم پولس والے نہ ہوں تو

۔ سب ایک دوسرے کا پھاڑ ڈالیں نرخرے

ہاں یہی لوگ تھے اس سماج کے

وہ پیچ اور کھٹکے

جو ہر انسان پر فیصلے صادر کرتے بلا جھٹکے

ان کے لئے ہے عدلیہ ایک غیر ضروری روڑا

یہ معصوم جانوں پر بلا جھجک
دبا دیں گھوڑا
مگر وہ نادیدہ صلیب جو شاہراہ پر گڑی تھی
اس کے سائے میں تھا ایک زخمی سماج پڑا
جس کے زخموں کو مرہم لگانا تھا
مجھے اپنے طور پر اسے بچانا تھا
۔ شکریہ جناب کہ آپ واقف ہیں اپنے فرض سے
۔ یہ بوڑھا پادری دبا رہے گا آپ کے قرض سے
۔ اگر ہم قدرے محبت سے
۔ قانون کا کریں نفاذ
۔ ایک نئے سانچے میں ڈھل سکتا ہے
۔ ہمارا یہ زخمی سماج
بیچارا رام چٹرجی مسکرایا' اس نے سگریٹ کا لانبا کش کھینچا
اپنی کرسی پر پسر کر اپنی آنکھوں کو بھینچا
ایک لمحے کے لئے وہ خاموش رہا
پھر پورے تھانے میں پھیل گیا اسکا قہقہہ
۔ واقعی یہ بھی عجیب تماشہ ہے بھائی
۔ یہاں پر ہے ایک راسخ العقیدہ پادری
۔ جو رنڈیوں کی لڑ رہا ہے لڑائی

بھٹا چارج نے چاند کی طرف کیا چہرا بلند
اپنی کمر کو پھاٹک کے لوہے سے لگایا

پہلے تو بلا وجہ مسکرایا

پھر اس نے غصے سے مٹھیاں لیں بھینچ

۔ فادر گونزالیز، بیچ

۔ ہم کائروں نے خود سے اپنی پتلون اتاری ہے

۔ آج ہمارے ساتھ جس سدومت کا ہوتا ہے ارتکاب

۔ اسکا ہم دے نہیں پاتے جواب

کلیسا کہ اپنی ایڑیوں کے بل بیٹھی تھی فٹ پاتھ پر

اپنے معصوم ہاتھ رکھ کر چورنگی کے ہاتھ پر

اس نے لی ایک ٹھنڈی سانس

اس کے بدن میں دوڑ گئی ایک تیز لہر

جیسے اسے انگلیوں سے ٹٹول رہا ہو سارا شہر

گھڑی پال جوان دنوں پھر رہا تھا مارا مارا

لوٹتا دکھائی دیا تھکا ہارا

۔ بک رہا ہے دھرم کانٹا درگا پور کے کاربن گیٹ پر

۔ کاش میں کچھ اور لات مار سکتا اپنے پیٹ پر

جانے کیوں گھڑی پال کا بے سرا باجا

کہ اسے ماحول سے تھی نہ کچھ بھی مناسبت

اسکی سنجیدگی کو اڑا لے گیا

میں نے اسکے کندھے پر رکھا ہاتھ

۔ بس ایک ہی فکر میں یہ مبتلا ہے دن رات

۔ مجھے تو لگتا ہے موٹی رقم اس نے بچائی ہے

۔ اس نے اپنی ساری دولت

۔ کلکتہ کے بدرووں میں کہیں چھپائی ہے

گھڑی پال شرمایا، سہم کر کسمسایا

ایک عجیب ڈھنگ سے مڑنے لگا اسکا سایہ

۔ فادر اس بہاری احمق پر کھائیں ترس

۔ لگتا ہے مجھے لگیں گے اور بھی دو چار برس

۔ مگر ساتھ رہیں جو آپ کی شُبھ کامنائیں

۔ کچھ عجب نہیں اگر پوری ہوں میری اچھائیں

یکایک چورنگی نے سر کو پیچھے کی طرف جھکایا

زمین پر جا گرا اسکے بالوں کا لہراتا سایہ

۔ کلیسا نے خواہ مخواہ اشرفی رام کا کیا کباڑا

۔ آخر ایک دن چلنا ہے اسے اسی راہ پر

۔ ان پولس والوں کا لینا ہے سہارا

۔ اور جانے کیوں فادر نے اس معاملے میں

۔ گھسیڑ ڈالی اپنی ناک

۔ تو نے اس نرم دل بوڑھے کو بھی نہیں بخشا

۔ کلیسا سالی تیرے سر پر خاک

اس سے پہلے کہ وہ چورنگی کا منہ نوچ پاتی

چورنگی نے اس کی نازک کلائی لی تھام

۔ ارے بس، تھوڑا سا مذاق کر رہا تھا

۔ تیرا یہ ادنیٰ غلام

۔ مگر تو کب تک اس طرح رچائے گی

۔ اپنی پاکبازی کا ڈھونگ

- کلیسا تو میری بات اپنے ناڑے سے باندھ لے
- چورنگی کا سر کسی دن گڈھے میں گڑا رہ جائے گا
- جسے تو نے اپنا سب کچھ مان رکھا ہے
- وہ پتھر کی طرح بے جان پڑا رہ جائے گا
- میں کب سنجیدگی سے کچھ کر پاتا ہوں
- میں ہوں بدنام زمانہ چورنگی
- میں ہر صبح پیدا ہوتا ہوں ہر رات مر جاتا ہوں

کلیسا کی آنکھوں میں چمک رہا تھا چاند
ان کی معصومیت کے سامنے
سارے پھولوں کی سادگی پڑ جائے ماند

- میں جانتی ہوں، میری بے وقوفی ہے یہ
- مگر کیا اس کا مجھے حق نہیں
- میرا بھی ایک خدا ہے کہیں نہ کہیں
- کیوں میرے خواب میں ہر روز
- زہریلے سانپ تن جاتے ہیں
- کبھی تو انسان بن جاتے ہیں گدھ
- کبھی گدھ انسان بن جاتے ہیں

فیاض نے کھجائی اپنی کھردری داڑھی
کچھ اور دھندلی پڑ گئیں اسکی آنکھیں عینک کے اندر

- ایک عجیب چکر ہے یہ زندگی بھی
- دیمک کا گھر ہے یہ زندگی بھی
- جدھر بھی تاکتا ہوں

۔ راستے دکھائی دیتے ہیں بند
۔ رکتا ہوں تو سمتیں کھلتی چلی جاتی ہے
۔ مگر اس شہر سے کب کس کو ملا ہے مفر
۔ ہمارے اندر کا ڈر ہے ہمارا اصلی گھر
میں نے (کہ ویلیسان چرچ تھا میرا پس منظر)
اپنا ایک ہاتھ آسمان کی طرف اٹھایا
۔ پہلے تو ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں
۔ چورا چکے بنائے جاتے ہیں
۔ پھر وہ لوگ صلیب پر اٹھائے جاتے ہیں
۔ مگر آج جو زنجیریں ڈھالی جاتی ہیں
۔ صرف کمزوروں کی گردنوں میں ڈالی جاتی ہیں
۔ ظالموں کے اعجاز میں نغمے گائے جاتے ہیں
۔ یروسلم میں تو ایک عیسیٰ ہوئے تھے تصلیب
۔ آج ہزاروں عیسیٰ صلیب پر چڑھائے جاتے ہیں

ہزاروں سال سے پھیلائے اپنے کیش
دریا کنارے بیٹھے ہیں وہ خدا رسیدہ درویش
جنہوں نے تہذیبوں کو ڈوبتے ابھرتے دیکھا ہے
شہروں کو جیتے مرتے دیکھا ہے
میں جب تھک جاتا شہر سے، لگاتا ان کے ساتھ
چلم کے لذیذ کش
پرلوک کے اسرار و رموز میں سر کھپاتا

گرچہ تھا میں معتقد مسیح

یہ کسی طور ہمارے بیچ نہ آتا

گھاٹ پروہت جنک سنگھ

جس نے مجھے ہرے رام کے خطاب سے نوازا

ہردم دکھائی دیتا تر و تازہ

جیسے وہ بھی بھاگرتی کا ہو ایک حصہ

جو رواں رہتا ہے آٹھوں پہر

اور رکھتا ہے دونوں شہروں کی خبر

۔ ہرے رام، تجھے چڑی ملی ہے سفید، اسکا ہم کیا کریں

۔ اچھوں کے لئے اچھا ہی سوچا کریں

۔ ویسے اب تم لوگ ہو وہ آدی گنگا

۔ جواب ہوگلی ندی کے متوازی نہیں بہتی

۔ کتنے نالے نہر اور کتنے کھال

۔ سب پر تن چکا ہے منشیہ کا جال

۔ اب تو بھائی کچھ ایسا ہے حال

۔ دھیان جمانے کے لئے بھی سناٹا نہیں پراپت

۔ اور منہ دھوئیں تو پوتر جل کہاں سے لائیں

۔ اب پاپ مکت ہونے کا شاید بچا ہے یہ سادھن

۔ بہتر ہے گنگا میں ڈوب جائیں

اور میں گنگا کے کنارے کھڑا سوچتا

کیا یہ دھو سکتی ہے میرے بھی گناہ؟

اور میں کلکتہ کی طرف رخ موڑ کر سوچتا

کیا یہ دکھا سکتا ہے مجھے کوئی راہ؟

اور میں اسکے گلی کوچوں میں چکراتا

جانے کہاں سے کہاں نکل جاتا

کبھی تو قدیم ولاغر عمارتوں کا لامتناہی سلسلہ

کبھی کمارٹولی کے کوچوں میں بنتے ٹوٹتے بھگوان

ٹینگڑا کے چینی محلے

جہاں جہازوں میں دھوکہ کے ساتھ لادکر

لائے گئے مفرور چینی تھے آباد

ٹینگڑا کا مذبح،

جہاں کمسن بچے ننھی خنجروں سے

گائے اور بیلوں کے کاٹتے نرخرے

کالی گھاٹ جہاں مندر سے تھوڑی دور

گناہ وثواب کا تھا عجیب سنگم

مگر ہوگلی ندی بھی تھی عجیب ہٹ دھرم

ہر بار بے لباس کہیں نہ کہیں کھڑی رہتی

کرتی رہتی مجھے اشارے

میں لاجواب سا کھڑا ملتا اسکے کنارے

کیا آدمی گنگا کی طرح

ہم انسانوں میں بھی گادنہیں رستے رہتے ہیں

جو ہمیں اندر ہی اندر بنا دیتے ہیں دشوار گزار

اور پھر ہمارا چہرا مٹا دیتے ہیں

آہ، کیا میں اپنی طرز کے آنسو رونے لگا تھا

کیتھولک کے عالم دین کی حیثیت کھونے لگا تھا
کیا میں عشائے ربانی کے متبرک اجزا چھونے کا اہل تھا
مگر کیا یہ سچ نہیں
کہ عیسیٰ مسیح نفرت کی نظر سے گناہوں کو دیکھتے
مگر گنہ گاروں سے کرتے پیار
جس کا وہ کھلے عام کیا کرتے اظہار
طاقت، تعیش، دولت اور دہشت کی غلامی کرنے والے
ہر دور میں پیدا ہوتے ہیں
ان کی باہر کی موت تو بہت بعد کی ہوتی ہے
بہت پہلے وہ اپنے اندر مرتے ہیں
چرچ وہی حقیقی چرچ ہے
جو محض تقین فراہم نہیں کرتا
یہ تو کل انسانی برادری کی نجات کا
شعارِ مقدسہ ہے
کلیسا کا یہ حقیر متولّی
عجیب مخمصے میں پھنسا ہے

جس کمپنی میں گھڑی پال روپیہ رکھتا
وہ کلکتہ سے ہو گیا غائب
اچانک اس واقعہ نے پھیر دیا اسکی امیدوں پر پانی
گھڑی پال ہوا تائب
اس کے دل پر پڑا کچھ ایسا دورا

کہ یاروں نے لے جا کر پی جی اسپتال چھوڑا

کلیسا نے دی تھی مجھے یہ خبر

دوسرے دن جب میں نے گھڑی پال پر ڈالی نظر

وہ اسپتال کے بستر پر نیم جان پڑا تھا

وہ بھی اپنی خود ساختہ صلیب پر چڑھا تھا

ڈاکٹروں کی جی حضوری میں لگے تھے فیاض اور بھٹا چارج

جب ہوئے دونوں نمودار

تو خود بھی کم نہ لگ رہے تھے بیمار

- فادر، یہ گھڑی سالہ اوّل نمبر کا گدھا

- رقم تو گئی، اب جان سے ہاتھ دھولے گا

- خیر سے اس بار کا دورا گیا ہے جھیل

- مگر اگلا دورا ہوگا

- اسکے تابوت پر آخری کیل

- آپ اسے سمجھائیں

- جناب ابھی سے پرلوک جا بیٹھے ہیں

- اسے واپس دھرتی پر لائیں

میں نے بھٹا چارج کی باتوں کا دیا نہ کچھ جواب

میری خاموشی پر نازل ہو خدا کا عتاب

جانے کیوں میرے سارے الفاظ چھن گئے تھے

میں ایک ٹک گھڑی پال کو دیکھا کیا

ان سینکڑوں مریضوں کو دیکھا

جو اپنے اپنے بستر پر بیٹھے یا لیٹے

مجھ پر دز دیدہ نظریں ڈال رہے تھے
میں ٹہلنے لگا بستروں کے بیچ
دیر تک بے مطلب ٹہلتا رہا
اور جانے کب اسپتال سے باہر نکل آیا
کیوں رکا تھا میں کدم کے پیڑ کے نیچے
جس میں لگے تھے خوشبودار مدّ ور برش نما پھول
اور نیچے تھی غیر ممنوعہ چائے کی دکان
ایمبولنس اور دوسری گاڑیوں کے پہیے
اڑا رہے تھے اندر کے راستوں پر دھول
کیوں میں نے پی بیٹھ کر کینٹین میں چائے
میں ہوش میں آیا جب چل رہا تھا کنگس روڈ پر
سامنے وکٹوریا ہال کا گنبد چمک رہا تھا
دور چورنگی پر تھی راہگیروں کی بھیڑ
میں نے میدان کے کنارے ایک منڈیر کا کیا انتخاب
اس پر بیٹھ کر کھولی عہد نامہ انجیل کی کتاب
مگر اسے پڑھے بغیر تاکتا رہا آسمان
اس عظیم کائنات کے چہرے پر کتنا بے معنی انسان
مار رہا ہے اپنے کمزور پیر اور ہاتھ
جی رہا ہے اپنے حصے کے دن رات
ہاں یقیناً ہے یہ مادیّت پرستی
اور تحریکِ صارفین کی دین
کہ گھڑی پال پر توپڑ چکا ہے دل کا دورا

اور رقم اٹھا کر بھاگ چکا ہے نوئیل سین

مگر یہ بھی ہے ایک اٹوٹ سچائی

کہ انسان نہ دیکھے خواب تو مر جائے

سوکھی پنکھڑیوں کی طرح بکھر جائے

کتنے آنسو، کتنا خون

مگر کم نہیں ہوتا انسان کا جنون

اپنی تو ریت کی پھسلی ہے جو بلا

اسے کون روک سکتا ہے بھلا

مگر گھڑی پال، وہ سیدھا سادا منش

جس کے لئے کلکتہ تھا محض اونچا اٹھنے کا ستون

اس شہر نے کتنی بے رحمی سے توڑا تھا اسکا جنون

اسے کہیں کا نہ چھوڑا تھا

دوسرے دن اسپتال کے بستر پر مسکرایا گھڑی پال

۔ فادر، میرے پندرہ برس کی محنت کا یہ حال

۔ میں نے بیوی بچوں کو کوڑی کوڑی کے لئے ترسایا

۔ جس کا اس طرح ادا کرنا پڑا اکفارا

۔ کیا جائے آسمان کا

۔ اگر اس سے ٹوٹ گیا ایک تارا

میں نے تھامی اس کی کانپتی انگلیاں

پھیرا اسکے سر پر ہاتھ

۔ اگر انسان اتنی آسانی سے ٹوٹ جاتا

۔ تو لاکھوں برس پہلے ہی

- دھرتی سے اسکا ساتھ چھوٹ جاتا
- کیا میں نے بہت غور و فکر
- اور پہنچا اس نتیجے پر
- کہ ہر پل ایک کوہِ گراں ہوگا
- ہر لمحہ سل ہو جائے گا
- اک خواب ضروری ہے ورنہ
- جینا مشکل ہو جائے گا
- یہ خواب کہ تم نے دیکھا ہے پورا کرنا ہے اسے
- جس نے یہ خاکہ بنایا ہے
- اس میں ایک دن رنگ بھرنا ہے اسے
- بہت بڑے بڑے وعدے تو نہیں کرتا یہ حواری
- مگر ایک دن تم پا کر رہو گے اپنی ہزار دواری

رات کے بج رہے تھے چار
اور میری آنکھیں تھیں نیند سے بیزار
آتش دان میں تھی آگ کی ہلکی لپک
جیسے سرمائی رات لے رہی ہو آخری جھپک
آدم قد کھڑکیوں سے کلکتہ کی روشنیاں آ کر
رات کے دوسرے پہر دیواروں پر سائے بنا رہی تھیں
بھونکتے کبھی کبھار جو کتے راستے پر
اب وہ بھی غائب ہو چکے تھے
گاہے بگاہے گزر جاتی کوئی پولس وین

نارمن جیل برآمدے کے کونے پر کود رہا تھا

یا جانے کون سا سایہ تھا

جو بطور خاص اسکے لئے آیا تھا

میری آنکھیں لگی تھیں کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا

دروازہ کھلتے ہی اندر آ گرا مائکل یادب کا سایہ

سرتاپہ وردی

اسکے پیچھے کھڑا تھا بیچارام چٹرجی

میں برداشت نہ کر پایا اسکے ٹارچ کی بے دردی

۔ فادر ہمیں خبر ملی ہے آپ منشیات چھپانے میں دیتے ہیں مدد

۔ ہمارے ساتھ ہیں نارکوٹک ڈپارٹمنٹ کے عبدالصمد

۔ کلیسا کا پادری اور یہ گھناؤنا کام

۔ یہ تو ہوگئی حد

۔ ایسے خدا کے بندوں کو میرا سلام

سارے کمرے، گراج باغ اور تہہ خانہ

سارے بستر، تکیے، قالین اور آتش دان

سورج نکلنے تک بکھرے پڑے تھے سارے سامان

سات بج رہے تھے جب بیچارام نے کیا تیار پنچ نامہ

رہائش کے ایک بازو پر تھا جو کباڑ خانہ

اس سے نکلا وہ مخدوش خزانہ

سفید پوتھن میں لپٹا براؤن شوگر

پولس نے لاک اپ میں ڈال کر مجھے دیا درس

مگر اخبارات نے اچھالا اس معاملے کو کئی برس

میں نے جرم قبول نہیں کیا تھا ذرا

جس سے بھر اٹھا تھا بیچارام

۔ عرصے سے رکھنے لگا تھا میں نظر

۔ آپ کی نقل وحرکت پر

۔ میں نے ٹھانی ہے، بشپ کو لکھوں گا خط

مگر دوسری صبح بیچارام کے سر پر آدھمکے

چورنگی، گھڑی پال، فیاض اور مائکل

بھٹا چارج اور بابا پیٹر آئے تھے وکیل کے ساتھ

دیکھتے دیکھتے سورج رام نے کیا اقبالِ جرم

اور مجھے اس سے بری ٹھہرایا

۔ فادر کی لاعلمی میں ڈرگ میں نے چھپایا

۔ حضور مائی باپ میں خود کو سونپنے آیا

کیا واقعی سورج رام قصوروار تھا

یا دیدہ ودانستہ وہ گیا تھا جیل

نامنظور ہوئی تھی مجسٹریٹ کی عدالت میں اس کی بیل

اب سورج رام تھا اور اسکے کاغذ قلم اور دوات

وہ جی بھر کر خط لکھ سکتا تھا دن رات

مگر ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ

تھانے سے کوئی لے گیا براؤن شوگر چرا کر

بیچارام نے پیٹ لیا اپنا سر

سارا مقدمہ ہو کر رہ گیا بے معنی

سال بھر کے اندر اندر ہوا بیچارام کا دوسرا حملہ

میں رنگ رہا تھا کھریا مٹی سے اپنے برآمدے پر گملا
جاڑے کا موسم شروع ہوا تھا پھولوں پر آیا تھا نکھار
ہر ڈالی ہر پتی پر گویا موسم بہار
۔ ہمیں افسوس ہے فادر اس بار الزام ہے سنگین
۔ زندگی سے لطف اٹھانے کا آپ کا انداز ہے نرالا
۔ جب طبیعت ہوئی مائل' کیا نہ عمر کا خیال
۔ آپ نے اریجن بی بی کے ساتھ منہ کیا کالا
۔ ہمارے پاس ہے اسکا حلفیہ بیان
۔ واقعی فادر آپ ہیں مہان
پھر وہی لاک اپ کا بدبودار کمرا'
وہی تھانے کی مکروہ فضا
جو انسانیت پر بجائے خود ہے ایک کڑی سزا!
وہی میری خاموشی' وہی اخبارات کا شور
اس بار جب مجسٹریٹ کے سامنے ہوا میرا چالان
پہلی منزل پر کھچا کھچ بھرے تھے
عزت مآب عدالت کا کمرا اور باہری دالان
نگران میں زیادہ تر تھی کلکتہ کی وہ گاد
نہ زمین نہ آسمان چکھے جس کا سواد
ہر کوئی اریجن بی بی پر تھوک رہے تھے' کر رہے تھے ملامت
ایک کانسٹبل کھینی بناتے ہوئے بڑبڑایا
۔ اس مہان نگر میں ہی یہ غلاظت ممکن ہے خدایا
۔ کہاں اریجن بی بی وہ زمانے بھر کی بدنام

- کہاں ہمارے معصوم فادر ہرے رام
ہماری کرسچن برادری کے ہنری ڈیسوزا
جوگا ہے بگاہے ہوتے بشپ کے قائم مقام
اور میرا ہم خیال جوشوا سلور
غرض اور بھی تھے موجود عہدے داران کلیسا
قدیم مسیحی گرجے کا بزرگ پادری ڈی گاما
اور کلیسائی معاملات کے ماہر رابرٹ ہاروے
مگر سب تھے خاموش' بیٹھے تھے سر جھکائے ہوئے
میرے اچھے برے اعمال سے گھبرائے ہوئے
ان سے بدنام ہونے لگا تھا بشپ کا تعلقہ
میرا نظریۂ حیات کرنے لگا تھا
چرچ کے ضابطہ اخلاق کی منافی
شاید زیادہ دن نہیں
جب نکلے گشتی فرمان' میں قرار دیا جاؤں ناقابلِ معافی
مجسٹریٹ نے کی عینک ناک پر درست
اپنے سامنے پڑے ہوئے کاغذات سے سر اٹھایا
میرے وکیل نے اپنا گھسا پٹا بیان دہرایا
پبلک پروسیکیوٹر کہ اس کی دائمی بوریت
پل بھر کے لئے ہو گئی تھی رفع
اس نے کی ضمانت رد کرنے کی بھرپور اپیل
- اگر جذبات کی رو میں بہہ کر
- ہم مذہبی رہنماؤں کو کرنے لگیں معاف

۔ تو سماج کے تابوت پر ہوگی یہ آخری کیل
۔ بات صاف ہے، اٹھایا گیا ہے غربت سے ناجائز فائدہ
۔ ہمیں ڈالنی ہے ایسے جرائم پر نکیل
مجسٹریٹ نے مسکرا کر اپنی ناک پھیلائی
۔ عدالت قبول کرتی ہے ضمانت کی اپیل
۔ کاغذات سے پولس کی گرم جوشی کا پتہ چلتا ہے
۔ ایک گھناؤنے کام کے لئے ایک جانا پہچانا پادری
۔ حیرت ہے راستے کے کونے کا انتخاب کرتا ہے
۔ وہ خدا سے تو دور
۔ راستے کے کتوں سے بھی نہیں ڈرتا ہے
قہقہے سے ساری عدالت گونج اٹھی
بیچارا رام تلملایا، اسنے انگلی سے ٹھوری کھجائی
اپنے کھسیانے پن کو چھپانے کے لئے خود بھی مسکرایا

گرمی کا موسم کب کا ہو چکا تھا رفع
مگر بارش کا نام ونشان نہ تھا
تپ رہے تھے کلکتہ کے راستے اور فٹ پاتھ
پسینہ پونچھتے نہیں تھکتے انسان کے ہاتھ
اگست کے آخر میں سیاہ بادل عمارتوں پر اتر آئے
بارش دو گھنٹے تک ہوئی اتنی شدید
کہ ہوگئی ننگے بے گھر بچوں کی عید
نیو مارکیٹ کے فٹ پاتھ اور راستے ہوگئے غائب

دیواروں کا بدنما رنگ ابھر آیا

میں لان میں ٹہلتے ہوئے پودوں سے تھا ہم کلام

ہر پتی ہر پنکھڑی سے دھول کی چادر اتر گئی تھی

کیڑے مکوڑے کہ پوشیدہ تھے دھول میں

کلبلا رہے تھے کیچڑ، پانی اور پھول میں

نارمن جیل پھاٹک پر بیٹھا بارش میں بھیگتا رہا تھا

میں نے اس کے بدن کو تولئے سے کیا صاف

کیلے اور گرم دودھ ابال کر اسکی خاطر کی

۔ دیکھ کر تیرے کرتوت

۔ لگتا ہے واپس بنارس پہنچا دوں تجھے

۔ نارمن جیل، وہاں لوہے کے گھنٹوں پر لٹکتے پھرنا

۔ کلو گھاٹ پر کسی حاملہ عورت کی طرح منکتے پھرنا

نارمل جیل کے دانت ہوئے روشن

اس نے دونوں لانبے ہاتھوں کو میرے گرد پھیلایا

اس کی خوشامد کا یہ انداز مجھے پسند آیا

میں نے ایک سگریٹ اسکی طرف بڑھایا

اپنی آرام کرسی پر پسر گیا وہ نواب

سگریٹ کے کش لینے لگا بے حساب

رک رک کر وا کرتا اپنے نوکیلے دانت

کھجاتا اپنے کان، پھلاتا اپنی آنت

اپنے نتھنے پھیلا کر دھواں نکالتا، مسکراتا

اسکا مسکرانا بھلا کسے بھاتا

گلہریاں دیواروں پر سہم سی گئیں
چڑیوں نے پھیلائے پر، پنجے سمیٹے
کچھ مختلف نہیں ایک دوسرے سے
جانور اور انسان کا ڈر
میں ٹہلتا ہوا پہنچا پھاٹک پر
کہ دکھائی دیا عجیب نظارا
تھام کر سلاخوں کو
زخموں سے چور اریجن بی بی
رو رہی تھی زار و قطار
اٹھا رہی تھی رک رک کر فادر کی تکرار
میں نے مائکل یادب کی مدد سے اسے گھر کے اندر بلایا
ڈاکٹر بلوا کر اس کی مرہم پٹی کی
ملا جو پیٹ بھر کھانا اور برانڈی کا گلاس
اریجن بی بی کی درست ہوئی سانس
برآمدے کے تختہ پوش پر سوگئی گہری نیند
نارمن جیل اس پر پنکھا جھلنے لگا
میں کہ اسکے زخموں کو حیرت سے تاک رہا تھا
- بے سہارا، بے گھر، اس ملک کے لئے غیر ضروری
- کیا وہ نہیں ہماری ضمیر پر ایک سوالیہ نشان؟
جاگی تھی وہ شام کی پہلی کرن کے ساتھ
کھلتے ہی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات
- فادر، میں نے کیا کتنا بڑا گناہ

۔ کہ کبھی نہ معاف کرے آسمانی باپ
۔ میں نے جھوٹا الزام آپ پر لگایا
۔ مگر بن کر سرکاری گواہ
۔ بھری عدالت میں تسلیم کیا جھوٹے تھے الزامات
۔ تو پولس کا ڈر مجھے لے گیا باراسات
۔ جہاں اینٹ کے بھٹے میں کرنے لگی تھی کام
۔ مگر کلکتہ کے بغیر مجھے کہاں آرام
۔ جس کی قیمت مجھے دوسری طرح سے چکانی پڑی
۔ موالیوں کے ہاتھوں یوں مار کھانی پڑی
۔ فادر آپ ہی ہیں میرا آخری سہارا
۔ ان لوگوں سے مجھے دلائیں چھٹکارا
اریجن بی بی کو چڑھا شدید بخار
اسے نرسنگ ہوم میں کرنا پڑا منتقل
اسکے زخم تو ہو گئے مندمل
مگر ٹوٹ چکا تھا اسکا دل
دیکھتے دیکھتے یرقان کی لپیٹ میں آگئی
بڑی طویل تھی اس کی زندگی اور موت کی لڑائی
میں آسمانی باپ کے سامنے جھک کر دعائیں مانگتا
چرچ کے باہر لوگوں کی لگنے لگی تھی بھیڑ
اریجن بی بی کے واقعے نے لیا تھا عجیب رنگ
لوگ کہانی کے اس موڑ پر رہ گئے تھے دنگ
اریجن بی بی کہ ٹکٹ بلیک میں بیچنے والی

جس کا سارا پریوار غنڈا اور موالی
یہ کیسا رشتہ تھا، تھا کیسا ربط
یہ فادر کے سر میں سمایا تھا کون سا خبط
جس نے اس کی شہرت ملائی خاک میں
اسے ہی اس نے مقدس شبیہہ کی طرح رکھا طاق میں
مگر وہ درد، جو ٹپکتا اریجن بی بی کی آنکھوں سے
مجھے رکھنے لگا بے چین دن رات
میں کیا کرتا، میری دسترس میں کیا تھا
کیا اسے گُل کر دیتا
جو ایک چراغ اسکے اندر جلا تھا

کار میں میرے ساتھ تھے جوشوا سلور اور ڈی گامہ
اریجن بی بی کا ڈھانچہ پچھلی نشست پر پڑا تھا
ٹھنڈی ہوا سے شاید اسے آرام مل رہا تھا
کار کالی گھاٹ کی طرف دوڑ رہی تھی تیز
لاکھوں گاڑیاں سڑکوں پر کالا دھواں چھوڑ رہی تھیں
ڈی گامہ نے میرے کندھے پر رکھا ہاتھ
۔ ناتھن، تم دریا میں مخالف سمت تیر رہے ہو
۔ اور غلط دریا میں تیر رہے ہو
۔ کیا اچھے برے کی رکھنی نہیں ہے تمیز
۔ مگر غلط ہی کہلائے گا یہ ناچیز
۔ تم بھولو مت تمہارے ساتھ جڑا ہے چرچ کا تعلقہ

۔ کیا تمہیں اچھا لگے گا اگر بشپ کا سر جھکا

میں مسکرایا، رہا خاموش

شاید ڈی گاما صحیح تھا، شاید تھا غلط

شاید سچ اتنا آسان نہ تھا

نہ ہی تھا اتنا پیچیدہ

اور شاید ہم نے سچ کو اپنے ڈھنگ سے سوچا تھا

جوشوا سلور نے ونڈ اسکرین پر رکھا ہاتھ

۔ ایسا کیا ہوا کہ ہم مچائیں شور

۔ جنگل میں ہوتے ہیں طرح طرح کے پیڑ

۔ کوئی جوان کوئی بوڑھا کوئی لاغر کوئی شہ زور

۔ کسی کی لکڑی ہوتی ہے ٹھوس کسی کی بکواس

۔ کسی کسی کے اندر مٹی بھری ہوتی ہے

۔ جس پر اگتی ہے کٹیلی گھاس

۔ کیا پھول اور پھل ان پیڑوں میں پھر بھی نہیں لگتے

باقی کا راستہ کٹا تھا خاموش

کالی گھاٹ کے باہر تھا نرمل ہدئے

مادر لزاڈی کوسٹا نے ہمارا کیا استقبال

۔ فادر آپ اطمینان رکھیں

۔ اس کار کھیں گیں ہم خاص خیال

۔ ہم نرمل ہدئے میں ہمدردی کی بانٹتے نہیں بھیک

۔ ہم تو خود پیار کے بھوکے ہیں

۔ جیسا کہ مادر ٹریسا کا کہنا ہے

- ہم انہیں ایک دوسرے سے پیار کرنا سکھاتے ہیں
- جس طرح پاک پروردگار منش کو بناتے ہیں

ہم سب لوٹے تھے کامیاب ہو کر
اریجن بی بی نے پایا تھا آخر کار ایک گھر
آ گئی تھی ایک چھت
اسکے بھی سر پر
میں نے مدر ٹریسا کو لکھا شکریہ کا خط

- مقدس اگنس، آپ ہیں وہ برگد کا پیڑ
- جس کی چھاؤں میں تھکے ہارے مسافر
- پاؤں پھیلاتے ہیں، آرام کرتے ہیں
- ہم آپ کا چرن چھو کر سلام کرتے ہیں

صدر اسٹریٹ پر چاند چمکا تارے جھلمائے
پھیل گئے فٹ پاتھ پر جادو گھر کی دیواروں کے سائے
شمال مغرب سے چلی تھی تند ہوا
بارش کی تیز بوندیں گری تھیں
گرمی سے ملی تھی راحت، رات ٹھنڈی ہوا چلی تھی
میں نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر آسمان کی طرف دیکھا

- جانے وہ کیوں اتنی دور بیٹھا ہے
- کیوں پاس نہیں آتا
- ہماری آواز تو دھرتی سے سو گز بھی اوپر نہیں جاتی
- کیسے ہماری فریاد سنے گا وہ بدھاتا

فٹ پاتھ پر بیٹھے تھے سارے
فیاض 'بھٹا چارج' چورنگی اور کلیسا'
بابا پیٹر کان لگا کر جانے کیا سن رہا تھا
بھٹا چارج نے کھانس کر ٹھنڈی ہوا کا استقبال کیا
- یہ کال بیساکھی نے بھی کمال کیا
- مگر فادر' آپ شاید ٹھیک فرماتے ہیں
- ہم اس زمین پر کیا کچھ نہ مچاتے ہیں شور
- مگر کیا نہ ہوگا کسی نے غور
- کیا کائنات میں ہم کہیں سنے جاتے ہیں
- صرف اپنی ہی آوازوں سے ہم اپنا دل بہلاتے ہیں
- مگر فادر ہمیں گھڑی پال کے لئے کچھ سوچنا ہے
- وہ جلد ہی اسپتال سے ہوگا برخواست
- اسے پیس میکر کی ضرورت پڑ سکتی ہے
- کلکتہ نے اسے ٹھیک سے نہ تھاما تو
- وہ شہید مینار سے کود کر مر سکتا ہے
میں مسکرایا
میں نے دو قدم پیچھے ہٹ کر فاصلہ کیا درست
- ہاں' اب یہ بدنام پادری کرنا چاہتا ہے خطاب
- ہم روز لکھتے رہتے ہیں اپنی زندگی کی کتاب
- اب وقت آ گیا ہے کہ چند اچھے ورق جوڑ دیں
- اس دھرتی پر اپنے ہونے کا نشان چھوڑ دیں
- کیا ہم اس میں نہیں تھے حصہ دار

۔ کیا اسکے لئے ہمارا کچھ بنتا نہیں فرض

۔ ہم سب کو چکانا ہے گھڑی پال کا قرض

۔ ہر کوئی اپنی صلاحیت' اپنی حیثیت آزمائے

۔جلد ہی مون سون شروع ہونے والا ہے

۔ کچھ ماہ کے بعد ہوگی نئے ملینیم کی شروعات

۔ آپ سب ہونگے کسی اچھے رستوران میں ہمارے مہمان

۔ ہم اپنا اپنا حصہ گھڑی پال کے خواب میں جوڑ دینگے

۔ ہم یہ خواب بکھرنے نہ دینگے

۔ یقیناً ہم گھڑی پال کو مرنے نہ دینگے

اور ہوا یہ واقعہ عجب

ہم سب ہوگئے ایک لب

۔ یقیناً ہم گھڑی پال کو مرنے نہ دینگے !

۔ اسکا خواب بکھرنے نہ دینگے !

صدر اسٹریٹ کے موڑ پر رکی ایک سرکس وین

اس سے ایک جوکر ہوا نموار

سڑک کی نیم روشنی میں منقسم ہوتا دکھائی دیا

جانے کہاں سے نارمن جیل آیا نکل

اسکول کے ڈھلائی والے لوہے کے پھاٹک سے لٹک کر شور مچانے لگا

۔ کمیلو گونزالیز' میں نے سرگوشی کی

۔ ہر ہفتے ایک بار یہ ضرور آتا ہے

۔ اپنے گناہوں پر روتا ہے گڑگڑاتا ہے

۔ وقت نے اسے جوکر بنا دیا ہے

- مگر پاپی پیٹ نے اسے اپنا سر
- شیر کے منہ میں ڈالنا سکھا دیا ہے

اچانک اخبارات میں میں ہونے لگا مشہور
مجھ پر عائد الزامات نے پکڑا زور
میں نے جلا رکھا ہے دھارمک کرن کا چراغ
میرے گرجے میں آئے دن ہوتا ہے
غیر عیسائیوں کا اصطباغ
جانے کس نے یہ افواہ اڑائی تھی
اخبار میں یہ خبر پڑھ کر مجھے ہنسی آئی تھی
میرے لوبیے میں جو چیز سرے سے تھی عنقا
میں کہ بے پرواہ انسان کرتا تھا اپنے من کا
میں کہ خود پریشان تھا اپنے سوالوں سے
کسی کو کیا راہ دکھاتا
لوگوں نے میرے خلاف جلوس نکالے
چرچ کے احاطے پر دیا دھرنا
ایک ہفتے تک جاری رہی بھوک ہڑتال
ایک بنیاد پرست سیاسی جماعت نے مجھے بحث کا موضوع بنایا
قانون ساز اسمبلی میں میرا معاملہ اٹھایا
آخر کار مجھے پیش ہونا پڑا ابشپ کے روبرو
بشپ سی تھومس کے ساتھ تھے اور بھی کئی عالمِ دین
تھے موجود ہنری ڈیسوزا ڈی گاما اور رابرٹ ہارو سے

تھا یہ کینڈل ماس کا دن

اتوار کی پرارتھنا کے لئے چرچ کے گھنٹے بج رہے تھے

فادر سنی تھومس نے افسوس کا کیا اظہار

- ڈیئر ناتھن اس بات سے نہیں انکار

- ہم اپنے نظامِ عقائد میں اپنی طرز کی فکریں پروتے ہیں

- میتھوڈسٹ کے پاس بھٹکنے کے نہیں ہوتے زیادہ وسائل

- مگر پاپائے روم کے مراسلے کا اگر کریں یقین

- کسی حد تک کٹر ہوتا ہے ہر عالمِ دین

- کہ ہم سائنسدانوں کی طرح نہیں کر سکتے بے لگام تجربے

- باسلیقگی میں جو قسمیں اٹھائی جاتی ہیں

- لازمی ہے کہ ان کی عزت رکھی جائے اپنے اعمال کے اندر

- یوں تو ہم سب خاک پر پڑے ہیں

- مگر ہم یہ نہیں بھول سکتے

- ہم مسیح کی صلیب کے سائے میں کھڑے ہیں

میں نے جھک کر کی فادر کی دست بوسی

- فادر جیسا کہ پاپائے روم کا ہے اعلان

- زمین ہے خدا کا عطیہ

- ہم اس کے فائدے چند لوگوں تک محدود نہیں رکھ سکتے

- صرف اس لئے کہ اچھے ہیں ان کے حالات

- جب کہ ان سے محروم قرار دی جاتی ہے

- ایک عظیم اکثریت

- عملِ تخلیق سے خدا نے کیا کہنا چاہا ہے

۔ اس سے قطع نظر
۔ کہ خدا نے عطا کی ہے انسان کو اپنی شکل
۔ کیا پیغمبر سدا پرولتاری کے علاقوں پر نہیں اترتے
فادر نے بھری ایک آہ، سر کو جھکایا
ان کی داہنی آنکھ میں ایک موتی جگمگایا
۔ ناتھن یہی وہ فیصلے ہیں جو ہمیں ڈس جاتے ہیں
۔ عجیب و غریب خیالات ہمارے دلوں میں بس جاتے ہیں
۔ تمہیں عطا کیا گیا ہے پادری کا منصب
۔ کہ نہ سوچو تم چرچ کے انتظامات سے پرے
۔ ایسا کچھ نہ کرو کام
۔ کہ پادریوں کا فرقہ ہو جائے بدنام
۔ جس دریا میں تیرو لازمی ہے
۔ رکھو اس کی گہرائی اور رفتار کا گیان
۔ ورنہ تنکے کی طرح بہہ جاؤ گے
۔ اپنے اندر کھو کھلے رہ جاؤ گے
۔ ملک کے حالات حال کے برسوں میں غلط رنگ سے بدلے ہیں
۔ ہمیں پھونک پھونک کر رکھنا ہے قدم
۔ جانے کب بارود میں چنگاری بھڑک اٹھے
۔ غریب و نادار مارے جائیں
۔ کیا بہتر نہیں ہم خاموشی سے کریں کام
۔ کہیں مصیبت میں نہ پڑ جائے چرچ کا انتظام
اگلے ہفتے ڈی گاما سے بجھوایا گیا ایک نام

بشپ کا حکم تھا میں اس سے ملوں
میری وجہ سے جو اٹھ کھڑا ہوا ہے فتنہ
شاید اسکا حل اسکے اختیار میں ہے
بڑی طاقت پروردگار میں ہے

بیچارام چٹرجی کی پولس وین تیزی سے دوڑ رہی تھی
ہم مشرق کے ضمنی راستے سے گزر رہے تھے
سالٹ لیک کی دیدہ زیب عمارتیں آنے لگی تھیں نظر
بیچارام نے سگریٹ کا ڈبہ میری طرف بڑھایا
اور میرے انکار کرنے پر مسکرایا
۔ فادر، غصہ تھوک دیں آپ
۔ کیوں نہ ہم دوستی کا ہاتھ بڑھالیں
۔ میں تو سیاست کے ہاتھ کا پتلا ہوں
۔ جیسا نچاتے ہیں لوگ ناچتا ہوں میں
میں کہ ونڈ اسکرین کے پار تاک رہا تھا
میں نے خاموش رہنا بہتر جانا
دیکھتے دیکھتے کار ایک بنگلے کے پھاٹک پر رکی
گھنے پیڑوں کے نیچے کی تیرگی سے
ایک کتا بھونکتا ہوا لپکا
ایک فرد نمودار ہوا، ہمیں لے کر ایک کمرے میں آیا
بیچارام چٹرجی نے ایڑیوں کو بجایا
دکھائے دیے بپا رائے

اس نے نمستے کیا، بیٹھنے کا اشارا
- فادر آپ تو اخبارات کی سرخیوں میں آنے لگے ہیں
- شاید لوگوں میں آپ کے لئے ہے غلط فہمی
- مگر اس کا کیا کیا جائے کہ عام انسان ہے وہمی
- اسے اپنے بھگوان کے چھن جانے کا ڈر ہے
- جوان کے لئے تو ہے بھگوان، آپ کے لئے پتھر ہے
- یہ ٹھیک ہے کہ انسان ہے ایک مذہبی حیوان
- ذاتی طور پر میرے لئے نہ جیسس نہ کرشن بھگوان
- آج جھوٹے کہلاتے ہیں جو دھرم
- کل وہ سچے کہلاتے تھے
- جس طرح آج کے مسیحی دھرم پر سوال اٹھائے جاتے ہیں
کمرے میں سکوت تھی طاری
ایک چڑیا منجمد شیشے پر پر پھڑپھڑانے لگی
- شاید آپ نے کچھ غلط نہیں کہا ہے
- میری ہے پوری طرح آپ سے اتفاق رائے
- گرچہ میں اسے نہیں مانتا
- قدیم فلسفیانہ خیالات جب توہمات کے گھیرے میں آئے
- تو مذہب کہلائے
- میں تو رکھتا ہوں قرآن کی اس بانی میں یقین
- کہ تیرا دھرم تیرا ہے اور میرا میرا ہے
- مگر شاید کسی نے سچ کہا ہے
- ہم ایک سنڈی کی تو کر نہیں سکتے تخلیق

- مگر لاکھوں کی تعداد میں خداؤں کو وجود میں لاتے ہیں
- شاید یہ بھی ہے کہ اگر تکون اپنے خدا بنا پاتے
- تو ان کے خدا سہ گوشہ کہلاتے
- مگر دھرم تو صرف پیار ہے
- اس کے سلسلے میں مجھے کسی بھی منطق سے انکار ہے

نوکر جب ہمارے لئے رکھ رہا تھا چائے

اٹھ کر قالین پر ٹہلنے لگا پپارائے

پل بھر کے لئے اسکا سر مڑا

- دھرم کے سلسلے میں میری تو یہ ہے رائے
- کہ ہے یہ وہ علاج
- جو خود مریض کے لئے بنتا ہے وبالِ جان
- مگر اسکا کیا کیا جائے کہ ہم عوام کے لئے ہیں فکر مند
- آپ کے سلسلے میں آئی ہیں شکایتیں
- نہ صرف آپ ہیں پولس کے لئے سر درد
- آپ چور اچکوں کی ہمت افزائی کرتے ہیں
- وقت بے وقت بنتے ہیں ان کی ڈھال
- اس سے امن قائم رکھنا ہو گیا ہے محال
- میری سمجھ میں نہیں آتا آپ کا فلسفہ
- آپ تو اپنے چرچ کے فرائض سے بھی رہتے ہیں دور
- گرچہ میں تو ہوں ڈیفو کا ہم خیال حضور
- آئے ہیں انسان پر جتنی بھی طرح کے پلیگ
- ان میں سب سے زیادہ خطرناک ہے کلیسائی استبداد

میں نے کھڑکی سے باہر نظر ڈالی
جہاں نیچی دیوار سے ٹکا تھا نیلا آسمان
۔ پتہ ہے مجھے، میں نے پڑھی ہے تاریخ
۔ مگر جیسا کہ میں نے تھوڑی دیر قبل کہا ہے
۔ تکونوں نے اپنا خدا ایک تکون کو ہی چنا ہے
۔ جس نے بھی سارے فیصلے کئے ہیں اپنے لئے محض
۔ اس نے ہی فاسشٹ کا چہرا پہنا ہے
۔ یہ آج کی کہانی نہیں، سدا کا رونا ہے
۔ آپ جو کمیونزم میں رکھتے ہیں یقین
۔ کیا آپ بھی اپنا چرچ، اپنا بائبل نہیں رکھتے
۔ جن کے سلسلے میں آپ اتنے ہی راسخ العتقاد ہیں
۔ جتنا یہ حقیر بندہ، جو خود اپنے ہاتھوں برباد ہے
۔ بخوبی واقف ہوں میں تہذیب کے اس عنصر سے
۔ جو دوسروں کے خیالات کی عزت کرنا سکھاتا ہے
۔ مجھے تو دنیا کا ہر انسان بھاتا ہے
۔ میری نظر میں گیتا کی تقدیس بائبل سے کم نہیں
۔ پھر بھی میرے ساتھ ہو جائے کچھ تو غم نہیں
بپارائے نے حقارت سے ناک سکوڑی
ایک سگریٹ سلگایا
گرچہ لگی تھی چائے اس نے ہمیں اسکے لئے نہیں پوچھا
۔ شاید عام انسانوں سے الگ نہیں یہ اہلِ دین
۔ انہیں بھی چاہئے اپنی انا کی تسکین

- شاید ایک بوڑھے کتے کو نئے کرتب نہیں سکھایا جاسکتا
- متعصب لوگ تو اپنے ہی ڈھنگ کی دنیا چلاتے ہیں
- یہ ایک جمہوری نظام کا فائدہ اٹھاتے ہیں
- مگر میرا خیال ہے چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے
- فادر ہرے رام، اور جانے کیسا ہے یہ نام
- میں آپ کو اپنے ڈھنگ سے سوچنے کے لئے دیتا نہیں الزام
- مگر میری آپ سے التجا ہے
- حالات آپ کے اختیار میں ہیں
- آپ دے سکتے ہیں جو بھی رخ چاہیں
- مگر افسوس ہے ہمیں آپ پر نگرانی رکھنی ہوگی
- کیا ہی اچھا ہوتا
- اگر آپ اپنے راہبانہ رتبے کا کرتے لحاظ
- گناہوں کے اعترافات سنتے
- لوگوں کے استغفار کے لئے مانگتے دعا
- چرچ کے شعارِ مقدسہ کی رسومات ادا کرتے
- یوں اپنے کلیسا کے وضع کردہ مذہبی قوانین سے
- کرتے نہ انحراف
- چوراچکوں اور فسادیوں کی رہبری نہ کرتے
- اچھے پادری کی طرح جیتے اچھے انسان کی طرح مرتے

جس دن جاری ہوا بشپ کا فرمان
مجھے چرچ کے فرائض منصبی سے محروم کرنے کا

اسکے ایک ہفتے کے بعد حکومت کی طرف سے ہوا

مجھے دیس نکالا کا اعلان

مجھے پندرہ دن کی ملی تھی مہلت

میں نے عدالت کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا

نہ عہدہ داران کلیسا کے سامنے رکھی صفائی

شاید میرے لئے ضروری تھا یہ موڑ

ابھی میرے بے شمار سوالات پیاسے تھے

اور بھی آگے چلنا ہے مجھے

نئے انگاروں میں لوٹنا ہے، جلنا ہے مجھے

میری بے چینی مجھے لے گئی میدان کی تنہائی میں

جہاں ٹٹو بکھرے پڑے تھے ادھر ادھر بے لگام

گرمی کی چلچلاتی دوپہر سے جھلسی ہوئی شام

پیڑوں کے سائے پھیلے تھے

روشنائی کے دھبوں کی طرح

ریڈ روڈ پر جشن آزادی کی ہو رہی تھی تیاری

سڑک کے دونوں کنارے لگی تھی بانس کی باڑ

میں نے ایک پیڑ کے سائے کا کیا انتخاب

اور نیلے آسمان کو تاکنے لگا

کیوں میں اتنا دکھی تھا اندر سے

مجھے کس چیز کے کھونے کا غم تھا

تھا جو میرے حصے کا درد

شاید وہ میرے لئے کم تھا

قدرت کو شاید اب کچھ اور ہی تھا منظور

میں اس مٹی سے جا رہا تھا دور

مگر یہ شہر، یہ ملک، اس نے کیا کچھ نہ دیا مجھے

کہ زندگی بھر میں دیتا رہوں تو بھی لوٹا نہیں سکتا

وہ آنکھیں جو سدا آنسوؤں کا گھر ہے

اور وہ پیر جنھوں نے راستے کا درد سہا ہے

وہ کان جنھوں نے محبت کے دو بول نہیں سنے

وہ ہونٹ جنھوں نے کبھی بھی اپنے دل کا نہ کہا ہے

کس طرح میں نے ایک پُل بننے کی کوشش کی

ایک ایسے دریا پر جو طوفانی تھا

لازمی تھا کہ میں چور چور ہو کر گرتا

دریا میں کس قدر پانی تھا

اب تو موج جدھر چاہے مجھے بہا کر لے جائے

شاید پھر کبھی

تقدیر اس مٹی پر واپس لائے

سورج ہو رہا تھا غروب

میں پارک اسٹریٹ پر چل رہا تھا

دھوپ کی آخری کرنوں میں

آسمان جل رہا تھا

پارک اسٹریٹ کے تھانے میں تھی سدا کی بھیڑ

بیچارا رام ابھی تھانہ نہیں پہنچا تھا

۔ فادر، آپ تھوڑی دیر کریں انتظار

۔ ہم نے فون کیا ہے' وہ تھانہ کے لئے ہو رہے ہیں تیار

میں بینچ پر بیٹھ کر نظر دوڑانے لگا

کسی قریب کے کمرے میں کروایا جا رہا تھا اقبال جرم

شاید میز پر ہاتھ رکھ کر ڈنڈے سے ہو رہی تھی مار

ملزم رک رک کر چلا اٹھتا' رو پڑتا

مگر اپنے ساتھیوں کا نام اگلنے سے تھا معذور

وہ بار بار التجا کر رہا تھا

کسی ایم ایل اے کو کرنا چاہتا تھا فون

مگر پہلے سے بھی زیادہ تیز چیخ مارتا

ایک سپاہی نمودار ہوا

ساتھ تھا ایک خوش پوش جوان

تھانے کے چھوٹے بابو نے اسکا کیا استقبال

مارا منہ پر تھپڑ' پکڑ کر بال

وہ تلملایا' سارا بدن کانپ گیا

۔ حرامی کا پلہ' بیوی کو پیٹنے کا شوقین

۔ جیسے اس ملک میں نہیں کوئی آئین

۔ سارے پیسے کنگھے جوتے کپڑے اتارو

۔ بدن پر پتلون اور عضوِ تناسل کے سوا کچھ نہ چھوڑو

دیکھتے دیکھتے اس نے جیب کی خالی

جوتے موزے اور کرتا اتارا

اس کی رقم اور جیبی سامان کا کیا گیا اندراج

اسے ڈھکیل کر لاک اپ میں ڈالا گیا

بغل کے کمرے میں لگاتار استفسار چل رہا تھا

سب اپنے اپنے کام میں تھے مشغول،

یہ تو یہاں تھا روز کا معمول

آدھے گھنٹے کے اندر بیچارام ہوئے نمودار

انہوں نے مجھ سے معافی مانگی

کھولا اپنے چمبر کا دروازہ

۔ فادر ہمیں افسوس ہے!

۔ شاید آپ کا نہ تھا قصور

۔ غیر ملکیوں کے لئے یہ تو ہے اس ملک کا دستور

۔ شاید اس سلسلے میں میں کچھ نہ کر پاؤں

۔ پھر بھی آپ کہیں تو میں

۔ کسی کا بھی پاؤں تھاموں، گڑگڑاؤں

اس نے چائے کے لئے گھنٹی بجائی

اپنی کرسی پر پھیل کر لی انگڑائی

۔ اس شہر کے جرائم پیشوں سے میں آ گیا ہوں تنگ

۔ یہ بھی بھلا جینے کا ہے کوئی ڈھنگ

۔ آدھی رات کو فون گھر پر کرتا ہے شور

۔ اور دن بھر یہاں خونی درندوں کا زور

میں نے اسکے تھکے ہوئے چہرے پر ڈالی نظر

اس کی آنکھوں کی بیزاری پر مجھے آیا رحم

۔ میرے ساتھ جو ہوا اسکا نہیں مجھے غم

۔ میری حاضری کا مقصد ہے کچھ اور

۔ میری ایک آخری خواہش کا آپ کریں احترام

۔ تا عمر آپ کا ممنون رہے گا یہ بدنام

بیچارام نے بڑھ کر میرا ہاتھ تھاما

۔ بلا جھجک آپ حکم کریں، فادر

۔ اگر میں آپ کے کسی کام آیا

۔ کچھ کم ہو جائے گا بوجھ میری ضمیر پر

میں نے دہرائی وہ کہانی

کس طرح گھڑی پال کے ساتھ ہوئی تھی بے ایمانی

کس طرح اس واقعہ نے اسے توڑا تھا

اسے موت کے دہانے پر لا کر چھوڑا تھا

۔ میں نے اپنے ذرائع سے لی ہے خبر

۔ آپ کے ہی علاقے میں جی رہا ہے شاندار زندگی وہ ستمگر

۔ وہ بدنام زمانہ نونیل سین

۔ قانونی کاروائی سے اسکا کچھ بگاڑا نہیں جا سکتا

۔ مگر آپ یقیناً کوئی راستہ نکال سکتے ہیں

بیچارام نے کاغذ میں لکھی ساری تفصیلات

۔ بہت بھاری پڑے گی سوَر پر آج کی رات

۔ فادر آپ رکھیں پورا اطمینان

۔ گھڑی پال کی ہرگز نہیں جائے گی جان

۔ جان پر تو اس کی بنے گی

۔ جس نے کیا ہے یہ گھناؤنا کام

۔ جھوٹے وعدے کسی سے نہیں کرتا بیچارام

آخری ضیافت

ملاقات کے اس آخری مقام پر
ہم ایک دوسرے کو ٹٹولتے ہیں
اور گفتگو سے احتراز کرتے ہیں

کھوکھلا انسان (ٹی ایس ایلیٹ)

آخری ضیافت

صدر اسٹریٹ سے پرے
طوطی لین اور مارکوئس اسٹریٹ کے سنگم پر
ایک گلی میں گمنام وہ رستوران
یہاں روٹیاں توڑتے ہیں سفید و سیہ فام
اس کی پہلی منزل پر دو کمرے
سبز و پردہ پوش، نیم روشن و خاموش
منیجر مہالنگم نے جب دیکھا گھڑی پال کو
اسکی گھنی موچھوں سے گھبرا کر
اپنی پیشانی سے پسینہ کیا صاف
- یہ اور ایسے ہی نہ جانے کتنے آتے نہ آج کی رات
- اگر نہ مان لیتا میں فادر ہرے رام کی بات
منیجر مہالنگم تھا جٹا دھاری
اسے تھی زیادہ بولنے کی بیماری
اوپر فادر کی محفل شروع ہو چکی تھی
لانبے سلاخوں سے دکھائی پڑ رہا تھا
کلکتہ کی عمارتوں پر ٹکا
بادلوں سے ڈھکا آسمان
نئے سال کے اعزاز میں روشن کئے گئے تھے

ہوٹل کے تمام کمروں میں ہیٹ نما کاغذی لمپ
مہالنگم بذاتِ خود ایک لمپ کے ساتھ ہوا وارد
اس نے اسے ایک خالی میز پر رکھا
دھیمی کی اس کی روشنی

- کل کی بارش نے کیا ہے تھوڑا افاقہ
- مگر آج کے دن بھی مہالنگم کے رستوران میں
- لوگ کہاں اتنی تعداد میں آتے ہیں
- سارے تو پارک اسٹریٹ اور چورنگی کے
- دیدہ زیب ہوٹلوں میں قطار لگاتے ہیں
- بئیر اور وہسکی کے گلاس پر نئے سال کی جشن مناتے ہیں

کھڑکی کے باہر بیٹھی تھی تنگ گلی کے اوپر
چاند کی بڑھیا'
بار بار پنکھے جھل رہی تھی' بادلوں کو ہٹا رہی تھی
جن کے درمیان کبھی کبھار جل اُٹھتی کوئی تتلی
قریب کی کسی پرانی عمارت میں
ہمیشہ کی طرح شروع ہو چکا تھا ہنگامہ
ایک پاگل گلی سے گاتا گزرا
کھڑکیوں دروازوں کو تھپتھپاتا گزرا
ایک ہی جوڑا ہم جنسیت کا شکار
کونے میں بیٹھا تھا خاموش' پراسرار
ایک دوسرے کو میٹھی نظروں سے تاک رہے تھے
فادر ناتھن نے ایک رکابی پر رکھی تھوڑی سی چپس

ایک گلاس میں وہسکی انڈیلی

چھوٹی میز پر کہ نارمن بیٹھا تھا اکیلا

اس کی طرف بڑھایا

۔ نارمن، آج کی رات تم بھی عیش کر سکتے ہو

۔ ہماری محفل میں کچھ جام بھر سکتے ہو

۔ کل گر جا سنگھ بطور خاص تمہیں بنارس لے جائے گا

۔ تمہیں تمہارا جنم استھان پہنچائے گا

نارمن نے وہسکی کا لیا گھونٹ، دانت نکال کر مسکرایا

اس نے نہایت تہذیب سے چپس اٹھا کر کھایا

بھٹا چارج نے اصل موضوع کی طرف قدم بڑھایا

۔ فادر، شاید اسکے بعد ہم نہ ہونگے ایک جگہ

۔ یوں بھی ہم لوگ کہاں کے تھے سگا

۔ یہ تو زمین کی گردش تھی کہ ایک مرکز پر لڑھک آئے تھے

۔ جانے وہ تھا کون سا آسمان

۔ جہاں ہمارے ستارے ٹکرائے تھے

۔ اب آ گیا ہے انتشار کا موسم

۔ وقت کا بگولا آپ کو اڑا کر لے جائے گا دور

۔ شاید کل نہ ہو گھڑی پال یہاں

۔ اور بابا پیٹر کا کناڈا کا ویزا ہو چکا ہے منظور

۔ ہم آج زندگی کے ایک اہم سوال کے روبرو کھڑے ہیں

۔ اس شہر نے تو ہمیں ناگ بن کر ڈس لیا ہے

۔ مگر ہم بدلے میں زہر مہرا بن جائینگے

- گھڑی پال کے خواب کی حفاظت سے کردینگے اعلان
- ہمارے اندر بھی زندہ ہے ایک لافانی انسان

اور بھٹا چارج نے تین ہزار دو سو کی رقم میز پر رکھی

جام اٹھایا اور پی گیا غٹا غٹ

- تمام عمر میں نے جن کتابوں کو سینے سے لگایا
- جنہوں نے مجھے راتوں کو جگایا' دن کو سلایا
- جنہوں نے میرے زخموں پر پھاہا رکھا
- انہیں بیچ کر بس اتنی ہی رقم جٹا پایا ہوں
- میں ایک قلاش فلسفی ہوں جو ننگا ہی چلا آیا ہوں

فادر نے میز پر اپنا لانبا ہاتھ پھیلایا

بھٹا چارج کا ہاتھ تھام کر مسکرایا

- ایک غیر معمولی انسان ہے یہ اندرنیل
- اتنے برسوں تک ہم نے کتنی بحثیں کیں
- مختصر اور طویل
- مگر استدلال کے ہاتھوں ہم تھے کتنے مجبور
- اسکے باوجود کہ ہم ایک دوسرے کی منافی کرتے آئے سدا
- نہ میں خدا کے قریب جا پایا نہ یہ ہو سکا دور

نیو مارکیٹ کے باہر چھوٹنے لگی تھی آتش بازی

دریا پر کھڑے دخانی جہاز کوک بھرنے لگے

کسی نے قریبی گرجے کی گھنٹی بجادی

بابا پیٹر نے رکھی میز پر کاغذ کی ایک پوٹلی

- نیا سال مبارک !

- اسکے اندر ہیں چھ ہزار کے نوٹ
- ہوائی سفر کے خرچ کے بعد
- میرے پاس بچا تھا صرف ایک پھٹا کوٹ
- اور اگر ہوتا جو نہ میرے پاس وہ دقیانوسی فلیٹ اور پیانو
- کناڈا کی ہجرت مجھے ٹالنی پڑتی مانو
- آج کل لوگ پیانو سے کہاں شغل فرماتے ہیں
- وہ تو سنتھسائزر خریدنے جاتے ہیں
- پکے پکائے کھانوں کا مزا اٹھاتے ہیں
- خیر سے رسل اسٹریٹ کے نیلام گھر میں مل گیا ایک سنکی گاہک
- جو کبھی کبھار بنگالی آرٹ فلموں کے لئے لکھتا ہے موسیقی
- مگر کمبخت سنگیت کار نکلا کنجوس
- اس نے اس جرمن کاٹج پیانو کی نہ قدر افزائی
- اس نے صرف چالیس ہزار تک کی ہانک لگائی
- گھڑی پال نے مجھے جانے کتنی کھائیوں سے بچایا
- کتنے اندھیرے گلیاروں سے نکالا
- اس حقیر رقم کے ذریعے
- میں بھلا کب اس کا احسان چکا سکتا ہوں
- میں اسکے خواب کے شجرِ کرسمس پر
- صرف ایک دھندلا تارا ہی لٹکا سکتا ہوں

نیگرو نے سفید فام کا لیا بوسہ، بیئر کی بوتل اٹھائی
اسکی بچی کھچی شراب انڈیل کر گلاس میں
لی ایک معنی خیز انگڑائی

دوسرے گاہک مڑ مڑ کر نارمن جیل کی طرف تاک رہے تھے

نارمن جیل کو ابھی آیا نہ تھا نشہ

باہر گلی میں بارش کی ناگہاں بوندوں نے مچایا شور

جیسے کسی اسٹیڈیم میں ہو رہی ہو تالیوں کی گڑگڑاہٹ

ہوا میں خنکی آچکی تھی

اچانک کمرا تاریکی میں ڈوب گیا

فادر ناتھن نے ٹٹول کر بجھی ہوئی موم بتی جلائی

ہیٹ نما لمپ اور موم بتی کی روشنی میں

گاہکوں کے سائے دیواروں اور سلینگ پر ناچ رہے تھے

جن میں تھا نارمن جیل کا دمدار سایہ

- بابا پیٹر درد کی وہ کہانی ہے

- جسے دہرانا نہیں آسان

- شاید ایک نیا ملک تمہارے لئے نیا سورج لائے

- مگر پیٹر' میرے بیٹے

- جو ہم ہوتے ہیں اس کی طرف نہیں ہوتے ہیں مائل

- ہم جو نہیں ہوتے اسکا غم اٹھاتے ہیں

- زندہ رہنے کے لئے ضروری ہے قدم آگے بڑھاتے رہیں

- کہ قدرت کا یہی نظام ہے

- ورنہ ہمارا خالق ایک آنکھ

- سر کی پشت پر بھی لگا سکتا تھا

بابا پیٹر نے وہسکی کا ایک گھونٹ لیا

اور واپس اپنے خاکے میں جا چھپا

مگر پانچ ہزار کی دو گڈیاں جانے کب میز پر آ گئی تھیں
علی بابا شرمندہ سا بیٹھا سر جھکائے
اس نے اپنا گلا کیا صاف
۔ آپ حضرات اس ناچیز کو کردیں معاف
۔ خدا کی نظر میں ہوں میں گنہ گار
۔ کہ ہر پل میرے ذہن پر شیطان ہے سوار
۔ جس ڈیرے کی سلامی کے لئے
۔ بچائی تھی میں نے یہ رقم
۔ شاید اسی پر میرا نام نہیں لکھا تھا
۔ مگر میرا چینی مالک سیمسن
۔ خدا اسے کاروبار میں ترقی دے
۔ اسنے نہ صرف ہوٹل میں سونے کی اجازت دی ہے
۔ بلکہ انہوں نے میرا پگار بھی بڑھایا ہے
۔ جیسا کہ سیمسن نے کہا ہے
۔ علی بابا یہی وہ اعمال ہیں
۔ جن کے بغیر ہم سب کنگال ہیں
۔ بھائی گھڑی پال کے بیوی بچے رہیں سلامت
۔ میرا کیا ہے، میں تو لاولاد اور کنوارا ہوں
۔ اپنی تنہائی کے بوجھ کا مارا ہوں
گھڑی پال کی آنکھوں کے گڈھے تھے تاریک
جانے کہاں سے روشنی آئی، ان میں آنسو چمک اٹھے
۔ کیا میں خوش نصیب ہوں اس قدر

۔ میری آنکھیں سہن نہیں کرسکتیں یہ منظر

فادر ناتھن نے گھڑی پال کے کندھے پر ہاتھ رکھا

۔ اس نے کیا دنیا دیکھی

۔ جس نے انسانیت کا مزا نہیں چکھا

۔ علی بابا، گھڑی پال اور بابا پیٹر

۔ سب ایک ہی ہستی کے الگ الگ نام ہیں

۔ ہماری آنکھیں کیا صرف ہمیں روتی ہیں

۔ یا ہماری مسکراہٹ ایک کائنات کا حصہ ہے؟

۔ یا خدا کی تقدیس کا یہ نیا قصہ ہے

یکا یک چورنگی اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا

اسکے لمبے ہاتھ میں اب تک گلاس دھرا تھا

۔ فرینڈس، یہ ایک پل پہلے لبالب بھرا تھا

۔ شاید مجھ پر چھا رہا ہے بدیسی شراب کا نشہ

۔ میں بہک جاؤں تو سنبھال لینا مجھے

۔ مجھے رکھنی ہے آپ کے سامنے اپنی بات

۔ میں کہ بے گھر بے آسمان پیدا ہوا

۔ میرے لئے بے مصرف تھی خدا کی ذات

۔ جس کا مصرف آخر کار میں نے نکال لیا

۔ میں نے تین دن کے اندر بدلے تین بار خدا

۔ چور گارد کے مولوی میر بہار نے مجھے کلمہ پڑھایا

۔ بابر علی کا مجھے بخشا خطاب

۔ برادرانِ ملت نے کیا اچھا خاصا چندا

۔ دھرم بدلنا بھی ہے فائدے کا دھندا
۔ مجھے ملے دو ہزار روپے، لنگی کرتا اور ایک نام
۔ مگر میں ٹھہرا چورنگی
۔ کسی دوسرے نام سے مجھے کیا کام
۔ جگ کا ہر باسی ہے میرا ساتھی سنگی
۔ اگلے دن میں نے مارتھوس کے ہاتھوں کیا
۔ مسیحی دھرم قبول
۔۔ انہوں نے مجھے کرسٹوفر چورنگی کا چولا پہنایا
۔ میں جب چرچ سے باہر آیا
۔ نہ صرف میری جیب تھی گرم
۔ میں ایک عظیم مستقبل کے تابناک ساحل پر کھڑا تھا
۔ مگر چورنگی شہر خبرا کیچڑ میں پڑا تھا
۔ میں نے اسے اٹھا کر دھویا، کیا صاف
۔ لے گیا بیچنے بڑا بازار
۔ میرے ہمراہ تھے پر جوش بندھومن سکھ لال
۔ ہندو دھرم کے مہان رکھشک مہانند چوہے
۔ انہوں نے کروایا میرا ہندو کرن
۔ اس تنگ و مصروف گلی کے اندر
۔ جہاں ایک مندر میں بجتا رہتا ہے گھنٹہ آٹھوں پہر
۔ لوگوں نے مجھے جئے رام کے نام سے پکارا
۔ گھر واپسی کا نعرہ لگایا
۔ دئے گئے مجھے عجیب وغریب تحفے، راکھی اور ملبوسات

- لوگوں نے میرے ساتھ تصویریں کھنچوائیں
- جۓ شری رام کی لگائی گئی پکار
- مگر جب میں اپنے ٹھکانے پر واپس آیا
- کلکتہ پر پھیل رہا تھا آدھی رات کا سایہ
- اور اگرچہ ہلکی ہلکی ہو رہی تھی پھوار
- میں نے گاڑ دیا اپنی مخصوص جگہ اپنا سر
- مجھے چڑھ رہا تھا ہلکا ہلکا بخار
- مجھے لگا مجھے گھیر کر بیٹھے ہوئے تھے
- مارتھومس' مہانند چوبے' میر بہار
- مگر صبح سورج نکلنے تک
- میں نے اتاری ساری کینچلیاں
- اندر سے نکل آیا وہی پرانا چورنگی
- جس کی نہ زمین نہ جس کا آسمان
- جس کا نہ گاڈ' نہ خدا' نہ بھگوان
- مجھے تو گھڑی پل کی زندگی تھی پیاری
- مجھے کس بات کی ہو ندامت
- میں نے کب اٹھایا تھا ناجائز فائدہ
- یہ تو ہے اس دنیا کا پرانا قاعدہ
- یہ کلکتہ ہے ایک خرید و فروخت کا بازار
- یہاں پیسے اچھالتے پھرتے ہیں خریدار
- میں نے ایک ایک دن کے لئے ہر شخص کے خدا کو اپنایا
- اور آخرکار اپنی کھال کے اندر لوٹ آیا

- مجھے نہیں بھاتا اپنے گلے پر طوق
- وہ اور ہونگے جنہیں ہوگا غلامی کا شوق

اسنے میز پر اپنے حصے کا تعاون رکھا
باہر بارش کا بڑھ گیا تھا شور
مہالنگم دکھائی دیا
اس نے چند اور میزوں پر موم بتیاں روشن کیں
فادر ناتھن نے دونوں ہاتھوں سے سر کو لیا تھام

- واقعی، چورنگی نے کیا بڑی دانشمندی کا کام
- سچ تو یہ ہے، ہم لیتے ہیں دھرم کی آڑ
- مگر قدیم قبائلی گروہ بندی کا ڈھول بجاتے ہیں
- ہم خدا کے بندے کب ہوتے ہیں
- خدا تو ہمارے لئے بس ایک بہانہ ہے
- ہمیں تو بس آپس میں لڑ بھڑ کر مر جانا ہے
- مگر میری پیاری کلیسا
- تم کیوں چپ چاپ بیٹھی ہو
- تم نے تو آدھا ہی گلاس خالی کیا ہے
- کیا بات ہے، کیوں تم نے ہونٹوں کو سیا ہے؟

منحنی کلیسا، سلوار اور جمپر میں ملبوس،
اس نے کچھ کہنے کے لئے کھولے ہونٹ
جب ملے نہ الفاظ گلاس سے لیا گھونٹ
مسکرائی

- میرے پاس بھلا دینے کے لئے تھا کیا

۔ بس یہ جسم، اچھا یا برا

۔ شاید تھا یہ پروردگار کا اشارا

۔ کہ چھن جائے گھڑی پال کا آخری سہارا

۔ مگر یہ فیصلہ میرے لئے تھا نہایت کٹھن

۔ چورنگی ظالم کے لئے میں گن رہی تھی دن

۔ مگر کب تک میں خود کو بچا پاتی

۔ آخر کار مجھے چکانا تھا شیٹ محمد اور شیخ طوطا کا قرض

۔ جب میرے نصیب میں یہ دن لکھا تھا

۔ سیٹھ منگنی لال کے ہاتھوں بک جانا کیا برا تھا

۔ یہ رہا سارا روپیہ اور سونے کی چین

۔ اگلے ہفتے میرا نیا پتہ ہوگا

۔ سونا گاچھی کا امام بخش لین

۔ شاید میرے لئے یہ افسوس کی نہیں بات

۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ نیک تھی میری شروعات

۔ ایک دلدل میں جب اتر گئی ہوں میں

۔ دھنستے ہی جانا ہے مجھے

۔ اب اس سے کیا لینا زندہ ہوں یا مر گئی ہوں میں

اذیت سے جل اٹھی تھیں گھڑی پال کی آنکھیں

بہہ آئی تھی دونوں رخساروں پر آنسوؤں کی دھار

پھیلائے اس نے دونوں ہاتھ

۔ سارا جیون مجھ میں رہی ایک دُھن سوار

۔ میں بے شرم اپنی خود غرضی کا جام پیتا رہا

۔ اسے خود اپنے ہی نام پیتا رہا

۔ یہ شہر کیا تھا میرے لئے صرف ایک بہانہ

۔ شب و روز بغیر تھکے دولت کمانا

۔ اس اندھی دوڑ میں میں بھی تھا شامل

۔ میں نے بھی دنیا کو دی تھی ایک سکّے کی شکل

۔ میرے اندر تھی ایک لالچی انسان کی عقل

۔ شاید ہوا جو کچھ میرے ساتھ

۔ اس کا حقدار تھا میں

۔ کیا یہ ممکن ہے میں اتنا گر جاؤں

۔ اپنے بندھوؤں کا رکت چکھوں

۔ اب ممکن نہیں کسی بڑے سپنے کا بوجھ ڈھو سکوں

۔ میں ٹھہرایا گیا ہوں دل کا مریض

۔ میں اپنا ٹوٹا ہوا دل لے کر لوٹ جاؤں گا

۔ کاٹوں گا اپنا باقی جیون

۔ کوئیلو رندی کے کنارے

۔ اب تو بہتر ہے جلد پڑیں مجھے پر باقی دورے

۔ اور میں بھگوان کا ابھاری ہوں

۔ میری آنکھوں کے سامنے کھڑا ہے میرا پتن

تھی رستوران میں گہری خاموشی

موم بتیوں کے فلیتے شور مچا رہے تھے

باہر بارش تھم چکی تھی

لوگ باگ دکانوں اور تھیٹروں سے باہر آ رہے تھے

بہی جوڑا ہو گیا تھا غائب
نارمن جیل سر کرسی کے ہتھے پر رکھ کر سو رہا تھا
کسی بیرونی دیوار پر چھت کا پانی
کسی ڈرین پائپ کی دراڑ سے رو رہا تھا
تھا یہ آسمان کا آنسو
جو کلکتہ کے زمین دوز نالوں میں جا رہا تھا
ویٹر نے بھر دیا تھا ایک بار پھر سب کا جام
دھواں چھوڑتے اسنیکس رکابیوں پر لگا دیئے گئے تھے
فادر ناتھن نے جاری رکھا کلام
۔ اکثر جب ہم اپنے دلوں کو نہیں سُن پاتے
۔ ہم اپنی دھڑکنوں کا غلط نکالتے ہیں مفہوم
۔ ایک تیز رفتار زندگی کا ہے یہ انجام
۔ آج ہر خواب ہے المائٹی ڈالر کے نام
۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ بڑے پیچیدہ ہوتے ہیں
۔ زندگی کے معاملات
۔ ہم ایک انگلی سے دوسروں کی طرف کرتے ہیں اشارے
۔ اور باقی تمام انگلیاں خود ہمیں بتاتی ہیں
۔ جب ساروں کے گریبانوں میں
۔ جھانک چکے ہوتے ہیں ہم لوگ
۔ آخر میں اپنا ہی گریباں رہ جاتا ہے
۔ گھڑی پال، تم دوسروں سے کچھ الگ نہ تھے
۔ نہ خدا کی ذات نے تمہیں الگ چاہا

- تمہاری امیدیں، تمہاری مایوسیاں
- تمہارے زخم، تمہاری چوٹ
- یہ وہی چیزیں ہیں جن سے خود نا تھن بنا ہے
- تم تو طاقتور ہو
- ورنہ اس گنہ گار پادری کو ملتے جو یہ حالات
- یہ اپنی شکست کا اشتہار بنا دکھائی دیتا
- شاید ہاتھ پھیلا کر لوگوں کی ہمدردیاں لیتا
- مگر خدا کا شکر ہے تمہارے سلسلے میں
- مجھے ایک کامیابی ملی ہے

اور فادر نے رکسن کی ایک تھیلی سے
نکالی دس ہزار کے نوٹوں کی چار گڈیاں

- یہ وہ رقم ہے جسے گھڑی پال نے محنت سے کمایا
- میں بیچارام کا شکر گزار ہوں
- کہ اس نے دلائی واپس یہ رقم
- کسی نے سچ کہا ہے
- ٹیڑھی انگلیوں کے بغیر گھی نہیں نکلتا
- مگر پاک مسیح کی قسم
- آج میں نے ایثار کی دیکھی ہے وہ شکل
- کہ دنگ رہ گئی ہے میری عقل
- فیاض، بھٹا چارج، چورنگی کلیسا
- بابا پیٹر، وہ زمین پر بھیجا گیا فرشتہ
- تم لوگوں نے وہ مثال کی ہے قائم

- جو اس دھرتی پر رہے گی دائم
- میں نے دیکھی ہے کہاں دوسری کوئی نظیر
- مجھے ڈر ہے یہ چالیس ہزار کی رقم ہے کثیر
- گھڑی پال کو جس موذی مرض نے گھیرا ہے
- اس سے لڑنے کے لئے یہ بالکل ہے قلیل

جانے وہ کیا کرشمہ تھا کہ سارے ہو گئے یک زبان

- فادر، ہمارے پیسوں سے زیادہ قیمتی ہے
- گھڑی پال کی جان

گھڑی پال نے کھڑے ہو کر جوڑے دونوں ہاتھ

- میں آپ سجنو کو سنویدن پرنام کرتا ہوں
- جب میں کلکتہ آیا
- میں تھا ایک غریب نادار
- مگر آج ملا ہے مجھے اتنا پیار
- کہ ماند پڑ جائے ہیروں کا انبار

فادر نے اٹھایا اپنا جام

سب نے اپنا گلاس ٹکرایا

شیشوں کی کھنک سے نارمن جیل جاگ اٹھا

اوروں کی تقلید میں اس نے بھی گلاس اوپر اٹھایا

- اس چھت کے نیچے
- کلکتہ کی اس نئی زمین پر
- اس طرح سے شاید ہم نہ مل پائیں کبھی
- مگر خدا کی اس کائنات کے انتظام میں

- یقیناً آئے گی ایک شام
- جب تارے آسمان میں روشن ہونگے
- اور میناروں میں گھنٹیاں بج اٹھینگی
- اور پرندے دھرتی پر
- خدا کی سلامتی کے گیت گا رہے ہونگے
- اور ہم اس شاہراہِ حیات پر
- تنہا نہ ہونگے

جانے وہ کیا لمحہ تھا کہ اچانک سارے قمقمے جل اٹھے
فادر نے بل چکایا' سارے گلی میں نکل آئے
اور گلی میں نکلتے ہی
گھٹنوں تک ہو گئے پانی میں غرق
فیاض مسکرایا

- اسے صرف کلکتہ والے ہی جانتے ہیں
- کلکتہ کا یہ بہت بڑا راز ہے
- کلکتہ کے پیار کرنے کا یہ بھی اپنا انداز ہے

صدر اسٹریٹ کے ناکے پر
جہاں تھا جادو گھر کا کونا
چورنگی پر گاڑیاں کھینچ رہی تھیں
روشنی اور دھوئں کی لکیریں
سارا میدان' اسکے پیڑ پودے
دھند میں ایک قیاس کی طرح لگ رہے تھے
فادر نے ایک ٹیکسی رکوائی

۔ ابھی مجھے پورے کرنے ہیں جانے کتنے کام

۔ میری صبح ہے لنگر خانے کے مہتمین کے لئے وقف

۔ میری شام ہے یتیم خانے کے نام

۔ میرے کچھ دوست بوڑھوں کے آشرم میں رہتے ہیں

۔ دیکھیں وہ اس گنہ گار پادری سے کیا کہتے ہیں

۔ مجھے لے جانی ہیں ان کے لئے شراب کی بوتلیں اور کیک

۔ ایک آخری ملاقات اریجن بی بی کے لئے ہے مخصوص

۔ اس گنہ گار پادری کے پاس کیا ہے

۔ بس ایک نیک دل دوستوں کا جلوس

نارمن جیل نے تھاما ویلسیان چرچ کا جنگلہ

اندر کود کر ہاتھ ہلایا

کلکتہ پر پھیل چلا کالے بادلوں کا سایہ

اختتامیہ

پیٹر تو ہجرت کر چکا ہے کناڈا

فادر ہرے رام جا چکے ہیں پرتگال

بنارس بھیجا جا چکا ہے نارمن جیل

اپنا گاؤں پہنچ چکا ہے گھڑی پال

تھی یہ ایک خوبصورت نیلی شام

جب چورنگی کی شاہراہ پڑی تھی سنسان

گرچہ تھی اس میں ہمیشہ کی بھیڑ

سر پر پھیلا تھا سنہرا آسمان

نیچے رہائشی مکانوں کے اوپر

نیون کی روشنیاں جل رہی تھیں

روشنیاں جو پلکیں جھپک رہی تھیں رنگ بدل رہی تھیں

وکٹوریا میموریل سے شہید مینار تک

زندگی ہمیشہ کی رفتار سے چل رہی تھی

دن بھر کے تھکے ہارے گھڑسوار

اپنے ٹھکانوں کی راہ لے رہے تھے

جینس اور ٹی شرٹ میں ملبوس کلیسا نے

جادو گھر کے باہر رک کر ان دو ٹانگوں کی طرف دیکھا

جو V کی شکل میں فٹ پاتھ سے ابھری تھیں

جس کے سامنے بیٹھا تھا ایک چتکبرا کتا

جس کی گردن کے سارے بال اُڑ چکے تھے

چورنگی نے مٹی کے اندر سے سر باہر نکالا

چہرے سے کپڑا ہٹا کر ماری آنکھ

- کلیسا تیرا کیا حال ہے

- تو تو آج کل ہوٹلوں میں جانے لگی ہے

- لگتا ہے اچھا خاصا ہرا نوٹ کمانے لگی ہے

- کسی دلال کی جگہ خالی ہو تو درخواست ڈال دوں

- ارے بس، یہ تو یوں ہی مذاق ہے میری جان

- کہاں چورنگی مٹی خور، کہاں کلیسا کی شان

کلیسا نے چورنگی کا ہاتھ تھام کر اسے سینے سے لگایا

- میں تو وصول کرتی ہوں اپنے بدن کا کرایہ

- تم تو سر گاڑ کر جھوٹا سوانگ رچاتے ہو

- چلو پلاتی ہوں تمہیں ہوٹل رت دین میں شراب

- بڑا خاستہ بننے لگا ہے اسکا ٹنگڑی کباب

چورنگی نے اپنی شرٹ سے بدن کا پسینہ پونچھا

- بس رہنے دو میری جان

- اتنے اونچے سپنے نہ دکھاؤ

- چاہے رنگین روشنیاں لاکھ جلاؤ

- چورنگی تو خاک ہی چاٹتا رہ جائے گا

- چورنگی ہر حال میں چورنگی کہلائے گا

چل رہے تھے ان سے تھوڑی دور

دو شرابی ہوا میں تازہ دم اور مسرور

بھنا چارج نے فیاض کا کالر تھام کر دی گالی

۔ ارے دیکھ ادھر، چورنگی اور کلیسا کا پریم

۔ اور فیاض تمہیں پتہ نہیں ناری کیا چیز ہے

۔ زلفوں کی گھنی چھاؤں میں شب بیداری کیا چیز ہے

۔ تم نے بھی زندگی کا عجیب انداز نکالا

۔ ایک دن نکلے گا کھلے عام تمہارا دیوالہ

۔ میرا کیا ہے میرا قصہ ہو چکا ہے تمام

۔ اب تو آ چکی ہے میری زندگی کی شام

۔ اب اس بوڑھے مرغے سے لڑا نہیں جاتا

۔ اور سچ پوچھو تو مجھ سے چلا نہیں جاتا

۔ بہتر ہے کہ ہم ایک اور جام پی لیں

۔ اور کچھ نہیں تو خود اپنے نام پی لیں

شام کے نیلے آسمان کے نیچے

جب کلکتہ کے گرجوں اور مندروں کی گھنٹیاں بج رہی تھیں

نرمل ہدئے میں اریجن بی بی نے دیکھا ایک خواب

اسکے ٹھنڈے بدن پر جل اٹھا تھا آفتاب

لنڈا ڈی کوسٹا نے جب اسے دیکھا مسکراتے خواب میں

اس نے اپنی میز پر جا کر لکھا کتاب میں

ہم نے جو محنت سے لگایا تھا پودا

اب اس میں پھول آنے لگا ہے

یہ اپنی خوشبو لٹانے لگا ہے

﴿ختم شد﴾

صدیق عالم کی پیدائش پورولیا (مغربی بنگال) میں ہوئی۔ ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک معلم، پھر ضلع عدالت میں اسٹینوگرافر، ایک بلاک میں جوائنٹ بی ڈی او سے لے کر اسسٹنٹ کمشنر تک کا سفر یہ بتاتا ہے کہ اس شخص کے تجربات کتنے وسیع ہیں۔ انھوں نے ۱۹۸۴ء میں کلکتہ کو اپنی رہائش کے لئے چنا جہاں انھیں اپنی زندگی کے سب سے بڑے سانحے سے گذرنا پڑا۔ ان دنوں وہ اپنی رہائش گاہ میں خاموش زندگی گذارنا پسند کرتے ہیں۔

''چارنک کی کشتی'' مصنف کی دوسری کتاب ہے۔ پہلی کتاب ''آخری چھاؤں'' افسانوی مجموعہ تھی جسے دلّی کے ایک اشاعتی ادارے نے شائع کیا تھا۔

Charnock Ki Kashti
(Urdu Novel)
By Siddique Alam

ISBN : 81-86346-14-7

چارنک کی کشتی

(ناول)

از صدیق عالم

- پھر بھی یرمیا سے کہہ دو
- اسے سختی سے باندھ کر لٹکا دے
- زور زور سے بجائے، کر دے اعلان
- جسے سنے ساری دنیا، نہ کہ صرف ہندوستان
- آئیں تمام قوموں، تمام سرزمینوں کے لوگ
- زیرِ افلاک
- ہوں وہ ہندوستانی، کشمیری، مدراسی، یا پارسی
- یہودی، فرانسیسی، ولندیزی کہ پرتگالی
- حبشی، عرب، ترک یا مُور
- چینی، ارمنی، جارجی، مغل
- پٹھان، شیخ، سنیاسی، پوگیے
- ہوں وہ غریب، امیر، راجہ یا فقیر
- چور، اچکّے، راہزن ٹھگ یا اٹھائی گیر
- سفید بادلوں سے ڈھکے اس آسمان کے نیچے
- جہاں تک اس گھنٹی کی آواز گونجے
- سب آئیں
- اپنی اپنی جنس کے مطابق پھلیں پھولیں
- اپنے خواب کا شہر بسائیں

INSHA PUBLICATIONS
25-B, Zakaria Street, Kolkata - 700073
Phone : 2235-4616 ● E-mail : inshapublications@vsnl.net